جملہ حقوق محفوظ

سلسلۂ دار المصنفین

(نمبر ۸۱)

بزمِ مملوکیہ

جس میں

ہندوستان کے مملوک یعنی غلام سلاطین، اُمرا، اور شہزادوں کی عرفان دوستی علم نوازی اور معارف پروری کے حالات اور اُن کے دربار سے متوسل علما، و فضلا، اور ادبا، و شعرا کے کمالات پر تبصرہ کیا گیا ہے

مرتبہ

سید صباح الدین عبدالرحمن ایم، اے

مطبع معارف اعظم گڈھ مین چھپی

طبع دوم

۱۴۰۱ھ
۱۹۸۱ء

Marfat.com

Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi
Preserved in Punjab University Library.

پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ
پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ

Marfat.com

133316

Marfat.com

ذخیرہ محمد ... (stamp)

فہرست مضامین

بزم مملوکیہ

مضمون	صفحہ
مقدمہ شاہ معین الدین احمد ندوی	
دیباچہ مولف	
قطب الدین ایبک ۶۰۲ھ - ۶۰۷ھ / ۱۲۰۶ء - ۱۲۱۰ء (۱ - ۳۴)	
ایبک کی ابتدائی تعلیم	۱
ترقی مدارج	۳
تخت نشینی	۴
شاہی القاب	۵
اتباع خلفائے راشدینؓ	۶
شریعت نوازی	۷
علم نوازی	۹
بہاء الدین اوشی	۱۰
جمال الدین محمد	۱۱
قاضی حمید الدین	۱۳
حسن نظامی نیشاپوری و تاج المآثر اور اس کی شاعری	۱۴
فخر مدبر	۲۷
امام صغانی	۲۹
عہد قطبی کے بعض مدارس	۳۴
معلمون کی قدر	،،
ناصر الدین قباچہ ۶۰۷ھ - ۶۲۵ھ / ۱۲۱۰ء - ۱۲۲۸ء (۳۵ - ۶۰)	
مشائخ سے تعلقات	۳۶
شعراء کی سرپرستی	۳۷
شمس الدین محمد بلخی	،،
فضلی ملتانی	۳۹
ضیاء الدین سجزی	۴۰

Marfat.com

مضمون	صفحہ
مولانا منہاج الدین جوزجانی	۴۰
وزیر عین الملک کی علمی سرپرستی	۴۲
سدید الدین محمد عوفی	۴۶
لباب الالباب	۵۰
جوامع الحکایات ولوامع الروایات	۵۳
چچ نامہ	۵۷
تعلیمی درسگاہیں	۶۰

شمس الدین التمش

۶۰۷ھ - ۶۳۳ھ

۱۲۱۰ء - ۱۲۳۶ء

۶۱ - ۱۳۳

مضمون	صفحہ
ابتدائی زندگی	۶۱
مشائخ سے عقیدت	۶۶
التمش اور حضرت عثمان ہرونیؒ	"
التمش اور حضرت خواجہ معین الدینؒ	۶۸
التمش اور حضرت بختیار کاکیؒ	۷۰
التمش اور دوسرے مشائخ	۷۷
علماء سے عقیدت	۸۴
مذہبی مذاکرے	۸۵
حکمرانی کے نظریے	۸۸
مذہبی مجلسیں	۹۰
علمی تحفے	۹۱
علماء کی فیاضانہ سرپرستی	۹۴
درسگاہیں	۹۵
شعراء	۹۶
ناصری	"
روحانی	۹۷
تاج الدین ریزہ	۱۰۰
التمش اور ریزہ	۱۰۴
شہزادہ غیاث الدین اور ریزہ	۱۰۹
رضیہ اور ریزہ	۱۱۸
وزیر نظام الملک اور ریزہ	۱۲۰
بہاء الدین علی	۱۲۹
فخر مدبر	۱۳۲
موید جاجرمی	"

رکن الدین فیروز شاہ

۶۳۳ھ - ۶۳۴ھ

۱۲۳۶ء

۱۳۴ - ۱۳۷

مضمون	صفحہ
رکن الدین فیروز شاہ اور ریزہ	۱۳۵

Marfat.com

مضمون	صفحہ
قصائد ریزہ	۱۳۶
ریزہ کا انجام	۱۴۷
شہاب الدین مہمرہ	۱۴۸
امیر خسرو اور شہاب مہمرہ	۱۴۹
رکن الدین کی مدح	۱۵۲
شہاب مہمرہ کی جدت طرازی	"
خسرو کا تلمذ	۱۵۳
گمنامی کے اسباب	۱۵۶
کلام شہاب	۱۵۸

رضیہ

۶۳۴ھ - ۶۳۷ھ

۱۲۳۶ء - ۱۲۴۰ء

۱۵۸ - ۱۶۰

معز الدین بہرام شاہ

۶۳۷ھ - ۶۳۹ھ

۱۲۴۰ء - ۱۲۴۲ء

۱۶۱ - ۱۶۴

مضمون	صفحہ
معز الدین اور مولانا منہاج	۱۶۲
معز الدین اور حضرت ابو بکر کرمانی	"
قاضی جلال الدین کاشانی	۱۶۴

علاء الدین مسعود شاہ ۱۶۴

۶۳۹ھ - ۶۴۴ھ

۱۲۴۱ء - ۱۲۴۵ء

مضمون	صفحہ
مولانا منہاج	۱۶۴

ناصر الدین محمود

۶۴۴ھ - ۶۶۴ھ

۱۲۴۶ء - ۱۲۶۵ء

۱۶۶ - ۲۳۰

مضمون	صفحہ
درویشانہ زندگی	۱۶۸
حبِّ رسول	۱۶۹
لینت اور مروت	۱۸۰
اوصاف حمیدہ	"
مشائخ سے مودت	۱۸۲
علماء سے گرویدگی	۱۸۶
طبقات ناصری کی تدوین	۱۸۸
علماء کی سرپرستی	۱۹۲
شیخ عماد الدین	"
قاضی ممالک جلال الدین کاشانی	۱۹۳
شمس الدین بہرائچی	"
جمال الدین بسطامی	"

Marfat.com

مضمون	صفحہ
مولانا قطب الدین	۱۹۳
شعراء	״
ناصر الدین محمود اور مولانا منہاج	۱۹۴
شمس دبیر	۱۹۶
عمید سنامی	״
عمید اور تاج الدین سنجر	۱۹۹
عمید کا لقب	۲۰۲
وطن	۲۰۳
ولادت	״
عمید اور سلطان بلبن	۲۰۴
عمید کی قادر الکلامی	۲۰۹
عمید اور انوری	۲۱۱
عمید کی غزل گوئی	۲۱۵
عمید کی ہزل گوئی	۲۱۷
عمید اور منظوم مناظرات	۲۱۸

غیاث الدین بلبن

۶۶۴ھ — ۶۸۶ھ

۱۲۶۶ء — ۱۲۸۷ء

۲۲۱ — ۳۲۲

مضمون	صفحہ
ابتدائی زندگی	۲۲۱
مشائخ سے عقیدت	۲۲۳
بلبن اور بابا گنج شکر	۲۲۴
بلبن اور حضرت علی چشتیؒ	۲۲۶
بلبن اور خواجہ شمس الدین ترک	۲۲۷
فیوض مشائخ	۲۲۸
علماء کی قدر دانی	۲۲۹
مولانا برہان الدین محمود	۲۳۰
نجم الدین عبد العزیز	۲۳۱
شیخ سراج الدین ابوبکر	۲۳۲
مولانا شرف الدین ولوالجی	״
مولانا برہان الدین بزاز	״
قاضی رکن الدین سامانوی	״
مولانا کمال الدین زاہد	״
مولانا شمس الدین خوارزمی	۲۳۳
مولانا فخر الدین ناقلہ	۲۳۵
تعلیم کی ترویج	״
بلبن پر بزرگان دین کے اثرات	۲۳۷
بلبن کے درباری شعراء کی کمی	۲۴۴
شہزادوں کی تعلیم و تربیت	۲۴۶
شہزادہ محمد سلطان کا علمی دربار	۲۴۷

Marfat.com

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
شہزادہ محمد سلطان کی تمنا	۲۵۴	خاندان	۲۸۸
خسرو اور سعدی	״	وطن و تعلیم	۲۸۹
شہزادہ محمد سلطان کی شہادت	۲۵۶	مشق سخن	۲۹۱
حسن سجزی کا مرثیہ	۲۶۰	امیر عماد الملک کی سرپرستی	۲۹۲
شہزادہ بغرا خان	۲۶۳	تحصیل علم	۲۹۳
شمس دبیر	۲۶۵	اساتذۂ فن کی تقلید	۲۹۵
شمس دبیر اور بابا گنج شکر	״	دیوان تحفۃ الصغر کی ترتیب	۲۹۶
شمس دبیر اور بغرا خان	۲۶۷	خسرو اور سلطان المشائخ	۲۹۸
اجودھن کی حاضری	۲۷۰	خسرو کی جامعیت	۳۰۱
لکھنوتی میں قیام	۲۷۲	خسرو اور علاء الدین کشلی خان	״
شمس دبیر اور خسرو	۲۷۳	خسرو اور بغرا خان	۳۰۲
شمس دبیر کے کلام کی نایابی	۲۷۷	خسرو اور شہزادہ محمد سلطان	۳۰۳
ان کا ایک قصیدہ	״	دیوان وسط الحیوٰۃ کی ترتیب	۳۰۶
قاضی اثیر	۲۷۹	خسرو اور خاقانی	۳۰۹
امراء	״	خسرو اور کمال اسمٰعیل	۳۱۳
علاء الدین کشلی خان	״	خسرو کی غزل گوئی	۳۱۵
خسرو اور کشلی خان	۲۸۱	سعدی اور خسرو	۳۱۶
ملک الامراء فخر الدین	۲۸۷	خسرو اور حافظ	۳۱۷
شعراء	۲۸۰	حسن سجزی	۳۱۹
خسرو ۲۸۸ - ۳۱۹		حسن سجزی کی گوشہ نشینی	۳۲۲

Marfat.com

معزالدین کیقباد

۶۸۶ھ - ۶۸۹ھ

۱۲۸۷ء - ۱۲۹۰ء

۳۲۳ - ۳۴۹

مضمون	صفحہ
کیقباد کی تخت نشینی	۳۲۳
اس کی رنگینی اور سرمستی	〃
بغرا خان کی اصلاحی کوشش	۳۲۴
باپ بیٹے کی ملاقاتیں	۳۲۵
خسرو سے ان ملاقاتوں کے منظوم کرنے کی خواہش	۳۲۶
قصیدۂ تہنیت تخت نشینی	۳۲۷
مثنوی لکھنے میں خسرو کی ہچکچاہٹ	۳۳۰
قران السعدین کی تدوین	۳۳۱
قران السعدین کی تاریخی حیثیت	۳۳۳
قران السعدین میں اسوقت کے تمدنی و اثری و عمرانی حالات	۳۳۵
شہر دہلی کی تصویر	۳۳۵
چمن بندی و چمن آرائی	۳۳۶
جشن نوروزی	۳۳۷
شاہی کھانے	۳۳۸
شاہی تحائف	۳۳۹
قران السعدین کا ادبی جائزہ	۳۴۰
مثنوی کی خصوصیات	〃
نظم کے اصناف ثلثہ کا امتزاج	〃
مضامین میں تنوع	۳۴۲
وصف نگاری	〃
نادر تشبیہات و استعارات	۳۴۳
صنائع معنوی	۳۴۷
صنائع لفظی	۳۴۹
غلط نامہ	۱ - ۲

Marfat.com

مقدمہ

دار المصنفین میں ہندوستان کے اسلامی عہد کی تاریخ کی ترتیب کا جو سلسلہ شروع کیا گیا تھا، اس کی ایک جلد تاریخ سندھ شائع اور دوسری غزنوی عہد کی مرتب ہوئی تھی کہ بعض اسباب و موانع کی بنا پر فی الحال سیاسی تاریخ کا سلسلہ ملتوی کر دینا پڑا مگر علمی و تمدنی تاریخ کی ترتیب کا کام جاری ہے۔ اس سلسلہ کی ایک کتاب جو تیموریوں کے علمی کارناموں پر مشتمل ہے "بزم تیموریہ" کے نام سے شائع ہو چکی ہے، ایک کتاب ان کے فوجی نظام پر تیار ہے، ایک اسلامی عہد کی عام تمدنی ترقیوں پر زیر ترتیب ہے اور انشاء اللہ اس سلسلہ کو تکمیل تک پہنچانے کا قصد ہے۔ اور جب حالات ساز گار ہوئے تو سیاسی تاریخ کا سلسلہ بھی شروع کر دیا جائے گا۔

ہندوستان کے مسلمان خاندانوں میں تیموریوں کی عظمت اور ان کے کارناموں پر تو بہت لکھا گیا ہے، مگر ان سے پہلے کے سلاطین دہلی یعنی غلاموں، خلجیوں، تغلقوں اور لودیوں کے عہد کے علمی و تمدنی حالات کی جانب کم توجہ کی گئی ہے۔ اس کا سبب یہ نہیں ہے کہ ان کی کوئی اہمیت یا ان کے کارنامے نہیں ہیں، بلکہ ان کے حالات میں اس قسم کا تاریخی سرمایہ ہی کم ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نہ خود ان سلاطین نے اپنی تاریخ لکھانے کی جانب توجہ کی، اور نہ ان کے عہد میں کوئی ایسا مورخ پیدا ہوا جو ان کی عظمت کا مرقع تیار کرتا، جو دو چار معاصر تاریخیں ہیں بھی تو ان میں اس زمانہ کے مذاق کے مطابق رزم کی داستان سرائی میں زیادہ زور قلم صرف کیا گیا ہے، اور علمی و تمدنی حالات بہت کم اور محض ضمناً کہیں کہیں آگئے ہیں، اور اس کی تلاش کے لیے بڑی محنت اور دیدہ ریزی کی ضرورت پڑتی ہے، اس لیے اردو کے اصحاب علم و قلم نے اس دردسری کو کم گوارا کیا ہے، اس کے مقابلہ میں تیموریوں کی تاریخ پر ہر قسم کا نہایت وافر ذخیرہ موجود ہے۔ اس دور کے عام مورخوں کے علاوہ خود ان کے درباری مورخین نے ان کے حالات میں مستقل کتابیں لکھی ہیں، اس لیے ان کی تاریخ لکھنا نسبتہً آسان ہے، یہی وجہ ہے کہ تیموریوں کے مقابلہ میں سلاطین دہلی کے

Marfat.com

کارناموں کی تصویر دھندلی نظر آتی ہے، اگر ان کو بھی ابوالفضل، عبدالحمید لاہوری، عبدالباقی نہاوندی اور محمد کاظم جیسے مورخین مل جاتے تو تیموریوں کی طرح ان کی تاریخ بھی شاندار اور پرشوکت نظر آتی۔

سلاطین دہلی میں بہت سے باعظمت علم دوست اور علماء نواز حکمراں پیدا ہوئے جنھوں نے علم و تمدن کی بھی بڑی خدمت انجام دی، ان کے درباروں میں بڑے بڑے علماء و فضلاء، ادبا، شعراء اور مختلف فنون کے اصحاب علم و کمال کا اجتماع تھا، وہ صلحا، واخیار سے بھی عقیدت رکھتے تھے اور ان کے پند و نصائح کو قبول کرتے تھے جس کا اثر ان کی حکومت پر پڑتا تھا، تاج الدین ریزہ، شہاب مہمرہ، خسرو، حسن سجزی، بدر چاچ اور مطہر کڑہ جیسے شعراء اور مولانا منہاج سراج، مولانا شمس الدین خوارزمی، مولانا معین الدین عمرانی، مولانا عبداللہ سلطانپوری اور مولفین فتاوی تاتارخانی جیسے علماء ان کے دربار کی زینت تھے، اس لیے علمی حیثیت سے انکا دور نہایت ممتاز ہے، مگر اردو میں اس کے متعلق بہت کم معلومات ہیں۔

اس کمی کو پورا کرنے کی بڑی ضرورت تھی، اس لیے بزم تیموریہ کے لائق مولف نے تیموریوں کی علمی بزم کی مرقع نگاری کے بعد سلاطین دہلی کی علمی تاریخ بھی مرتب کی ہے، زیر نظر جلد ممالیک کے عہد کے حالات میں ہے، اس میں انکے علمی و ادبی خدمات کی تفصیل اور ان کے دربار سے متوسل علماء و شعراء کا تذکرہ ہے، ان میں سے بعض علماء و شعراء کے حالات جس تحقیق و تفصیل کے ساتھ پہلی مرتبہ اردو میں پیش کیے گئے ہیں اور انکی تلاش و جستجو میں مولف نے جو محنت و کاوش کی ہے، اصحاب نظر کو اس کا اندازہ کتاب کے مطالعہ سے ہوگا، ضمناً تمدنی حالات بھی آگئے ہیں، اس کے بعد کی جلدیں خلجیوں، تغلقوں اور لودیوں کے علمی حالات میں ہوں گی، اس طرح اسلامی ہند کی علمی تاریخ کا پورا سلسلہ مرتب ہو جائے گا۔

شاہ معین الدین احمد
ناظم شعبۂ علمی، دارالمصنفین

۱۱ر جنوری ۱۹۵۵ء

Marfat.com

دیباچہ

اہل نظر نے میری حقیر تالیف بزم تیموریہ کی قدردانی میری توقع سے زیادہ کی تو خیال ہوا کہ تیموری عہد سے پہلے کے سلاطین کی علم نوازی اور معارف پروری کی بھی تاریخ لکھنے کی ضرورت ہے، اور جب اس ضرورت کو پورا کرنے کی خاطر یہ کام شروع کیا تو معلوم ہوا کہ اس عہد کے شاہی درباروں سے متوسل علماء، فضلاء، ادباء و شعراء کے حالات کچھ ایسے پراگندہ، منتشر اور نظروں سے اوجھل ہیں کہ ان کو یکجا کرنے اور تاریکی سے روشنی میں لانے کی کوشش میں، کتاب کی نوعیت بدلنی پڑے گی یعنی بزم تیموریہ کی طرح فضلاء و شعراء پر اجمالی نظر ڈالنے کے بجائے انکا تفصیلی جائزہ لینا ہوگا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر ہر خاندان کیلئے الگ ایک جلد علحدہ کرنی پڑی، موجودہ جلد ہندوستان کے مملوک یعنی غلام سلاطین اور انکے امراء و شہزادوں کی علم دوستی پر مشتمل ہے، اور اس علم دوستی کی بدولت جو فضلاء و شعراء علم و ادب کے افق پر مہر و ماہ بنکر چمکے، ان کے کمالات کو بھی ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اگر ناظرین کو یہ کچھ بھی پسند آجائے تو یہی مؤلف کی کاوش و محنت کا صلہ ہو جائیگا، آئندہ جلدوں میں خلجیوں، تغلقوں اور لودیوں کی بزم کی تصویریں ہوں گی۔

بزم تیموریہ میں تیموری بادشاہوں کی عرفان دوستی کا ذکر نہیں ہے، لیکن اس کتاب میں بعض سلاطین کے حالات میں وقت کے مشائخ کے فیوض و برکات کا ذکر بھی خاص طور پر کیا گیا ہے، اہل دل بزرگان دین کی نظر کیمیا اثر نے سلطان شمس الدین التمش کو کس طرح خاک سے پاک کر دیا، اسکا ذکر ذرا تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے، اس لیے کہ سلطان کی سیرت کا یہ پہلو اب تک نظروں کے سامنے نہ تھا، راقم کو ایک گونہ مسرت ہے کہ اسی نے شاید پہلی دفعہ ستمبر ۴۵ء کے معارف میں اس سلطان کے عرفانی پہلو کو پیش کیا، بزم صوفیہ میں اس کو پھیلا کر لکھنے کا موقع نہ تھا، اس لیے

اس کتاب مین اسکو تفصیل سے لکھنے کی کوشش کی گئی ہی جس کے بعد یہ کہنے مین تامل نہین کہ اس سلطان کا شمار اسلامی تاریخ کے ان حکمرانون مین کیا جا سکتا ہی جن پر انکی اعلیٰ سیرت، اور اعلیٰ کردار کی بدولت مسلمانون کو ناز ہی، ناصر الدین محمود اور غیاث الدین بلبن کو بھی ایسے ہی فرمانرواؤن کی صف مین لا کر کھڑا کیا جا سکتا ہی، جیسا کہ ناظرین کو خود اس کتاب مین ان کے حالات سے اندازہ ہوگا، گو ناصر الدین محمود اپنے باپ سلطان شمس الدین التمش یا اپنے خسر غیاث الدین بلبن کی طرح ایک حکمران کی حیثیت سے زیادہ کامیاب نہین رہا، ان سلاطین کے اوصاف و محاسن کے ذکر مین جا بجا ملفوظات خواجگان چشت کے حوالے ہین، بعض اہل علم کا خیال ہی کہ ہندوستان مین شروع دور کے خواجگان چشت کے ملفوظات فرضی ہین، اسلیے انکو ماخذ بنانا صحیح نہیں، اسکی طرف بھی توجہ راقم ہی نے پہلی دفعہ جولائی ۱۹۴۶ء کے معارف (ص ۰ ۰) کے ذریعہ دلائی، پھر ۱۹۴۹ء مین بزم صوفیہ کی تمہید مین یہ واضح کیا کہ خواجگان چشت کے ملفوظات کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان بزرگون نے انکو مرتب نہیں کیا، بلکہ بعد مین ان کے اسماے گرامی انکی طرف منسوب کر دیے گئے ہین، پھر اس پہ تفصیل کیساتھ اکتوبر ۱۹۵۰ء، واکتوبر ۱۹۵۱ء اور دسمبر ۱۹۵۱ء کے معارف مین بحث کی، ان تمام مباحث کے بعد راقم اس نتیجہ پر پہنچا ہی کہ جو رسالے خواجگان چشت کے نام سے منسوب ہین، وہ اگر ان کے قلم اور ہاتھ سے نہیں لکھے گئے تو کم از کم قدیم العہد ضرور ہین، اور ان کو احتیاط کیساتھ ماخذ کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ مولانا عبد الحق محدث دہلوی نے اپنے تذکرہ اخبار الاخیار مین کیا ہے وہ بھی ملفوظات خواجگان چشت کو ان کی تصانیف تسلیم کرنے مین متامل ہین، پھر بھی وہ ان کے حوالے بار بار دیتے ہیں، اس کتاب مین بھی ان سے جا بجا استفادہ کیا گیا ہی، ناقدین کی تنقید سے بچنے کی خاطر ان ملفوظات سے جہان کوئی روایت نقل کی گئی ہی وہان دوسرے مستند مجموعۂ ملفوظات اور تذکرون کے متوازی حوالے بھی دیدیے گئے ہین تاکہ یہ روایتین محض یہ کہکر مجروح نہ کر دی جائین کہ یہ ان ملفوظات کے مجموعون سے لی گئی ہین جن کو بعض اہل علم فرضی سمجھتے ہین، اس سلسلہ مین بزم صوفیہ کے بعض واقعات کی تکرار بھی اس کتاب مین ہو گئی ہی، لیکن یہ واقعات بزم صوفیہ مین محض اجمالی طور پر آئے ہین، انکو تفصیل سے لکھنے کا موقع اس کتاب مین ملا تو تکرار ناگزیر ہو گئی،

راقم کو اس کی بھی خوشی ہی کہ اس کتاب کے ذریعہ بعض فارسی شعراء کا تعارف اردو مین پہلی دفعہ کیا جا رہا ہی، شعراء کے

Marfat.com

تنقیدی مطالعہ سے جو طوالت آگئی ہے امید ہے کہ ناظرین پر گران نہ گزرے گی بعض طویل قصائد اسلیے بھی نقل کر دیے گئے ہین کہ

گاہے گاہے باز خوان این دفتر پارینہ را

آج ہمارے اسلاف کے یہ قصائد ہی کیا بلکہ انکی ساری فارسی شاعری دفتر پارینہ ہی کی حیثیت رکھتی ہے لیکن ہم اپنی رواداری اور وسعت قلب کی بنا پر فارسی زبان کو چھوڑ کر ہندوستان کے رہنے والون کی ملی جلی زبان اُردو کو قبول نہ کر لیتے تو آج ہماری علمی اور ادبی زندگی کو یہ فارسی شاعری کس قدر متمول کر چکی ہوتی، اب یہ تمام شعراء ہمارے لیے گویا اجنبی سے بنگئے ہین، اور ہماری ثقافتی زندگی سے دور ہوتے جا رہے ہین، پھر بھی انکے علمی و ادبی کارنامون کا مطالعہ ضروری ہے کہ ان ہمارے ماضی کی علمی تاریخ بنی اور یہ اُنہی کے کمالات کی بدولت ہماری موجودہ علمی ذوق کی نشو و نما ہوئی۔

ان شعراء مین امیر خسرو پر اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ ان کے متعلق کوئی نئی بات لکھنی آسان نہین لیکن اس کتاب مین ناظرین کو کوئی بات بھی نئی نظر آجائے تو مولف اپنی قلمی کاوشون کو رائگان نہین سمجھے گا۔

شعراء کے کلام حتی الوسع بڑی احتیاط سے نقل کیے گئے ہین، مگر بعض بدخط قلمی نسخون اور تذکرون سے انکو نقل کرنے مین بڑی دشواریون کا سامنا کرنا پڑا ہے بعض مطبوعہ نسخون مین بھی اشعار صحیح نقل نہین ہوئے ہین، اس لیے اگر اشعار کی کتابت مین غلطیان رہ گئی ہون تو ہم اس کے لیے پہلے سے معذرت خواہ ہین مطبع کی غلطیوں کی تصحیح آخر مین کر دی گئی ہے انکو ناظرین درست کر لین بعض اشعار کے الفاظ مین "یائے مجہول" کے بجائے "یائے معروف" ہی لکھی گئی ہے، کیونکہ بعض اساتذہ نے ان کو اسی طرح نقل کیا ہے۔

اس کتاب مین کہین "جیتل" اور کہین "چیتل" لکھا گیا ہے جیتل زیادہ صحیح ہے لیکن بعض مستند نسخون مین چیتل بھی مرقوم ہے، اسی طرح تنکے اور ٹنکے دونون اصطلاحات نظر سے گذری ہین،

ممکن ہے اس کتاب کا نام "بزم مملوکیہ" عام فہم نہ ہو، کیونکہ ہندوستان کے غلام سلاطین کے لیے عام طور سے "مملوک" کی اصطلاح استعمال نہین ہوئی ہے لیکن حال کے اہل قلم ان کے لیے یہی اصطلاح استعمال کرنے لگے ہیں اسلیے بزم تیموریہ کی مناسبت سے "بزم مملوکیہ" ہی نام زیادہ پسند آیا۔

Marfat.com

اس کتاب کی ترتیب و تدوین کے سلسلہ میں علی گڈھ کا بھی سفر کرنا پڑا، اور وہاں حبیب گنج اور مسلم یونیورسٹی کے کتب خانوں کی کتابوں سے استفادہ کیا، بزرگ محترم جناب عبید الرحمن خان صاحب شروانی، جناب ڈاکٹر محمد عزیز صاحب لکچرار شعبۂ اردو، اور ڈاکٹر عشرت حسین انور صاحب لکچرار شعبۂ فلسفہ کی مہمان نوازیوں کا صمیم قلب سے رہین منت ہوں، جناب عبید الرحمن خان صاحب شروانی انتہائی لطف و کرم کا اظہار کر کے ان خصوصی خاندانی روابط و مراسم کا ثبوت دیا جو ان کے والد بزرگوار مولانا حبیب الرحمن خاں رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے سے دار المصنفین والوں کے ساتھ قائم ہیں۔

علی گڈھ کے قیام کے زمانہ میں مجھ کو خلیق احمد نظامی ریڈر شعبۂ سیاسیات سے معلوم ہوا کہ محترمی پروفیسر محمد حبیب صدر شعبۂ سیاسیات نے کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن سے تاج المآثر کی نقل منگوائی ہے، اس سے پورا استفادہ کرنے کا موقع ملا جس کے بغیر میری یہ کتاب ایک حد تک ناقص رہتی، ان دونوں حضرات کی اس علمی امداد کا بھی تہ دل سے شکر گذار ہوں، سید بشیر الدین صاحب لائبریرین لٹن لائبریری کا بھی ممنون ہوں کہ انھوں نے امیر خسرو کے مطبوعہ دیوان وسط الحیوۃ کا ایک نسخہ دار المصنفین کو نذر کر کے میری بہت سی مشکلات آسان کر دیں، یہ نسخہ ناقص رہ جانے کی وجہ سے چھپنے کے بعد شائع نہ ہو سکا، اس کے کچھ نسخے مسلم یونیورسٹی میں محفوظ رہ گئے ہیں، لٹن لائبریری میں مشتاق احمد صاحب اسسٹنٹ لائبریرین اور شاہد شروانی صاحب جس اخلاق سے پیش آئے اس کا بھی مشکور ہوں۔

عم محترم جناب بشیر الحق صاحب بیدل دسنوی عظیم آبادی اور جناب امتیاز علی خان صاحب عرشی بھی لائق تشکر ہیں کہ انھوں نے خدا بخش خان لائبریری پٹنہ اور کتب خانہ رامپور سے بعض ضروری اقتباسات نقل کر کے بھیجے۔

ہیچمدان

سید صباح الدین عبد الرحمن (ملیگ)

۱۲ جنوری ۱۹۵۵ء

Marfat.com

دیباچہ طبع دوم

اس کتاب کا پہلا اڈیشن عرصہ ہوا کہ ختم ہوگیا تھا۔ اچھے کاتب کے نہ ملنے کی وجہ سے اس کی عکسی طبعیں دہلی میں تیار کرانی پڑیں جس سے اس کے دوسرے اڈیشن کی طباعت میں کافی تاخیر ہوئی۔

پہلے اڈیشن کی اشاعت کے کچھ دنوں کے بعد کل ہند انجمن ترقی اردو کی ایک کانفرنس دہلی میں ہوئی تو وہاں لکھنؤ یونیورسٹی کے مشہور استاد پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب بھی تشریف لائے تھے، ان کی نظر مجھ پر پڑی تو بڑی شفقت سے میری طرف بڑھے اور فرمایا کہ بزم تیموریہ اور بزم مملوکیہ کے سلسلے بہت خوب ہیں، ان دونوں کتابوں کو شوق سے پڑھا، یہ سلسلہ جاری رہے، وہ یہ فرما رہے تھے تو مجھ کو ایسا معلوم ہوا کہ میری محنت کا اصلی صلہ مل رہا ہے۔

مجھی پروفیسر خلیق احمد نظامی (شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) جب کبھی ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ وہ میری تمام تصانیف میں بزم مملوکیہ کو سب سے اچھی تصنیف سمجھتے ہیں، جواب میں کہتا ہوں کہ اپنی اپنی پسند ہے۔

دارالمصنفین سے جب کبھی کوئی نئی کتاب شایع ہوتی ہے تو اس کی روایت یہ ہے کہ کہیں ریویو کے لیے بھیجی نہیں جاتی ہے، کیونکہ کتاب کو خود بولنا چاہیے، نہ کہ دوسروں کو اس کے متعلق بولنے کو کہا جائے، البتہ مولانا سعید احمد اکبرآبادی ایڈیٹر برہان سے ذاتی تعلقات کی بنا پر ان کے پاس ضرور جاتی ہے کہ وہ دارالمصنفین کے بڑے قدردان بھی ہیں، یہ کتاب شایع ہوئی تو اگست ۱۹۵۵ء کے رسالہ برہان میں مولانا ابو محفوظ الکریم معصومی استاد مدرسہ عالیہ کلکتہ نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ اس میں قطب الدین ایبک سے معزالدین کیقباد تک کے عہد حکومت تک کی علمی و ادبی تاریخ محققانہ پیرایہ میں پیش کی گئی ہے اس کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ شعراء کے کلام اور بعض مشہور مصنفوں کے اسلوب نگارش پر تبصرہ کرتے ہوئے مؤلف کے قلم سے ادبی مباحث و فوائد کے سلسلہ میں کارآمد باتیں نکلی ہیں، دہلی کے ملوک سلاطین کے قصر سلطانی سے نکل کر ایک طرف اچھ اور دوسری طرف لکھنوتی تک کے

وزراء، امراء، والیان ملک اور اقطاعداروں کے درباروں میں علمی و ادبی بزم آرائیوں کی جہل پہل جس حد تک کہ مستند ماخذوں سے فاضل مولف کو معلوم ہو سکی ہے، اس کی عکاسی بزم مملوکیہ کے صفحات میں کی گئی ہے۔

اس تبصرہ میں فاضل تبصرہ نگار نے اس کی طرف بھی توجہ دلائی کہ اس کتاب کے ص ۱۳۔ الاجل الصدر الاجل، افتخار الملک، افضل العصر جمال الدین محمد بن نصیر کا جو ذکر ہے، وہ سلطان قطب الدین ایبک کے دربار سے وابستہ ہونے کے بجائے سلطان غیاث الدین غوری کی بارگاہ سے منسلک تھا، وہ عوفی کی لب الالباب میں مرزا محمد قزوینی کے بیان سے اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ سلطان سعید سے غالباً سلطان غیاث الدین مراد ہے، غالباً لکھ کر وثوق اور یقین کا درجہ نہیں دیا ہے، لیکن یہ اگر قطعی طور پر ثابت ہو جائے کہ جمال الدین محمد قطب الدین ایبک کے بجائے سلطان غیاث الدین کے دربار سے وابستہ تھا تو تسلیم کرنے میں تامل نہ ہوگا۔ فاضل تبصرہ نگار نے اسی طرح قیاس آرائی کر کے کچھ اور باتوں کی طرف توجہ دلائی ہے لیکن ان کے قیاسات کی صحت اور عدم صحت کا فیصلہ اصل کتاب اور تبصرہ کو سامنے رکھ کر بھی کیا جا سکتا ہے۔

خیال تھا کہ بزم مملوکیہ کے فوراً ہی بعد خلجیوں، تغلقوں اور لودیوں کی علمی بزم آرائیوں کی جلدوں کی ترتیب شروع ہو جائے گی جیسا کہ دیباچہ سے ظاہر ہوگا، مگر میرا قلم کچھ ایسا آوارہ گرد واقع ہوا ہے کہ لکھنے کا ارادہ کچھ اور ہوتا ہے قلم سے کچھ اور نکل پڑتا ہے، اب جبکہ اپنی عمر کی آخری منزل آگئی ہے قلم کی اس آوارہ گردی کی کچھ روداد حیطۂ تحریر میں بے ساختہ آرہی ہے۔

یونیورسٹی میں تعلیم پا رہا تھا تو جناب سید حسن برنی کی ایک کتاب ضیاء الدین برنی پڑھی اس کا ترجمہ انگریزی میں کرنے کو جی چاہا تو کر ڈالا یہ ترجمہ بعد میں جنوری ۱۹۳۸ء کے اسلامک کلچر حیدرآباد میں شایع ہوا، ایم۔ اے کا امتحان دے کر گھر میں بیٹھا تھا تو حضرت مولانا سید سلیمان ندوی کے رسالہ خواتین اسلام کی بہادری" کو پڑھ کر اتنا متاثر ہوا کہ اس کا ترجمہ بھی انگریزی میں کر لیا، یہ پہلے اسلامک ریویو لندن میں کئی قسطوں میں شایع ہوا، پھر اس کو شیخ محمد اشرف ناشر کتب کشمیری گیٹ لاہور نے اپنے یہاں سے شایع کیا جس کے متعدد

Marfat.com

ایڈیشن اب تک نکل چکے ہیں، خواتین اسلام کی بہادری کا انگریزی ترجمہ ختم کیا تو مولانا شبلی کی کتاب اورنگ زیب عالمگیر سے غیر معمولی دلچسپی ہوئی، اس کا بھی ترجمہ انگریزی میں کرنے کی سعادت حاصل ہوئی، اب اس کو ادارۂ ادبیات دلی نے شایع کر دیا ہے، کچھ دنوں جامعہ ملیہ میں قیام رہا تو وہاں رسالہ جامعہ اور ہندوستان ٹائمز میں اردو اور انگریزی میں مضامین لکھتا رہا، دارالمصنفین آیا تو پہلے سید صاحبؒ کا طویل مضمون مسلمانوں کے عہد میں ہندوؤں کی علمی و ادبی ترقی" کا ترجمہ انگریزی میں کیا۔

جو ۱۹۳۸ء اور ۱۹۳۹ء کے اسلامک کلچر حیدر آباد میں کئی قسطوں میں شایع ہوا، ان ہی دنوں حضرت سید صاحبؒ کی "عربوں کی جہاز رانی" کا ترجمہ شروع کیا تو جلد ختم ہو گیا، یہ بھی ۱۹۴۲ء کے اسلامک کلچر حیدر آباد میں کئی بالاقساط میں شایع ہوتا رہا، بعد میں شیخ محمد اشرف لاہور نے اس کو اپنے یہاں سے شایع کیا، اس کے بھی اب تک کئی اڈیشن نکل چکے ہیں۔

اپنے وطن دیسنہ کے کتب خانہ میں اشرف علی فغاں کا ایک قلمی نسخہ تھا، اس کو ایڈٹ کرنے کو جی چاہا تو یہ کام بھی جلد ختم ہو گیا، بابائے اردو ڈاکٹر عبد الحق نے اس کو ۱۹۵۰ء میں انجمن ترقی اردو پاکستان کی طرف سے شایع کیا، دارالمصنفین کے قیام کے ابتدائی دور میں حضرت سید صاحبؒ کی شہرۂ آفاق تصنیف خیام کا بھی ترجمہ انگریزی میں کرنا شروع کیا، لیکن ان کے داماد برادرم ابو عاصم نے بھی اس کے ترجمہ کی خواہش ظاہر کی تو پھر جو تھوڑا بہت ترجمہ کر چکا تھا ان ہی کے حوالہ کر دیا، مگر وہ اپنی مشغولیتوں کی وجہ سے یہ ترجمہ مکمل نہ کر سکے، دارالمصنفین آکر شاہان تیموریہ کے علمی ذوق پر معارف میں مضامین لکھنے شروع کیے تو کئی قسطوں میں یہ سلسلہ ختم ہوا، حضرت سید صاحبؒ نے اس کو کتاب کی شکل میں ترتیب دینے کو فرمایا تو بزم تیموریہ کے نام سے ۱۹۴۸ء میں دارالمصنفین سے شایع ہوئی، ۱۹۴۳ء میں کلکتہ گیا ہوا تھا تو وہاں کلکتہ یونیورسٹی کے مشہور استاد پروفیسر ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی سے بار بار ملنے کا اتفاق ہوا، انھوں نے ہندوستان کے صوفیائے کرام کی تصانیف پر پی۔ ایچ۔ ڈی کے لیے ایک مقالہ تیار کرنے کی رائے دی، موضوع دلچسپ تھا، پی۔ ایچ۔ ڈی بننے کے شوق میں اس موضوع پر لکھنا شروع کیا تو لکھتا چلا گیا اور جب ختم ہونے پر تھا تو سخت علیل ہو گیا، بہت دنوں تک اپنی علالت اور صحت سے پریشان رہا، خیال ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو شاید یہ بات پسند نہ آئی کہ ان بزرگان دین کو اس قسم کے کاموں میں استعمال کیا جائے، پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے سے دل نے ابا کیا، پھر جو کچھ لکھا تھا معارف میں عہد مغلیہ سے پہلے کے صوفیائے کرام کی تصانیف پر ایک نظر کے عنوان سے شایع ہوتا رہا، حضرت سید صاحبؒ کو یہ سلسلہ

Marfat.com

اس قدر پسند آیا کہ معارف میں اس کی اشاعت برابر جاری رکھنے کو فرماتے رہے، بالآخر بزم صوفیہ کے نام سے دارالمصنفین سے ۱۹۵۰ء میں شائع ہوئی، اس کے متعدد اڈیشن نکل چکے ہیں، اپنی طرف سے اس کے ہر اڈیشن میں ترمیم و اضافہ جاری ہے، بزم صوفیہ کے بعد بزم مملوکیہ لکھنی شروع کی، اس کی اشاعت ۱۹۵۵ء میں ہوئی، اس کے بعد بزم خلجیہ کی ابتدا کی، اس کو ختم کرنے کے بجائے میرا قلم آوارہ گرد ہو گیا تو اس وقت سے اب تک میری ناچیز علمی کاوشوں سے حسب ذیل کتابیں مرتب ہو چکی ہیں، (۱) ہندوستان عہد وسطیٰ کی ایک جھلک ۱۹۵۸ء (۲) ہندوستان عہد وسطیٰ کا فوجی نظام ۱۹۶۰ء، (۳) ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی جلوے ۱۹۶۳ء (۴) ہندوستان کے سلاطین، علماء اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر ۱۹۶۴ء (۵) ہندوستان امیر خسرو کی نظر میں ۱۹۶۶ء (۶) ظہیر الدین محمد بابر ہندو اور مسلمان مورخین کی نظر میں ۱۹۶۷ء (۷) بزم رفتہ کی سچی کہانیاں حصہ اول ۱۹۶۷ء (۸) [illegible] ۱۹۶۹ء (۹) ڈاکٹر سید محمود ۱۹۶۷ء (۱۰) ہندوستان کی بزم رفتہ کی سچی کہانیاں حصہ دوم ۱۹۶۷ء (۱۱) ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری ۱۹۶۵ء، (۱۲) محمد علی کی یاد میں ۱۹۶۷ء (۱۳) غالب مدح و قدح کی روشنی میں حصہ اول ۱۹۶۷ء (۱۴) غالب مدح و قدح کی روشنی میں حصہ دوم ۱۹۶۹ء (۱۵) امیر خسرو دہلوی حیات اور شاعری ۱۹۷۹ء (۱۶) صوفی امیر خسرو ۱۹۸۰ء (۱۷) صلیبی جنگ ۱۹۸۰ء (۱۸، ۱۹) بزم رفتگان حصہ اول و دوم ۱۹۸۱ء (۲۰) ہندوستان میں مسلمان حکمرانوں کی تمدنی [illegible] حصہ دوم و سوم زیر طبع) (۲۱) افادات شاہ معین الدین احمد ندوی (زیر طبع)،

بزم تیموریہ کا پہلا اڈیشن ختم ہو گیا تو اس میں ترمیم و اضافہ کرنے لگا، پھر اس کو تین حصوں میں شائع کرنا پڑا، پہلا اڈیشن ۴۶۴ صفحے پر مشتمل تھا، لیکن اب ان تین حصوں کی ضخامت گیارہ سو پچاس (۱۱۵۰) صفحے کی ہو گئی ہے۔

ان علمی سرگرمیوں کے ساتھ معارف، آج کل دہلی، نیا دور لکھنؤ، شیرازہ سری نگر، اسلامک کلچر حیدرآباد، اسلامک لٹریچر لاہور، بہار ریسرچ سوسائٹی پٹنہ، انڈو ایرانیکا کلکتہ، ہمدرد اسلامیکس کراچی وغیرہ میں تقریباً ساڑھے تین ہزار صفحات لکھے ہوں گے، جو علیحدہ شائع ہوں تو کئی جلدیں ہو جائیں، انگریزی میں امیر خسرو اے جینیس بھی لکھی جو ۱۹۸۱ء میں ادارہ ادبیات دلی سے شائع ہوئی، یہ سب کچھ لکھتا رہا، لیکن بزم مملوکیہ کے بعد کے سلسلہ کی تکمیل کا خیال اب تک ذہن میں چکر لگاتا رہا، اب تو زندگی کی اس آخری منزل میں دارالمصنفین کے انتظامی امور، معارف کی ادارت اور دوسرے کاموں کا بار اس دوش ناتواں پر اتنا پڑ گیا ہے کہ اس سلسلہ کی تکمیل کی حسرت زندگی کے ساتھ شاید سپرد خاک ہی ہو کر رہے۔

بزم مملوکیہ کے بعد کے سلسلے کو پورا کرنے کی توفیق نہیں ہوئی کیوں؟ اس کا جواب خود میرے پاس نہیں، سوائے اس کے کہ اپنے قلم کی آوارہ گردی کی شکایت کروں، اپنی علمی زندگی کو پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں تو اس غلط فہمی سے تھوڑی سی تسلی تو ہو جاتی ہے کہ جو کچھ بن پڑا کرتا رہا، لیکن یہ فیصلہ اہل نظر ہی کر سکتے ہیں کہ یہ سب کچھ کسی کام کا ہوا بھی کہ نہیں۔

سید صباح الدین عبدالرحمن

۲۲ جولائی ۱۹۸۱ء

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قطب الدین ایبک

۶۰۲ - ۶۰۷ھ

۱۲۰۶ - ۱۲۱۰ء

سلاطین دہلی کی حکومت غلاموں کی بادشاہت سے شروع ہوتی ہے۔ اور یہ اسلامی مساوات و اخوت کا ایک بہت روشن پہلو ہے کہ غلاموں نے بھی مسند حکومت پر جلوہ افروز ہو کر اپنے آقاؤں ہی کی طرح کشورکشائی اور جہانبانی کی، اور جس تدبر اور ہوشمندی سے زمام سلطنت کو سنبھالا وہ اس کا واضح ثبوت ہے کہ ان غلاموں کی پرورش و پرداخت ان کے آقا اپنے خاندان کے افراد ہی کی طرح کرتے تھے۔ انھوں نے جو تعلیم و تربیت پائی اس سے ان کی گوناگوں صلاحیتیں ابھر آئیں۔ اور ان کی سوئی ہوئی قسمت جاگ اٹھی۔ اقبال نے بھی بڑھ کر ان کے قدم چومے اور انھوں نے ہندوستان کی تاریخ میں ایسے سیاسی، تمدنی اور علمی کارنامے انجام دیے جن پر آج بجا طور پر فخر کیا جا سکتا ہے۔

ایبک کی ابتدائی تعلیم

دہلی کے ملوک یعنی غلام سلاطین کی حکومت کا آغاز قطب الدین ایبک سے ہوتا ہے۔ وہ نسلاً ترکی یعنی ترکستان کا رہنے والا تھا۔ بچپن میں ایک سوداگر اس کو ترکستان سے خرید کر نیشاپور لے آیا یہاں اس نے قاضی فخرالدین عبدالعزیز کوفی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ یہ امام اعظم ابو حنیفہ کی اولاد میں سے

تھے، اور نیشاپور اور اسکے مضافات کے حاکم بھی تھے[1]، اپنے علم، فضل، دینداری اور تقویٰ کی وجہ سے اپنے عہد کے امام ابوحنیفہ سمجھے جاتے تھے، تاریخ فخر الدین مبارک شاہ میں ہے:۔

امامے عالم ذوفنون متبحر متقی بسیار فضل متدین از فرزندان امام عالم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہ درایام وعہد خود ابوحنیفہ ثانی بود۔[2]

گویا قطب الدین کو اس کی قسمت نے ایسے گھر پہنچایا جو دینی اور دنیاوی دونوں لحاظ سے امتیازی حیثیت رکھتا تھا، تاریخ فخر الدین مبارک شاہ میں ہے کہ قطب الدین نے امام فخر الدین کے گھر میں کلام پاک پڑھنا شروع کیا، اور ان کی برکت سے کلام پاک کی ایسی تعلیم پائی کہ قرآن خواں کے نام سے مشہور ہو گیا،

قرآن در خانۂ آن امام بزرگ آموخت و از برکت نظر او قرآن خوان شد و بدین نام معروف گشت و ترکان ببازی و دویدن و نرد و شطرنج باختن معروف شدند و بقرآن خواندن مشہور گشت و بسبب برکت قرآن خواندن اقبال و دولت و دستگاہی روے بدو آورد۔[3]

طبقات ناصری کے مؤلف کا بھی بیان ہے کہ قاضی فخر الدین نے اس زرخرید غلام کو اپنے بچوں ہی کی طرح کلام پاک پڑھوایا، اور سواری اور تیر اندازی کی بھی تعلیم دی[4]، فرشتہ رقمطراز ہے کہ قطب الدین اپنے آقا قاضی فخر الدین کے لڑکوں کے ساتھ مکتب جاتا، اور تھوڑے ہی دنوں میں کلام پاک پڑھنے لگا، لکھنے پڑھنے سے واقف ہو گیا، اور دوسرے آداب اور کمالات میں بھی اچھی طرح مہارت حاصل کر لی[5]۔ قاضی فخر الدین کی وفات کے بعد ان کے کسی لڑکے نے قطب الدین کو کسی تاجر کے ہاتھ فروخت کر دیا، جس نے اس کو سلطان معز الدین سام المعروف بہ شہاب الدین غوری کی خدمت میں پیش کیا۔ سلطان نے بڑی قیمت دیکر خرید لیا، اس کی صورت خراب ہونے کے علاوہ اس کی چھنگلیا بھی ٹوٹی ہوئی تھی، اس لیے لوگ اس کو ایک شل

---

[1] طبقات ناصری، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی ص ۱۳۸ [2] تاریخ فخر الدین مبارک شاہ ڈے نی سن روس ص ۲۱ [3] ایضاً
[4] طبقات ناصری، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی ص ۱۳۸ [5] تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۶۱، نولکشور پریس۔

Marfat.com

(خستہ انگشت) کہتے تھے[1] آگے چل کر ایک شل کے بجائے صرف ایبک ہی اس کے نام کا جزء ہوگیا، حالانکہ ایبک کے معنی صرف انگلی ہی کے ہیں،

ترقی مدارج وہ رفتہ رفتہ اپنے اوصاف و محاسن کا سکہ سلطان شہاب الدین غوری اور اس کے درباریوں پر بٹھاتا گیا، سلطان شہاب الدین نے ایک رات بزم نشاط منعقد کی، خوشی کے عالم میں اس نے تمام غلاموں کو انعام میں چاندی سونے اور روپے پیسے عطا کیے، قطب الدین کو تمام غلاموں سے زیادہ دیا، لیکن جب یہ محفل عشرت ختم ہوئی، اور قطب الدین باہر آیا تو اس نے اپنے سارا انعام ادنیٰ غلاموں میں تقسیم کر دیا، جب اس کی خبر سلطان کو ہوئی تو وہ اپنے ایک غلام کی بلند حوصلگی اور فیاضی سے خوش ہوا، اور اس کو اپنے امراء میں داخل کر لیا، اور اس کی جگہ اپنے تخت کے سامنے مخصوص کی[2]، اور پھر وہ روز بروز سلطان کی آنکھوں کا تارا ہوتا گیا، پہلے تو وہ امیر خور کے عہدہ پر مامور کیا گیا، اور جب غور، غزنین اور بامیان کے سلاطین نے مل کر خراسان کی طرف سلطان شاہ کے خلاف یورش کی تو اس لشکر میں وہ علفچیوں کا سردار تھا، ایک روز وہ اپنے لشکر کے مویشیوں کے لیے چارہ فراہم کر رہا تھا کہ غنیم کی فوج نے بڑھ کر اس کے ساتھیوں کو گھیر لیا، قطب الدین ان سے بہادری سے لڑا، لیکن اس کے ہمراہی تھوڑے تھے، اس لیے وہ دشمنوں کے ہاتھوں گرفتار ہوگیا، انھوں نے اس کو لوہے کے پنجرے میں بند کر کے قید کر دیا، لیکن جب سلطان شاہ کو شکست ہوئی تو قطب الدین کا آہنی پنجرہ ایک اونٹ پر لاد کر سلطان شہاب الدین غوری کے سامنے پیش کیا گیا، سلطان نے اس کو پنجرے سے نکالا، اور طوق آہنی کے بجائے موتیوں کے ہار اس کے گلے میں پہنائے[3]، اس کے بعد قطب الدین کے درجات اور بھی بڑھتے گئے، ۱۱۹۱ء میں شہاب الدین اجمیر فتح کر کے اور دہلی کے راجہ کو اپنا باجگذار بنا کر غزنین واپس

---

[1] طبقات ناصری ص ۱۳۸، [2] ایضاً و طبقات اکبری، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی ج ۱ ص ۴۱،

[3] طبقات ناصری ص ۱۳۹، فرشتہ ج ۱ ص ۶۱،

Marfat.com

جانے لگا تو قطب الدین کو کہرام اور سامانہ کا اقطاعدار (وایل) اور ہندوستان کا سپہ سالار بنایا۔[1]

قطب الدین نے اس جلیل القدر عہدہ کے فرائض اچھی طرح انجام دیے اور اسی کے ساتھ میرٹھ، دہلی اور رنتھنبور کو تسخیر کر کے اپنے فن سپہگری کے بھی پورے جوہر دکھائے، چنانچہ ۱۱۹۳ء ۵۸۹ھ میں سلطان شہاب الدین نے اس کو غزنین بلا کر اس کے کارنامے کی داد دی اور بے شمار قیمتی تحفے عطا کیے، غزنین سے واپس ہو کر قطب الدین نے اپنی فوجی سرگرمیاں اور تیز کر دیں، اور جب شہاب الدین غوری قنوج اور بنارس کے راجہ جے چند سے جنگ کرنے کے لیے ہندوستان پہنچا تو قطب الدین اپنے آقا کی پیشوائی کے لیے آگے بڑھا، اور اس کے حضور میں ایک سو عربی گھوڑے، پچاس ہزار سوار، ہاتھی اور اونٹ پیش کیے۔ سلطان ان تحائف سے خوش ہوا، اور اس کو ہیشرو لشکر بنا کر آگے قنوج کی طرف بھیجا۔ اس لڑائی میں قطب الدین نے اپنی وفاداری، جانبازی اور سپہگری کا کچھ ایسا ثبوت دیا کہ سلطان شہاب الدین نے اس کو اپنا فرزند بنا کر فرمان فرزندی اور ایک سفید ہاتھی عطا کیا۔[2]

قطب الدین کا ستارۂ اقبال چمکتا گیا۔ اور اس کی فوجوں اور اس کے فوجی سرداروں کے لشکری گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز گجرات، راجپوتانہ، گنگ و جمن کے دوآب، بہار اور بنگال غرض ہر طرف سنائی دینے لگی، اور ہر جگہ اس کی فوجیں فتح کا ڈنکا بجاتی اور نصرت کا پرچم لہراتی ہوئی داخل ہوئیں، لیکن وہ اب تک اپنے کو آقا کا غلام ہی سمجھتا رہا۔

تخت نشینی | جب شہاب الدین غوری شہید ہوا، اور سلطان محمود بن غیاث الدین اس کا شرعی وارث بنا تو اس نے قطب الدین کی عزت اپنے چچا سے زیادہ کی، تخت پر بیٹھتے ہی قطب الدین کو سلطان کا خطاب دیا۔ چتر اور امارت بادشاہی عطا کی، اور اسی کے ساتھ آزادی کا فرمان بھیجا۔

---

[1] طبقات ناصری ص ۱۳۹، تاج المآثر (نسخہ پروفیسر حبیب مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)

[2] فرشتہ ج ا ص ۶۱

Marfat.com

قطب الدین نے خلعت اور فرمان کا استقبال دہلی سے چل کر لاہور میں کیا، اور اپنے آقا کے گھرانے سے اپنی وفاداری کی یہ قدر دیکھ کر پھولا نہ سمایا۔ محمود کا خلعت لے کر ۱۸ ذیقعدہ ۶۰۲ھ (مطابق جون ۱۲۰۶ء) میں لاہور میں تخت نشین ہوا[۱] جس کے بعد ہندوستان کی سیاسی، تمدنی، عمرانی اور علمی تاریخ کا ایک نیا شاندار باب شروع ہوا۔

لاہور اس وقت نہ صرف فوجی حیثیت سے ایک اہم مقام تھا، بلکہ یہ ارباب فضل و کمال اور اصحاب زہد و اتقیا اور صوفیہ و مشائخ کا مسکن بھی تھا، تاج المآثر میں ہے:

"وخطۂ لوہور کہ مستقر سریر سلاطین و مطلع خورشید ارباب یقین و منشاء اصحاب فضل و تقوی و مامن زہاد و عباد و مسکن اقطاب و اوتاد گشتہ است دار الملک دولت شد۔"

قطب الدین ایبک نے ایک اجنبی ملک میں اپنی نئی حکومت کی بنا ڈالی، اس لیے اس کو گوناگوں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، اس کو نہ صرف اپنی سلطنت کے حدود کو زیادہ سے زیادہ وسیع کرنے کی دھن رہی بلکہ بہتر سے بہتر عدل و انصاف، نظم و نسق قائم کرکے لوگوں کے دلوں کی تسخیر کی بھی فکر رہی۔

شاہی القاب | اس نے تخت نشینی کے وقت جو القاب اختیار کیے تھے، ان میں مظفر، منصور، عادل، مجاہد، غازی، ظہیر الایام، مجیر الانام، کہف الاسلام والمسلمین اور ناصر الاسلام کے بھی القاب تھے۔[۲]

---

[۱] طبقات ناصری ص ۱۴۰، تاریخ فخر الدین مبارک شاہ میں ۱۷ ذیقعدہ مرقوم ہے۔ [۲] تاریخ فخر الدین مبارک شاہ میں قطب الدین ایبک کے پورے القاب یہ درج ہیں: ملک موید مظفر منصور، عادل، مجاہد، غازی، قطب الدنیا والدین، کہف الاسلام والمسلمین، اکرم الملوک والسلاطین ظہیر الایام، مجیر الانام، جلال الدولہ، جمال الملت، ناصر الکافۃ، قاتل الکفرۃ والمشرکین، حامی البلاد، راعی العباد، ناصر الاسلام کاسر الاصنام، شہریار الزمان، ابو الفوارس ایبک السلطانی نصرۃ امیر المومنین اعلی اللہ شانہ و خلد ملکہ و سلطانہ (تاریخ فخر الدین مبارک شاہ ص ۳۲) تاج المآثر میں یہ القاب اس طرح درج ہیں: قطب الدنیا والدین، رکن الاسلام والمسلمین، کہف الملوک والسلاطین قامع الکفرۃ والمشرکین، قاہر المتمردین، محی الایام، رضی الانام، ظہیر الملت، نصیر الامۃ، المؤید من السماء، المنصور علی الاعداء، تاج المعالی، شہریار، غازی، خسرو ہندوستان، ابو الحارث ایبک سلطانی نصرت امیر المومنین خلد اللہ دولتہ واعلی رایتہ۔

Marfat.com

مختلف لڑائیوں میں اپنی شجاعت اور بہادری کا جوہر دکھا کر اس نے مظفر منصور، مجاہد اور غازی کے القاب کو حق بجانب ثابت کیا، طبقات ناصری میں ہے کہ

"حق تعالیٰ اورا شجاعت وکرمے بخشیدہ بود کہ در شرق و غرب عالم در عصر او بادشاہے را نبود (ص ۱۳۰)

پھر تخت پر بیٹھ کر جس عدل و انصاف کا نمونہ پیش کیا وہی آیندہ نسلوں کے لیے روایت بن گیا، فخر مدبر کا بیان ہے کہ قطب الدین نے تائید ایزدی، تدبر اور اصابت رائے سے اس ملک میں ایسا نظم و نسق قائم کیا اور ایسے قوانین و قواعد بنائے کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ برابر بادشاہی اور حکمرانی کرتا رہا ہے اور عدل کی ایسی بنا ڈالی کہ اس کے لشکر میں ترک، غوری، خراسانی، خلجی، ہندوستانی، راجے اور ٹھاکر وغیرہ سب ہی تھے لیکن کسی کی یہ ہمت نہ تھی کہ گھاس کی ایک پتی یا ایک چپاتی یا جنگل سے بکری یا آبادی سے کسی کی کوئی چڑیا پکڑ لیتا، یا کسی رعیت کا گھر برباد کر دیتا، تاج المآثر کے مؤلف نے بھی اپنے خاص انداز میں لکھا ہے کہ قطب الدین ایبک کی عدل نوازی کی بنا پر کبک نے باز، دراج نے عقاب اور تدرو نے شاہین سے امن پایا، لومڑی اور ہرن شیر کے پاس اور بھیڑ یا بکری کے نزدیک رہا کرتا تھا، اسکی حکمرانی کی اس عام پالیسی کی بنا پر یہ کہنے میں تامل نہیں کہ اس کے "عادل" ظہیر الایام (زمانہ کی پشت) ظہیر الامت (امت کی پشت) رضی الانام (مخلوق میں مقبول) اور مجیر الانام (مخلوق کی جائے پناہ) جیسے القاب صحیح تھے،

اتباع خلفائے راشدین وہ کہف الاسلام والمسلمین، ناصر الاسلام اور رکن الاسلام بھی کہلاتا تھا، اس نے ان القاب کا بھی اپنے کو مستحق بنایا، فخر مدبر کا بیان ہے کہ وہ اوصاف حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ میں خلفائے راشدین کے نمونے پیش نظر رکھتا تھا، چنانچہ سخاوت میں حضرت ابوبکرؓ کی پیروی کی، عدل میں حضرت عمرؓ کی تقلید کی، دیانت میں حضرت عثمانؓ کے اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھا اور شجاعت و مردانگی میں

Marfat.com

حضرت علیؓ کی مثال سامنے رکھکر اپنی سپہگری کا جوہر دکھایا[۱]، ظاہر ہے کہ ان محاسن کے ساتھ اس کی حکومت اہل ہند کے لیے کیسی رحمت الٰہی رہی ہوگی، افسوس ہے کہ اس عہد کے مورخوں نے ان محاسن کا ایک اجمالی بیان دے کر ان کی تفصیل لکھنا غیر ضروری سمجھا، اگر وہ تفصیل بھی لکھتے جاتے تو آج اس عہد کے حکمرانوں کی تاریخ کس قدر روشن، تابناک اور باوقار ہوتی۔

شریعت نوازی فخر مدبر نے مختصر طریقہ پر یہ لکھا ہے کہ قطب الدین نے تخت نشین ہونے کے ساتھ ہی مسلمانوں کی زندگی اسلامی اور شرعی نہج پر تشکیل کرنے کی کوشش کی، مثلاً ان کی جائداد سے جتنے غیر شرعی خراج لیے جاتے تھے، ان کو ختم کر دیا، اور شریعت کے مطابق عشر لینے کا حکم جاری کیا جس سے عام طور پر مسلمان خوش ہوئے، اس کے علاوہ تمام نامشروع بدعتیں بھی دور کر دیں، اور سنت کی پیروی کرنے اور کرانے کی عام تلقین کی، اور اس کو اس میں کامیابی بھی ہوئی۔ اس کی تصدیق تاج المآثر کے حسب ذیل بیان سے بھی ہوتی ہے:

شعار شرایع اسلام بغایت ظہور انجامید و مناہج و شعائر مسلمانی بکمال وضوح پیوست و آفتاب سعادت از افق تائید بر دیار ممالک نور انداخت و ماہ جلالت از مہبط مکارم بر عرصہ ممالک سایہ افگند و روضۂ دین بقفل زرین نضارت از سر گرفت و بیضۂ اسلام برائے متین آرایش بے نہایت یافت

تاج المآثر کے مؤلف کا بیان یہ بھی ہے کہ شرع و سنت کی ترویج میں احکام حنفی کا خاص لحاظ رکھا گیا،

و عذبات و آیات شرع و سنت نسیم صبح ہدی خافق گشت و اعلام احکام حنفی سر بغیرہ کیوان و اوج گنبد گردان افراخت۔

۱۔ تاریخ فخر الدین مبارک شاہ ص ۵۹ ۔ ۵۰

Marfat.com

چنانچہ شریعت کی پابندی نیکی وخیرات، تسبیح وتہلیل کا عام رواج تھا،

در اظہار شرع و منار اسلام تاکید بہ سزا رفت و بنائے طاعات و ارکان خیرات افراشتہ آمد، و رسوم بدعت و قوانین ضلالت اندر اس پذیرفت .... و زجل تسبیح وتہلیل والحان مؤذنان بکیواں رسیدہ[1] ....

قطب الدین نے بچپن میں ایسے گھر میں زندگی گذاری تھی جس کے ہر فرد کے رگ و ریشہ میں شریعت اور خصوصاً فقہ سرایت کرگئی تھی، اس لیے وہ بادشاہ بنکر شرعی اور فقہی احکام کی تعمیل کرانے میں سرگرم رہا، تو کوئی تعجب کی بات نہیں، یہ زمانہ بھی وہ تھا جبکہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ ہندوستان میں قدم رنجہ فرما کر اس سرزمین کو اسلام کے انوار و تجلیات سے معمور کر رہے تھے، ایک طرف وہ اپنی بے نفسی، سیرت کی بلندی اور اخلاق کی پاکیزگی سے لوگوں کے دلوں میں اسلام کی جلالت و عظمت قائم کر رہے تھے تو دوسری طرف قطب الدین اپنی نبرد آزمائی، عدل گستری، شریعت نوازی اور رعیت پروری سے اسلام کی سطوت و حشمت کا سکہ بٹھا رہا تھا، اور دونوں کی نیتوں میں اخلاص تھا۔ اس لیے جس دین اور سیاست کا پرچم دونوں نے لہرایا وہ اس سرزمین پر برابر لہراتا رہا۔

اجمیر شریف میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا نزول اجلال راجہ پتھورا کے زمانہ میں ہوا، اور ان کا وصال سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں ہوا، قطب الدین ایبک اپنے آقا شہاب الدین غوری کے ساتھ ہندوستان آیا تو اس وقت حضرت خواجہ اجمیر ہی میں مقیم تھے، ان کی مدت قیام میں قطب الدین کئی بار اجمیر شریف گیا، لیکن تذکروں اور تاریخوں میں دونوں کی ملاقاتوں کا کوئی ذکر نہیں، قیاس یہی کہتا ہے کہ دونوں میں ضرور ملاقاتیں ہوئی ہونگی اور قطب الدین کو حضرت خواجہ معین الدینؒ سے مل کر جو فیوض حاصل ہوئے ہوں گے، ان کی بدولت اس میں اسلام کی خدمت کا جذبہ اور بھی زیادہ پیدا ہوا ہوگا۔

---

[1] تاج المآثر قلمی نسخہ مملوکہ پروفیسر محمد حبیب مسلم یونیورسٹی علی گڈھ

Marfat.com

لیکن تذکرہ نویسوں اور مورخوں نے اس پر کوئی روشنی نہیں ڈالی ہے، اس لیے ہم بھی اس کے متعلق کچھ لکھنے سے قاصر ہیں،

علم نوازی

قطب الدین کو اپنے لوازم شاہی کے سلسلہ میں معارف نوازی اور علم پروری کی بساط بھی بچھانی تھی، اس کا وقت تو زیادہ تر ایک نوزائیدہ سلطنت کے سنوارنے میں گذرا، پھر بھی غزنین اور غور کی روایات کے مطابق وہ علماء، فضلاء اور شعراء کو اپنے سایۂ عاطفت میں لیتا اور ان کی سرپرستی کرتا رہا۔ تاج المآثر میں ہے:

"و توقیر و احترام علمائے دین کہ ورثۂ انبیاء و خزنۂ علوم شریعت و حقیقت اند و بہ شرف قربت و مزیت درجۂ اختصاص یافتہ واجب و متعین دانست و اعزاز و اکرام ایشان بر وفق کتاب و سنت مقدمۂ بختیاری و عمدۂ جہانداری شناخت۔"

ان علماء کی قدر دانی کا ذکر ایک جگہ اور تاج المآثر میں اس طرح ہے:

"و ائمہ و علمائے دین کہ نگین خاتم شریعت و واسطۂ قلادۂ سنت و در درج فتوی و عز درج تقویٰ و مرکز دائرہ علم و قطب فلک فضل و ماہ آسمان معانی و خورشید سپہر معانی اند۔۔۔۔۔۔ بہ لطف اعزاز و نواخت کرامت و تشریف اسپ و ساخت اختصاص یافتند۔"

قطب الدین ایبک اوائل زندگی ہی سے جود و سخا میں مشہور تھا، بادشاہوں کے بعد اس کی فیاضی و داد و دہش کے واقعات ضرب المثل ہوگئے، وہ انعام و اکرام میں لاکھوں روپیے تقسیم کر دیتا۔ اور اس کی زرپاشی صرف اس کے اہل دربار ہی تک محدود نہ تھی۔ بلکہ ہر محتاج اور ضرورت مند اس کی سخاوت سے فیضیاب ہوتا تھا، اسی لیے وہ لک بخش کے نام سے مشہور ہوا۔ شعراء اور فضلاء بھی اس کے خوان کرم سے متمتع ہوتے رہے جن میں سے ہم یہاں بعض کا ذکر کرتے ہیں

بہاء الدین اوشی

مولانا بہاء الدین اوشی اوش سے ہندوستان آئے اپنے زمانہ کے مشہور شاعر اور ادیب تھے

Marfat.com

عوفی نے لباب الالباب میں ان کا ذکر ان الفاظ کے ساتھ کیا۔

"الامام الاجل بہاء الدین محمد الاوشی۔ ایک خوشگو واعظ۔ جوان طبع۔ انشاء پرداز اور فصیح
لطیفہ پرداز تھے۔[۱] ہمیشہ اپنے کو مخاطب کر کے کہتے تھے کہ اے بہا اوشی تو بہاء اوشی (یعنی اے بہاء اوشی
تو اوش کی رونق ہے) ان کی نظم بھی پسندیدہ اور خوشنما ہوتی تھی لیکن ان کی نثر نظم سے بہتر تھی، اور
تمام معاصر فضلاء نے انصاف کے ساتھ اعتراف کیا ہے کہ بدیہہ گوئی میں کوئی ان کا مد مقابل نہ تھا۔[۲]

ہندوستان آکر قطب الدین ایبک کے دامن دولت سے وابستہ ہوئے اور اس کی شان میں
قصائد کہہ کر اپنی خوش گوئی اور فصیح البیانی کی داد لیتے، اور اس کے فیض و کرم سے سیراب ہوتے، مندرجہ
ذیل قصیدہ میں انھوں نے قطب الدین ایبک کی بہادری، فیاضی اور عدل پروری کا ذکر جس والہانہ
انداز سے کیا ہے، وہ سلطان وقت کی ذات سے ان کی شیفتگی اور خود سلطان کی علم پروری کی دلیل ہے،

اے قطب آسماں کہ ز سہم و ز باسِ تو — در روز رزم رستم خونخوار بشکند
از شرم فیض قلزم مواج کفِ تو — وقت بزم بحر گہربار بشکند
قطبی و آفتاب ز نور تو وام خواست — گر روکنی ز تو دل آن یار بشکند
در قدر تو بگرد فلک بر نیامدی — ہم کاروبار گنبد دوار بشکند
ناہید گر نہ گوید مدحِ تو در نوا — زخمہ اش بوقت زخم بر او تار بشکند
بے بوئے خلق تو نتواند صبا بعمد — کز جعد زلف یار یکے تار بشکند
بر ہر کہ بوئے خلق تو روزی گذر کند — او از بوئے نافہ تاتار بشکند
اسرار روزگار بہر ست ورانے تو — ہر روز بکر نامۂ اسرار بشکند
تو مرکزی و چرخ چو پرکار گرد تو — یکسر اگر شود ز تو پرکار بشکند

[۱] ان کے کچھ لطیفے لباب الالباب ج ۱ ص ۱۸۸ پر درج ہیں [۲] لباب الالباب ج ۱ ص ۱۸۸

Marfat.com

خارے کہ پاسے بے زرہ خصم تو نخست | دست زمانہ خود سرآن خار بشکند
درگرد صیت تو نرسد خو شہر و صبا | سیار تیز رو نہ ز طیار بشکند
بازار ظلم اگر بشود گرم در جہان | از عدل تو ستم را بازار بشکند
از نشکند ردیف نکردم زبہر آن | تا یاد شعر طرہ ہنجار بشکند
بادا حیات ذات تو جفت ثبات عز | تا آنگہے کہ طاق نگونسار بشکند[1]

اوپر کہا جا چکا ہے کہ قطب الدین اپنی فیاضی کی وجہ سے لک بخش مشہور تھا، مولانا بہاء الدین اوشی نے اس خطاب کے ساتھ اس کی مدح اس طرح کی ہے

اے بخشش لک تو در جہان آوردہ | کار از کف تو کار بجان آوردہ
از رشک کف تو خون گرفتہ دل کان | وز لعل بہانہ در میان آوردہ

ان اشعار کو تمام مورخوں نے نقل کیا ہے، لباب الالباب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا بہاء الدین ہندوستان سے مراجعت کرکے اپنے وطن اوش چلے گئے اور وہاں وہ شیخ الاسلام کے عہدہ پر مامور ہوئے، روز روشن میں ان کی وفات کی تاریخ ۶۰۰ھ درج ہے۔

جمال الدین محمد قطب الدین ایبک کے ایک دوسرے درباری شاعر کا نام عوفی نے الصدر الاجل افتخار الملک افضل العصر جمال الدین محمد بن نصیر لکھا ہے، جس کی لیاقت و قابلیت کا اندازہ عوفی کے اس بیان سے ہوگا۔

"فضل و بزرگی کے فلک پر ایک قطب اور مجد و بزرگواری کے آسمان پر ایک چاند تھا، فضائل میں عدیم المثال، اور فنون میں بے نظیر، بلاغت و براعت میں تمام معاصروں سے سبقت لے گیا تھا، برسوں ملک جمال کی دولت سے فیضیاب ہوتا رہا ۔۔۔۔۔۔۔۔ اس کے مؤلفات

[1] لباب الالباب از محمد عوفی جلد اول ص ۱۰۹

تمام اطراف میں مقبول ہیں ...... مجلس آرائی شہابی اس کی ایک مختصر لیکن بہت مفید تصنیف ہے، اس سے اس کے فضل وکمال کا اظہار ہوتا ہے، اس کے اشعار میں لطافت اور فصاحت ہوتی ہے، اور دونوں زبان میں اس کے شعر ہیں۔" (جلد اول ص ۱۱)

قطب الدین ایبک نے جمال الدین محمد کے علم کی بھی پوری قدر دانی کی اور اس کے التفات شاہانہ سے جمال الدین محمد کی زندگی عیش عشرت میں گذری۔ عوفی رقمطراز ہے کہ

واز اقبال سلطان سعید بامیش حمید روزگار گذاشت"۔

جمال الدین محمد بھی شاہی لطف وعنایت کا معترف ہوکر آقا کی مدح میں قصیدے لکھتا اور اپنی شاعری کا جوہر دکھاتا، ایک قصیدہ میں لکھتا ہے،

خداوندا شہے گیتی ستانے | کہ شاہان جہانش بندگانند
گہے آثار او در ہند بینے | گہے فرمان او در روم خوانند
چو خصما نرا از اس او یقین شد | ہم از ہستی خود اندر گمانند
گہے در خدمتش قائم چو تیر اند | گہے نالان ز ہیبش چوں کمانند
ندارند از جنایت مجرمان باک | اگر از رحمت وعفوش بدانند

ایک دوسرے قصیدہ میں کہتا ہے۔

آن نظر کامگار و آن مؤید نامدار | آن کرم شہریار وآن مبارک پادشاہ
عالی در عہد رسد لشکری در حشم زین | آسمانے در قبا وآفتابے در کلاہ
صورت کفش چو بر تخت مبارک دید گفت | اینت روشن رأے و ذات اینت زیبا روئے شاہ
آہ نہم صبح او وقت طلوع آفتاب | زرد رخ دارد ز خجلت کوہ را مانند کاہ

لے لباب الالباب جلد اول ص ۱۱۱

آخر ماہ از شعاع روی او پنہان شود　　اول مہ رخ نماید سر فرو افگندہ ماہ

فرط عدلش آہوان را پاسبان خواہد ز شیر　　فیض اقبالش ز سنگ خارہ رویاند گیاہ

باس او گر شعلۂ در عرصۂ عالم زند　　آتش فتنہ بظل رحمتش جوید پناہ

در بدایند لذت عفوش کہ چند دتا کجاست　　ہر زمانی تازہ گردد مہر جانی بر گناہ

چون بقوت پاے قدرت بر سر کیوان نہاد　　گنبد آئینہ گون گرد از زبان ہیچ آہ

مر ورا یا بارگاہ در راحت درگاہ اوست　　گاہ قبضہ بار خواہ دگاہ خاقان داد خواہ

قاضی حمید الدین قطب الدین ایبک کے دربار کے تیسرے پروردہ شاعر کا نام عوفی نے القاضی الامام حمید الدین افتخار الافاضل علی بن عمر المحمودی لکھا ہے۔ عوفی اس کے علمی فضائل اور شاعرانہ کمال کا بہت مداح ہے، اور اس کو قدوۂ افاضل عصر و اماثل مصرف رولایت نظم ونثر کے الفاظ سے یاد کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ

"رسالت و منشآت او در بلاد مشہور است و بر زبانہاے فضلا مذکور"

ان رسائل و منشآت کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ البتہ اس کے کلام کے نمونے لباب الالباب میں ہیں[۱]

سعد الدین مسعود نے ایک بار اس کو ایک قطعہ لکھ بھیجا۔ اس قطعہ کی ردیف عقیق تھی۔ جب یہ قطعہ علی بن عمر المحمودی کے پاس پہنچا تو اس وقت اس کی آنکھیں آشوب کر آئی تھیں اسی حالت میں اس نے قطعہ کا حسب ذیل جواب لکھ کر سعد الدین مسعود کو ارسال کیا۔

فرزانہ سعد دولت و دین صدر اہل فضل　　دور از تو ہست چشم من از درد چون عقیق

در جزع دیدگانم ز بس تری کہ داشتم　　گشت از زمد بعینہ آن در کنون عقیق

از کان عقیق زاید و از بحر چشم من　　بے بند و مکس آید ہر دم برون عقیق

[۱] لباب الالباب ص ۱۱۹، ۱۲۰۔ اس تذکرہ میں جمال الدین محمد کے کلام کے بھی نمونے ہیں گے

Marfat.com

زین پیش تحرے دیم ہرگز شبہ نداد   واکنوں چہ شد کہ دادم این دہزدن عقیق

ازدیدہ دردِ دیدہ چو بہتر شود مرا   سازم ردیف مدح تو اے ذوفنون عقیق[1]

عوفی نے السید الاجل ظہیر الدین تاج الکتاب السرخسی کے ذکر میں لکھا ہے کہ

"متہا دیوان انشا سلطان شہید برسم او بودہ"

عوفی نے "سلطان شہید" کا لقب قطب الدین ایبک اور معزالدین سام شہاب الدین غوری دونوں کے لیے استعمال کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ظہیر الدین سلطان معزالدین ہی کی ملازمت میں ہوگا۔ کیونکہ عوفی نے قطب الدین ایبک کے حریف تاج الدین یلدز سے ظہیر الدین کے گہرے تعلقات کی کچھ تفصیل لکھی ہے۔ ظاہر ہے کہ قطب الدین ایبک کے دربار سے وابستہ ہونے کے بعد ظہیر الدین یلدز کے دربار سے منسلک نہیں ہو سکتا تھا۔ ناظرین کی ضیافت طبع کے لیے اس کی دو رباعیاں پیش ہیں۔ اس سے اسکے کلام کے رنگ کا کسی قدر اندازہ ہوگا۔

(۱)

یک ذرہ چو نیست در منت بستگئی   منمائے دل ریش مرا خستگئی

کم کن جفا و جور چند انک دلم   خو باز کند اندر تو با ہستگئی

(۲)

اگر سفیہی با تو طریق جور سپرد   جفات گفت بیاز رت از جنون دشنہ

بعافیت نظرے کن بعافیت میزی   مقابلہ چہ کنی مرسفیہ را بسفہ

تاج المآثر | اس عہد کی مشہور و معروف تاریخ تاج المآثر قطب الدین ایبک ہی کی خواہش پر لکھی گئی ہے۔ اسکا مؤلف حسن نظامی نیشاپوری تھا۔ وطن میں سیاسی اختلال و انتشار سے جب اس کی قدر نہ ہوئی تو قسمت آزمائی

---

[1] لباب الالباب ج ۱ ص ۲۰۵ سے پروفیسر عندلیب شادانی نے اپنے ایک مقالہ میں حسن نظامی نیشاپوری کو چہار مقالہ

(باقی حاشیہ ص ۱۵ پر)

کے لیے غزنی پہنچا، یہاں کے زمانۂ قیام میں بہت سے علما و فضلا کے ساتھ اس کے روابط قائم ہوئے اور یہیں سے ہندوستان کی دولت کی شہرت سن کر اپنے چند دوستوں کے ساتھ دہلی روانہ ہوا، اور سفر کی ناقابل برداشت تکلیفیں اور مشقتیں اٹھانے کے بعد دہلی پہنچا، اور قاضی القضاۃ شرف الملک[۵] کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے اس کی بڑی پذیرائی کی جب اس کی علمی صلاحیتوں کی شہرت ہوئی تو اس کے دوستوں نے اس کو آمادہ کیا کہ وہ سلطان وقت کی خواہش کے مطابق اس کے عہد کی تاریخ قلمبند کرے، قطب الدین ایبک نے اسی زمانہ میں اپنے فتوحات کا حال لکھنے کا حکم دیا تھا، چنانچہ حسن نظامی نیشاپوری نے ۶۰۲ھ میں کتاب لکھنی شروع کی جو ۵۸۸ھ سے ۶۱۴ھ تک کے واقعات پر مشتمل ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف نے قطب الدین ایبک کی وفات کے بعد بھی تصنیف جاری رکھی،

یہ کتاب اس لیے بھی زیادہ اہم ہے کہ قطب الدین ایبک اور شمس الدین التمش کے حالات میں پہلی تاریخ ہے، شروع میں سلطان معز الدین سام المعروف بہ شہاب الدین غوری کے ہندوستان پر آخری پانچوں حملوں کا ذکر ہے پھر قطب الدین ایبک کے عہد حکومت کی تفصیل ہے، اس کے بعد آرام شاہ کا تو ذکر نہیں، لیکن شمس الدین التمش کے عہد کے پہلے سات سال کے سیاسی و حربی واقعات ہیں[۶]

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴) کے مؤلف نظامی عروضی سمرقندی کا لڑکا بتایا ہے (اردو دائرہ معارف اسلامیہ ۱۹۳۰ء) کشف الظنون جلد اول ص ۲۱۱ میں تاج المآثر کے مؤلف کا نام صدر الدین محمد بن الحسن النظامی مرقوم ہے،

[۵] پروفیسر حبیب کے نسخہ میں صدر اعلیٰ شرف الملک مرقوم ہے۔ [۶] اس کتاب کے تاریخی واقعات کی سرخیاں یہ ہیں:

(۱) فتح اجمیر (۲) رسالت فرستادن برائے اجمیر (۳) تفویض ایالت اجمیر بہ پسر پتھورا (۴) فتح دہلی (۵) صفت قلعہ دہلی (۶) صفت لشکرگاہ در حدود دہلی بموضع اندرپت (۷) ذکر ایالت کہرام و سامانہ (۸) صفت سواری بادشاہ از جہت شکار و لوازم آں (۹) انہزام جتوان و کشتن او در جنگ (۱۰) ہزیمت کفار (۱۱) استخلاص میرٹھ و دہلی (باقی صفحہ ۱۶ پر)

یہ تاریخ شروع سے آخر تک بہت ہی مرصع، مسجع عبارت میں لکھی گئی ہے، تحریر میں طرح طرح کی صنعتیں دکھائی گئی ہیں۔ جنگ کے اسلحہ مثلاً تیغ، نیزہ، تیر، خم کمند وغیرہ، بزم کے لوازم مثلاً ساقی، مے، حباب، پیالہ، ارباب طرب، چنگ، بربط، کمانچہ، دف، جشن، عشرت وغیرہ، قدرتی مناظر مثلاً ماہ نو، شب، کواکب، گل، گلزار وغیرہ، مختلف موسموں مثلاً بہار، خزاں، تابستان وغیرہ، مختلف فصل مثلاً خریف، شتا، خزان، وغیرہ کے بیان میں ورق کے ورق رنگ دئے ہیں، اسی طرح ہاتھی، گھوڑے، خربزے، قلم، آگ، طبیب، بیماری اور صحت وغیرہ پر صفحے کے صفحے بھرے ہیں، بظاہر صفت وصف نگاری کا کمال دکھانے کی کوشش کی ہے، لیکن اس وصف نگاری میں

(بقیہ حاشیہ ص ۱۵) (۱۲) عصیان ہیرراج، برادر رائے اجمیر (۱۳) نہضت مبارک بصوب غزنہ (۱۴) رجوع شاہجہاں بقرۂ عز و دولت و مرکز سعادت (یعنی دہلی) (۱۵) مسجد آدینہ (۱۶) نہضت مبارک بر سمت قلعہ کول وخطہ بنارس (۱۷) استخلاص حصن قلعہ کول وضبط آں زمین (۱۸) جنگ بنارس با جے چند رکہ رائے قنوج بود (۱۹) اتفاق عزیمت رایات اعلی بطرف غزنہ (۲۰) نہضت مبارک بطرف کول وتفویض ولایت آں موضع بہ ملک الامرا حسام الدین علیک (۲۱) مراجعت بحضرت دہلی (۲۲) فتح اجمیر کرت دوم (۲۳) فتح قلعہ تھنکر (۲۴) تفویض ایالت تھنکر بہ بہاء الدین طغرل (۲۵) فتح کالیور ومراجعت بدار الملک (۲۶) جنگ نہروالہ وانہزام رائے نہروالہ (۲۷) فتح قلعہ کالنجر (۲۸) صفت حصار کالنجر (۲۹) تفویض قلعۂ کالنجر بہ ہزبر الدین حسن ارنب (ارنال) (۳۰) مراجعت خداوند سلطان السلاطین از خوارزم وسزاء کوکر (۳۱) شہادت خداوند سلطان السلاطین معز الدین والدین محمد سام انار اللہ برہانہ (۳۲) مرتب شدن امرائے اطراف در سلک خدمت ومسلم شدن ممالک ہند وسند بہ ملک قطب الدین ایبک (۳۳) وفات خداوند سلطان سعید قطب الدین والدین ایبک

پروفیسر محمد حبیب (مسلم یونیورسٹی علی گڈھ) کے نسخہ میں شمس الدین التمش کے عہد کے واقعات نظر سے نہیں گذرے جو شاید نقل کرنے سے رہ گئے ہیں۔

Marfat.com

لفظی صنائع زیادہ ہیں۔ نثر مرجز (یعنی وہ نثر جس کے دونوں فقروں کے کلمات مقابل ہم وزن ہوں، مگر ہم قافیہ نہ ہوں) کے نمونے ہیں، کہیں سجع مطرف کی مثالیں ہیں، (یعنی دو فقروں کے کلمے وزن میں اور روی میں متفق) اور کہیں سجع متوازی ہیں (یعنی دو فقروں کے کلمے وزن اور روی دونوں میں متفق) اور کہیں پہلے فقرے کے تمام الفاظ دوسرے فقرے کے تمام الفاظ کے وزن اور روی میں پوری مطابقت رکھتے ہیں یعنی بالکل مرصع ہیں۔ یہ آرٹ اس عہد میں وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، مگر اب یہ آرٹ خصوصاً نثر مسجع و نثر مرصع موجودہ ذوق پر گراں گزرتی ہیں، کہا جاتا ہے کہ اس میں بارہ ہزار سطریں ہیں جن میں سے سات ہزار عربی اور فارسی اشعار ہیں، بقیہ سطروں کو منظوم منثورات کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

اس میں شک نہیں کہ حسن نظامی نے یہ کتاب لکھ کر ادب و انشا میں اپنی غیر معمولی مہارت و قدرت کا ثبوت دیا ہے۔ مگر شاید اس زمانہ میں مرصع و مسجع انشا پردازی کے لیے ہندوستان کی فضا سازگار نہیں ہوئی تھی، اس لیے حسن نظامی کا طرز انشا مقبول نہیں ہوا، چنانچہ اس عہد کی تاریخوں میں طبقات ناصری کی زبان تو بہت آسان اور عام فہم ہے۔ تاریخ فخر الدین مبارک شاہ کی تحریر طبقات ناصری کی طرح وہ تو نہیں لیکن تاج المآثر کی طرح پر تکلف بھی نہیں۔ ضیاء الدین برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں کہیں کہیں ترصیع تکرار لفظی و معنوی، خطابت اور تشبیہ و تمثیل سے کام لینے کی کوشش تو کی ہے لیکن وہ مرصع نہیں ہونے پائی ہے، بلکہ اس کی نثر بیانی میں موجودہ مذاق کے مطابق بھی ا[illegible] شان ہے، شمس سراج عفیف کی تاریخ فیروز شاہی میں بھی زیادہ لفظی و معنوی تصنعات نہیں ہیں۔ یحیی سرہندی کی تاریخ مبارک شاہی کی زبان تو بہت ہی سادہ ہے۔ مسجع اور مرصع انشا پردازی درحقیقت پر شکوہ اور پر تکلف تمدن کا نتیجہ ہے جو اس وقت پیدا ہوا تھا تیموری بادشاہوں کے دور میں ابوالفضل نے اکبر نامہ میں جو طرز اختیار کیا تو وہ اس دور کے تمدن کا لازمی نتیجہ تھا۔ سلاطین دہلی کے زمانہ میں تمدن کے مظاہر میں شوکت و جلال کا تو مظاہرہ تھا لیکن تصنع اور تکلف نہ تھا۔

Marfat.com

پاک تھا، اسی لیے اس عہد کی زبان بھی بہت زیادہ پر تکلف نہیں تھی۔ اس کا اطلاق امیر خسرو کی زبان پر کرنا صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ وہ نظم و نثر دونوں میں اپنی قادر الکلامی کا ثبوت دیتے اور ہر رنگ میں زبان و قلم کا جوہر دکھاتے تھے۔

تاج المآثر کے انشا کے تکلف، تصنع اور آورد کے باوجود اس کے تاریخی واقعات میں سقم نہیں پایا جاتا۔ اس کا مؤلف ہندوستان کا پہلا مورخ ہے جس کی اصل کتاب محفوظ رہی، اور اسی کی بدولت قطب الدین ایبک کی زندگی کے حالات بعد کی نسلوں کو معلوم ہوئے، ورنہ ہندوستان کے پہلے مسلمان فرمانروا کے بعض اہم کارناموں پر تاریکی کا پردہ پڑا رہتا۔ تاریخ فخر الدین مبارک شاہی کے مؤلف نے قطب الدین ایبک کے تھوڑے بہت حالات اسی کو سامنے رکھکر قلمبند کیے ہیں۔ طبقات ناصری سے قطب الدین ایبک کے حالات ضرور معلوم ہوتے ہیں لیکن وہ کچھ ایسے مختصر ہیں کہ ایبک کی ابتدائی زندگی خصوصاً اس کی سپہگری اور نبرد آزمائی کی تفصیلات اس سے ظاہر نہیں ہوتی ہیں۔ تاج المآثر کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بہت ہی ہوشمند سپہ سالار اور شیر دل سپاہی تھا، بڑی تیز رفتاری سے اپنے ہمراہ فوجیوں کو راستے طے کراتا۔ جتوان کے خلاف ہانسی کی طرف فوج لے کر بڑھا تو ایک رات میں تقریباً ۵۰ میل کی مسافت طے کی۔ اپنے نیزوں سے میدان جنگ میں قوی ہیکل ہاتھیوں کو گرا کر موت کے گھاٹ اتار دیتا۔ کول کی جنگ میں تین ہاتھیوں کو اپنے تیروں سے ڈھیر کر دیا۔ اپنے آقا معز الدین سام کے ساتھ بنارس کی جنگ میں شریک ہونے کے لیے دہلی سے روانہ ہوا تو راستے میں چار خونخوار شیر اپنی تلوار سے ہلاک کر دیے۔

قطب الدین ایبک کی بعض جنگی فتوحات کو بھی طبقات ناصری کے مؤلف نے حذف کر دیا ہے۔ مثلاً ہانسی کے پاس قطب الدین ایبک اور جتوان کی جنگ کا ذکر طبقات ناصری میں بالکل نہیں حالانکہ اس لڑائی میں قطب الدین کی فتح و کامرانی اس کی سپہگری کا بڑا کارنامہ ہے جو تاج المآثر ہی

Marfat.com

کے ذریعہ معلوم ہوتا ہے، اس کے مؤلف نے اپنے مخصوص زور قلم سے اس جنگ کی پوری تصویر کھینچی ہے جس کے بعض حصے یہاں پر اس لیے بھی ہدیۂ ناظرین ہیں کہ اس کی عبارت آرائی کے نمونے بھی سامنے آجائیں۔[1]

رمضان المبارک ۸۰۸ھ میں جیتوان نے ہانسی میں نصرۃ الدین کے خلاف علم بغاوت بلند کیا،

"وچوں ماہ معظم رمضان سنہ ثمان ثمانین وخمسمایہ کہ موسم رحمت وموعد مغفرت است استقبال نمود، بدرگاہ ہمایوں خبر تازہ شد کہ جیتوان لعین غرور شیطان در دماغ گرفتہ است وکلاہ سروری وسرکشی بر سر نہادہ ودر پایۂ قلعہ ہانسی بجنگ نصرۃ الدین سالارے برآوردہ بالشکرے یک دل کہ موقف جان سپاری وہنگامۂ سواری ......

قطب الدین کو خبر ملی تو اپنی شجاعت کا جوہر دکھانے کے لیے بے تاب ہوگیا۔

"واز وصول ایں خبر در دل خسرو شیر دل آتش حمیت زبانہ زد وگوہر شجاعت خاصیت پیدا کرد وبجہت نصرت اسلام سوسن وار کمر بست وچون گل تازہ خندان شد"

اور بڑی تیزی سے دشمن کی سرکوبی کے لیے بڑھا۔

وبادگردار سوئے آتش پیکار روئے نہاد وسمند باد رفتار ابر کردارش درگرد چشمۂ خورنہان کرد وخاک با ماہ ہمراز گردانید"

اس کے ساتھ تیز رفتار سوار بھی تھے، جو شیروں کی طرح بہادر اور بہت ہی مشاق اور چابکدست تیرانداز اور شمشیر زن تھے۔

وشیر فلک پیش شمشیر ایشان چوں شیر عود سوز خوار بودے، وشیر بیشہ چو شیر گرمابہ بے قدر نمودے، وازعقاب خدنگ ایشان سر طائر پہلو تہی کردے وقبہ زرین شیر گران گردوں تیغ زنگ

[1] ان اقتباسات میں بیچ بیچ کی بعض عبارتیں خصوصاً فارسی اور عربی اشعار حذف کردیے گئے ہیں۔

Marfat.com

چون تن خارپشت پر خار پیکان شدے، ماہی سپہر دولابی بساں کشف سر در کشیدے و کژدم این طاس آب گون نیش در دم نہاں کردے و دل در برخر چنگ نارنگی بساں آثار شگافتہ گشتے و ہر یک بنوک ناوک در شب بحکم بے آزار نقط سپید از سابقہ چشم برداشتے ....

لشکر کے علم پر چاند کا نشان تھا، اور قطب الدین کا چتر سیاہ تھا۔

واز ماہ رایت خسرو تاج خورشید بود، واز گوشہ چتر سیاہش سایہ بر گردوں افتادہ و اجرام کواکب و کتائب از بدیدہ آب ہمی زدو باد غاشیہ رخش آتش پائے او بردوشش می کشید۔

ان سواروں کی ہیبت سے پورا ہندوستان لرزتا تھا،

وکشور ہند از نہیب سواران دشت محشر شد و مرکز خاک از بے قراری فلکے دیگر گشت گفتی آسمان از عکس تیغ و خنجر دریائے اخضر ست و روئے ہوا از رایات سرخ و زرد دیبائے پر از زر ....

سرخ اور زرد علم پر چاند کے علاوہ شیر کا بھی نشان ہوا کرتا تھا،

واژدہائے فلک از بیم اژدہائے علم نگوں می شد و شیر چرخ از شیر رایت بجاں امان می خواست ....

قطب الدین اپنے لشکر بے کراں کے ساتھ جتوان کے خلاف مہم پر روانہ ہوا،

و خسرو با چنیں لشکر بے کراں .... واز شرہ کارزار و شغف پیکار شتابندہ اند ابر و باد بر روئے گردون و صحن ہامون در دل شب تار رواں شد ....

اس نے اپنی فوج کے ساتھ رات بھر بارہ فرسنگ کی مسافت طے کی،

خسرو فیروز جنگ کہ ہمیشہ افسر و گاہ او بر تر از گنبد مہر و ماہ باد در یک شب دوازدہ

فرہنگ براند، رتبہ کشندہ کہ مرغ از فراز کہسار آن دشوار گذشتے و باد از مساحت
دشت آن عاجز آمدے۔

چتوان نے اس فوج کی آمد پر پریشان ہو کر راہ فرار اختیار کی لیکن جب قطب الدین کی فوج باگڑ کی سرحد تک پہنچ گئی تو چتوان مجبوراً جنگ کے لیے آمادہ ہو گیا۔

و با آنکہ جتوان را طاقت مقاومت و مجال جنگ نبود اما چو ناکام خود را در کام اژدہائے قتال دید و راہ ہزیمت و گریز بستہ در رایت دولت و اعلام نصرت خسرو رو کشادہ بضرورت حال نہ از سر اختیار کر .... خنجر کین از نیام عداوت برکشید و یاد کردار گردون فتنہ برانگیخت و بہ تیغ آبدار آتش حرب افروخت

لڑائی شروع ہوئی تو ادنیٰ بھینسے کے چمڑے کے نقارے پر ضرب لگائی گئی اور دوسرے جنگی ڈھول باجے مثلاً تبیرہ، سپید مہرہ، طبل، دمامہ، نائے رومین کی آواز سے میدان جنگ گونج اٹھا

دلّہ نعرۂ جدال بر کوس چرم گرزن خروش برآورد و بانگ تبیرہ و آواز سپید مہرہ جہان بر سر گرفت .... دمدمۂ درد طبل و دمامہ بعیوق برآمد و دم سُرنے رومین نغمۂ صور پیدا آورد ....

دونوں لشکروں میں گھمسان کی لڑائی ہوتی ہے۔

و ہر دو لشکر چون دو دریائے اخضر در تموج آمدند و یساں دو کرہ بولاد برباب دیگر حملہ کردند و ہولے نبرد از گرد سیاہ در شعر سیاہ شد و زمین جنگ از خون دلیران حل پوش گشت

مؤلف نے قطب الدین کی نبرد آزمائی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس جنگ کے ایسے شعلے بلند کیے کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ خون سے میدان جنگ رنگین ہو گیا، مخالف سرداروں کے

Marfat.com

سروں کے ڈھیر لگ گئے۔

دشھر یار سپر شکار بزخم پولاد از سنگ خارہ آتش می افروخت و از کشتہ و خستہ ممر باد بستہ می کرد و از خون بہ نعل اسپ رنگ لعل بدخشاں می داد و سر سروراں در بلائے باد پایان چوگوی در خم چوگاں می انگند و از زبان زبان سنان آبدارش آتش حرب زبانہ می زد و بہ لمعان برق زخم شہاب دار روئے ہوائے فروخت و از خون بہ سنگ و ریگ رنگ یاقوت رمانی و لعل بدخشانی می بخشید و از بیم چہرہ بے رنگ زہرہ گونہ زرد و زریری یافت ....

جتوان کو شکست ہوئی اور وہ مارا گیا

جتوان کہ مایہ شرو فساد و اصل کفر و عناد بود و ہم نشین و ہم ندیم ندم شد و اعلام شرک ورایات ضلالت او بدست قہر نگوں گشت

مذکورۂ بالا جنگ کی تفصیل کے علاوہ رائے پتھورا کے بھائی ہرراج کی بار بار بغاوتوں کا ذکر بھی تاج المآثر ہی میں ملتا ہے۔ طبقات ناصری کے مولف نے اس کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اسی طرح کول کی فتح، گوالیار پر قبضہ، کالنجر کی تسخیر وغیرہ کی جو تفصیلات تاج المآثر میں ہیں وہ طبقات ناصری میں نہیں ہیں، البتہ جب قطب الدین ایبک نے زمام حکومت ہاتھ میں لی تو اس وقت سے اس کی موت تک کے حالات تاج المآثر میں زیادہ نہیں ہیں، اس مدت کے واقعات کے لیے طبقاتِ ناصری ہی کا مطالعہ مفید ہے۔ تاج المآثر میں کہیں کہیں سنین کی غلطیاں بھی ہیں، لیکن بقول پروفیسر عندلیب شادانی اس کا فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ یہ غلطیاں مؤلف کی ہیں یا کاتب کی ہیں، طبقات ناصری کے مؤلف نے نثر عاری کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ معلومات کم سے کم سطروں میں فراہم کر دیے ہیں لیکن تاج المآثر کا مؤلف اپنے قلم کی رنگا رنگی اور بوقلمونی دکھانے میں اس قدر محو ہو جاتا ہے کہ اس کی زیادہ سے زیادہ سطروں میں کم سے کم معلومات فراہم ہوتے ہیں، لڑائی کے بعد منہدم مندروں اور ہندو مقتولین کی

133316

Marfat.com

تعداد بتانے میں تو اس کا قلم بالکل ہی بے قابو ہو جاتا ہے۔ اور اس سلسلہ میں اس کی تحریر میں اور بھی زیادہ غلو پیدا ہو گیا ہے۔ مثلاً ہانسی میں جو ان کو شکست ہوئی تو لکھتا ہے کہ یہ علاقہ شرک سے بالکل ہی پاک ہو گیا۔

"و بہ خنجر آبدار خاک رزمگاہ بخون آن مخذول سرشتہ شد و عرصۂ ممالک از نجاست شرک آن شستہ آمد"

البتہ مؤلف نے اپنے عہد کی دہلی کی جامع مسجد کی جو تصویر کھینچی ہے۔ اس میں عقیدت اور مفید معلومات کے علاوہ اثر آور کیفیت بھی پائی جاتی ہے۔ مثلاً اس کی دیوار کے بارہ میں رقمطراز ہے:

دیوارش کرھی اعلیٰ من مناط الثریا دست ارتفاع در کمر جوزا زد مبسان سد سکند رو بنا، ہرمان بہ سنگ خارہ استحکام یافت

منبر و محراب پر جو آیتیں لکھی تھیں اور جو نقش آرائی کی گئی تھی۔ اس کے متعلق لکھتا ہے۔

و منبر و محراب بہ لطائف کتابت در نائق صنعت آراستہ شد و باشکال غریب و نقوش بدیع ساختہ و پرداختہ گشت .... و طاق سپہر آسا در رواق فلک فرسائے آن کہ از غایت نزہت غیرت بہشت برین ست و از کمال صنعت رشک نگار خانۂ چین بہ طغرائے رحمانی و زین و موشح شد و بہ توقیع نامۂ یزدانی مشرف و مکرم گشت

پھر اس مسجد کے قبے اور اس کے پورے حسن کے بارہ میں بیان کرتا ہے:

و قبہائے زرین بت خانہا مانند چتر آئینہ کردار خورشید و تاج گوہر نگار ناہید بر شرف آن نہادہ آمد و بہ میامن رائے مبارک چنین بقعہ متبرکہ نزہت ہائے اہل صفا و مہبط اجابت دعا شد گفتی صنوان روضۂ از بہشت بدنیا فرستادہ است و ملک آن را چون کعبہ قبلہ دم از خویش ساختہ ہوائے انس افزائے آن صافی تر از چشم ہائے نور دمن غم زدایش آراستہ تر از چہرۂ حور........

بعض انگریز مورخوں نے اس کتاب کی عبارت آرائی کے طومار سے گھبرا کر اس کی تاریخی اہمیت کم کرنی چاہی ہے، لیکن ہر زمانہ کے مسلمان مورخوں نے اس کو ایک مستند اور معتبر ماخذ قرار دیا ہے۔

مولانا ضیاء الدین برنی اپنی تاریخ فیروز شاہی میں رقمطراز ہیں:

مورخان آخر دار الملک دہلی نیز از معتبران عہد صدر در عہد بودند، چنانچہ خواجہ صدر نظامی مصنف تاج المآثر و مولانا صدر الدین عوفی مولف جامع الحکایات و قاضی صدر جہاں منہاج جوزجانی مؤلف طبقات ناصری و کبیر الدین پسر تاج الدین عراقی کہ در عہد علائی فتحنا مہائے سلطان علاء الدین نوشتہ است و ساحری عالم گیر چہار معتبر معظم و مکرم در دہلی بودند" (ص ۱۴)

تاریخ الفی، طبقات اکبری، منتخب التواریخ، آئین اکبری اور تاریخ فرشتہ کے مولفوں نے تاج المآثر سے پورا استفادہ کیا ہے، مگر افسوس ہے کہ ابتک کسی اہل قلم یا کسی ادارہ نے اس کو چھاپ کر شائع کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی ہے[1]۔

اوپر کہا گیا ہے کہ تاج المآثر میں بارہ ہزار سطریں ہیں، جن میں سے سات ہزار عربی اور فارسی اشعار ہیں، اس میں موقع بموقع مصنف نے اپنا کلام بھی درج کیا ہے، جس سے ظاہر ہے کہ وہ ایک نادر الکلام شاعر بھی تھا، اپنے ممدوح سلطان قطب الدین ایبک کی تعریف میں ایک قطعہ کہتا ہے

از تیغ او بجائے صلیب و کلیسیا	در دار کفر مسجد و محراب و منبر است
آں جا کہ بود نعرہ و فریاد مشرکاں	اکنوں خروش و نعرۂ اللہ اکبر است

---

[1] ڈھاکہ یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر وجاہت حسین عندلیب شادانی نے ۱۹۳۳ء میں ادارۂ معارف اسلامیہ کے دوسرے اجلاس (لاہور) میں تاج المآثر پر ایک پر مغز اور مفید مقالہ پڑھا تھا، جس میں یہ اعلان کیا تھا کہ اسکو اڈٹ کر کے وہ جلد ہی شائع کرنے والے ہیں، لیکن یہ ابتک شائع نہ ہو سکی ہے۔

Marfat.com

اس کے عدل و انصاف کے متعلق کہتا ہے:

فلک تختی کہ بہر ابخشش — ہم خسپند یک جا باز و تیہو

ز عدل او در اقصائے ممالک — کنار شیر بالین کرد آہو

در تنگنائے بیشۂ زمد بیر عدل او — نقاش طبع بیکر مرغان ستان نہاد

ہمائے عدل تو چون پر و بال باز کند — تذرو چینہ بر دنہ آرد از جناح باز

گرگ از نہیب عدل تو اندر دیار تو — از بیم میش بر رمہ گیرد و سگ از شبان

در انصاف او تا باز بودے — سماع کبک بانگ باز بودے

بجز مطرب کسے رہ زن نبودے — بریشہ کس بجز سوزن نبودے

نگردے ہیچ تیہ از سنگ فریاد — قبائے گل نگشتے پارہ از باد

کبوتر از عقاب آموختے پند — بجان گرگ خوردے میش سوگند

قطب الدین کی سخاوت کے بارہ میں کہتا ہے:

پس باشد سخاوت او را — زادہ کوہ زر دادہ دریا

گر جہانے بیک عطا بدہد — از کف خویش شرم دارد

قطب الدین ایبک کی وفات پر بہت سے اشعار کہے ہیں۔ جن میں سے کچھ یہ ہیں:

مشتری را از بہر کینۂ او — باز حل کار زار بایستی

روئے مریخ ہمچو ایام — زین فزع ہر ہوا بایستی

از سینۂ تشنگان ماتم او — آفتاب [illegible] بایستی

بدل عود زہرہ را زین غم — خون دل در کنار بایستی

تا نزلید بجز مراثی او — عطارد [illegible] بایستی

Marfat.com

ماہ در عقدۂ ذنب زیں ہول ‏ ‏ خستہ و سوگوار و پالیستی

صبح درّاعہ چاک کردہ زغم ‏ ‏ شب سر گیسواں بتاب زدہ
فلک خرقہ پوشش بے خلش ‏ ‏ سبحہ بر تارک تراب زدہ
باد بے سایۂ مبارک او ‏ ‏ خاک در چشم آفتاب زدہ
آہواں در غمش ز سینۂ گرم ‏ ‏ شعلہ در ناف مشک ناب زدہ[1]

صفت بہار کے عنوان سے اپنی ایک نظم میں گل افشانی کرتا ہے:

فشاند از سوسن و گل سیم و زر باد ‏ ‏ زہے راوی کہ رحمت باد بر باد
بداد از نقش آذر صد نشاں خاک ‏ ‏ نمود از سحر مانی صد اثر باد
مثال چشم آدم شد مگر ابر ‏ ‏ دلیل نفس عیسیٰ شد مگر باد
کہ در بارید دم دم بر چمن ابر ‏ ‏ کہ جان آورد خوش خوش در سحر باد
برائے بلبل مست شبانہ ‏ ‏ کند عرض صبوحی جام زر باد
گل خوشبوی ترسم او در رنگ ‏ ‏ ازیں غماز صبح پردہ در باد
برائے چشم برنا اہل کوئے ‏ ‏ عروس باغ را شد جلوہ گر باد

مورے و موئے کے ساتھ صنعت لزوم مالا یلزم میں اس کی ایک نظم بھی ملاحظہ ہو:

اگر مورے سخن گوید و گر موئے رواں دارد ‏ ‏ من آں مورم سخن گویم من آں مویم کہ جاں دارد
تنم چوں سایۂ موے بست و دل چوں دیدۂ موران ‏ ‏ ز ہجر خالیہ موئے کہ چوں موران میاں دارد
بچشم مور در گنجم چو موئے از زاری و نالہ ‏ ‏ اگر خواہد مرا موئے بہ موئے در نہاں دارد
تنم چوں موئے زر اندود زیں مو چوں افشاں ‏ ‏ نہ موئے کان گرہ گیرد نہ مورے کاں زباں دارد

---

[1] ان اشعار میں جابجا عربی کے اشعار بھی ہیں جو طوالت کے خیال سے حذف کر دیے گئے ہیں۔

Marfat.com

من ار با مور د با موے شمار د زے شوم ہمرہ ❊ نہ مور از من خبر یابد نہ مور از من نشان دارد

من آن مویم کہ از زاری پے مورے بپوشاند ❊ من آن مورم کہ از سستی کم از موئے توان دارد

من ار چہ مور موئے زاکشم چو دانہ ذی خانہ ❊ زموئے از مویہ دانندم کہ ہیں یک موجان دارد

فخر مدبر اس عہد کے ایک دوسرے اہل قلم فخر مدبر نے ایک رسالہ بحر الانساب لکھ کر سلطان قطب الدین ایبک کے حضور میں پیش کیا، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے لیکر مولف کے زمانہ تک کے ۱۳۶ شجرے قلمبند ہیں، اس کے ابتدائی حصہ سے قطب الدین کے اوائل زندگی کے حالات اور پھر ۵۸۸ھ میں اس کے کہرام اور سمانہ کا اقطاع دار مقرر ہونے سے ۶۰۲ھ میں تخت نشین ہونے کے بعد تک کے کچھ واقعات معلوم ہوتے ہیں. اس ابتدائی حصہ کو سر ای۔ ڈے نی سن روس نے تاریخ فخر الدین مبارک شاہ مرورودی کے نام سے ۱۹۲۷ء میں لندن سے شائع کر دیا ہے، مرروس نے غلطی سے اس کے مصنف کا نام فخر الدین محمد ابن منصور المرورودی الصدیقی مبارک شاہ بتایا ہے، حالانکہ اصل مصنف مبارک شاہ المعروف بہ فخر مدبر تھا، فخر الدین مبارک شاہ مرورودی غوری سلاطین میں سے سلطان غیاث الدین غوری کے دربار کا ایک ممتاز شاعر تھا جس کی وفات ۶۰۲ھ میں ہوئی. اس نے غوریوں کے نسب ناموں کو منظوم کیا. جس کا نام نسبت نامہ رکھا، شاید اسی نسبت نامہ کے دھوکے میں بحر الانساب کے مصنف کو بھی سر روس نے فخر الدین مبارک شاہ مرورودی سمجھ لیا ہے. حالانکہ یہ صحیح نہیں، بحر الانساب کے مولف کا نام محمد بن منصور بن سعید بن ابی الفرح تھا[۱]. اس کا لقب مبارک شاہ تھا. لیکن عرف عام میں فخر مدبر کہلاتا تھا. باپ کی طرف سے اپنے کو حضرت ابوبکرؓ کی اولاد میں شمار کرتا ہے، اور ماں کی طرف سے اس کا شجرہ غزنین کے

---

[۱] پروفیسر محمود شیرانی مرحوم نے اس کا نام سلسلۃ الانساب بھی لکھا ہے (اورینٹل کالج میگزین اگست ۱۹۳۱ء ص...)

[۲] اسلامک کلچر (حیدرآباد دکن) اکتوبر ۱۹۳۸ء کے ایک مضمون "فخر مدبر" میں ابی الفرج مرقوم ہے۔

سلطان امیر یالتگین سے ملتا ہے۔ اس کا پردادا ابو الفرج سلطان ابراہیم غزنوی کے دربار کا ایک معزز عہدیدار تھا، جو مختلف اوقات میں ۱۲ عہدوں پر فائز ہوا۔ اس کا باپ منصور علم و فضل میں اپنے زمانہ میں بڑا مشہور رہا۔ فخر مدبر کے بارہ میں صرف یہ معلوم ہو سکا ہے کہ اس کی زندگی زیادہ تر لاہور اور ملتان میں گذری جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ہندوستانی نژاد تھا۔ وہ سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں زندہ تھا کیونکہ اس نے اپنی کتاب آداب الحرب والشجاعۃ اسی کے نام سے منسوب کی ہے۔ سلطان شمس الدین التمش ۶۰۷ھ/۱۲۱۰ء میں تخت نشین ہوا۔ پہلے کہا جا چکا ہے کہ فخر الدین مبارک شاہ المرو روذی کی وفات ۶۰۲ھ میں ہوئی۔ اس لیے ظاہر ہے کہ بحر الانساب کا مصنف جس نے آداب الحرب والشجاعۃ بھی لکھی۔ مبارک شاہ فخر مدبر ہی ہے نہ کہ فخر الدین مبارک شاہ مرو روذی[1]

ڈینی سن روس کی شائع کردہ تاریخ فخر الدین مبارک شاہ مرو روذی صرف ۸۰ صفحے پر مشتمل ہے جس کے شروع میں ساتوں اقلیم کا بیان ہے۔ پھر انبیاء کا کچھ ذکر ہے۔ اس کے بعد علماء، سلاطین، والیان ولایت وغیرہ کی اہمیت بتائی گئی ہے۔ ۲۰ ویں صفحہ سے قطب الدین کا ذکر شروع ہوتا ہے، اور اس کی تخت نشینی کے بعد تک کے کچھ واقعات ہیں۔ لیکن یہ واقعات تفصیل سے نہیں لکھے گئے ہیں، اسی طرح قطب الدین کے اوصاف مثلاً سخاوت، عدل پروری، دیانتداری، شریعت نوازی، شجاعت، مردانگی اور علم پروری پر ایک عام اجمالی تبصرہ ہے، جس میں غیر متعلق باتیں مثلاً ترکستان کے عجائب وغرائب، وہاں کے پتھر، وہاں کے قبائل، ان کی خصوصیات، ان کی زبانیں، ان کے رسم الخط اور ان کی شاعری وغیرہ زیادہ آگئی ہیں۔ قطب الدین کے اوصاف کو ذکر کرتے ہوئے اس کو خلفائے راشدین کا مقلد بتایا گیا ہے لیکن اس سلسلہ میں قطب الدین کے محاسن

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھو ڈاکٹر نذیری کا مضمون فخر مدبر، اسلامک کلچر اکتوبر ۱۹۳۸ء نیز دیکھو برٹش میوزیم کیٹلاگ نمبر ۲ ... ۸۶۷

Marfat.com

کی تفصیل لکھنے کے بجائے خلفاء راشدین ہی کے اخلاق و فضائل کی تفصیلات زیادہ لکھی گئی ہیں، اس طرح قطب الدین کی ذات زیادہ نمایاں ہونے نہیں پاتی، کتاب کے صفحہ ۲۲ سے ۴۴ صفحے تک کتاب لائف کا دیباچہ ہے، ان صفحات اور دوسری غیر متعلق باتوں کو حذف کر دیا جائے تو قطب الدین سے متعلق صرف چند اوراق ہی کام کے نکلیں گے لیکن معاصر ماخذ ہونے کی وجہ سے اس میں کچھ مفید باتیں ضرور پائی جاتی ہیں، طرز تحریر سے مؤلف ایک قادر الکلام اہل قلم معلوم ہوتا ہے، اس کی عبارت تاج المآثر کی طرح بہت زیادہ پر تکلف، مرصع اور مبالغہ آمیز نہیں، اور طبقات ناصری کی طرح سادہ اور سلیس بھی نہیں لیکن مجموعی حیثیت سے شستہ اور پاکیزہ ہے۔

امام صغانی: اس عہد کے ایک مشہور عالم ربانی امام رضی الدین ابو الفضائل الحسن صغانی تھے جن پر آج بھی اسلام کی علمی دنیا کو ناز ہے، جلال الدین سیوطی نے ان کا نسب نامہ یہ لکھا ہے "الحسن ابن محمد بن الحسن بن حیدر بن علی العدوی والعمری الامام رضی الدین ابو الفضائل الصغانی"[1]

نسب نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے، ان کے آباؤ اجداد چاغان (یا چغان) کے رہنے والے تھے، معجم البلدان میں ہے کہ صغان کو اہل عجم نے چغان کر دیا، لیکن بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ چاغان (صغان) چاغان (جغان) کا معرب ہے، معجم البلدان کے مطابق صغان ماوراء النہر میں ترمذ کے قریب ایک علاقہ ہے، نزہۃ الخواطر میں ہے کہ یہ مرو کا ایک قریہ ہے۔ امام صغانی کے والد بزرگوار صغان سے آکر ہندوستان میں سکونت اختیار کی۔ بغیۃ الوعاۃ، مآثر الکرام، تذکرہ علمائے ہند اور نزہۃ الخواطر میں ہے کہ امام صغانی لاہور میں پیدا ہوئے۔ موخر الذکرین تذکروں میں یہ بھی ہے کہ لاہور میں نشو و نما ہوئی لیکن سیوطی اور معجم المطبوعات کے مرتب نے ذہبی کے حوالے سے لکھا ہے کہ وہ لاہور میں تو پیدا ہوئے لیکن غزنی میں

---

[1] بغیۃ الوعاۃ ص ۲۲۶

میں نشوونما پائی۔[1] بغیۃ الوعاۃ، مآثر الکرام، تذکرۂ علماء ہند اور معجم المطبوعات میں انکی ولادت کی تاریخ ٥٧٧ھ لکھی ہوئی ہے، لیکن نزہۃ الخواطر میں ٥٥٠ھ ہے جو بظاہر صحیح نہیں۔

ابتدائی تعلیم والد بزرگوار سے حاصل کی، اور بہت جلد ان کا شمار ارباب فضل و کمال میں ہونے لگا، اور ایک فقیہ، محدث اور عالم ربانی کی حیثیت سے قدر کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے۔ نزہۃ الخواطر کے مصنف کا بیان ہے کہ سلطان قطب الدین ایبک نے ان کو لاہور کی قضاءت پیش کی، لیکن انہوں نے قبول نہیں کیا، اور مزید علوم کی تحصیل و تکمیل کے لیے ہندوستان سے باہر نکل کھڑے ہوئے، ہندوستان سے نکلے تو پہلے غزنین آئے، جہاں کچھ دنوں درس و تدریس میں مشغول رہے، پھر عراق آئے، جہاں علوم و فنون کی تحصیل کی تکمیل کی، اور لغت و حدیث کے امام قرار پائے، بغداد میں بیٹھ کر خلیفہ مستنصر باللہ عباسی کے لئے اپنی مشہور و معروف کتاب مشارق الانوار لکھی،[2] جس کے صلہ میں ان کو خلعت بھی عطا ہوا، بغداد سے مکہ معظمہ زیارت خانۂ کعبہ کیلئے آئے، اس کی جاروب کشی کرنے کے علاوہ یہاں کے محدثین سے سماع حدیث بھی کرتے رہے، وہاں سے عدن ہوتے ہوئے پھر بغداد آئے، خلیفہ مستنصر باللہ[3] نے ان کو فرمان دے کر سلطان شمس الدین التمش کے پاس ہندوستان بھیجا جہاں ایک عرصہ تک مقیم رہے، پھر یہاں سے حج کے لیے مکہ معظمہ گئے، وہاں سے عدن اور پھر بغداد آکر علوم کی خدمت انجام دیتے رہے، خلیفہ بغداد کی طرف سے سفیر بن کر

---

[1] معجم المطبوعات، صدر جزثانی ص ١٢٨ ، [2] دیکھو مقالہ "ہندوستان میں علم حدیث" از مولانا سید سلیمان ندوی، معارف نمبر ۴ جلد ۲۲ ص ۲۵۲ [3] نزہۃ الخواطر میں خلیفہ بغداد کا نام ناصر لدین اللہ لکھا ہے، بعض التمش کو ابوجعفر منصور المستنصر باللہ نے خلعت بھیجکر اس کی حکومت کے استقلال و خود مختاری کو تسلیم کیا، دیکھو تاج الدین ریزہ کا قصیدہ، باب التمش رضیہ کے عہد میں بھی خلیفہ مستنصر باللہ ہی نے علامہ صغانی کو ہندوستان بھیجا تھا، دیکھو رضیہ کے سکوں پر "المستنصر امیر المومنین" ہی کندہ ہے۔

Marfat.com

رضیہ کے عہد میں دوبارہ ہندوستان آئے، اور یہاں کچھ دنوں قیام کرکے ۶۳۷ھ میں بغداد واپس تشریف لے گئے، اور ۶۵۰ھ میں وفات پائی۔ بغیۃ الوعاۃ میں سیوطی نے ان کے شاگرد دمیاطی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ان کے ساتھ ایک لڑکا رہتا تھا، جس نے کسی خاص روز ان کی وفات کی پیشین گوئی کی تھی، لیکن اس روز وہ بالکل توانا اور تندرست رہے، اور خوشی میں اپنے دوستوں اور شاگردوں کی دعوت کی، دعوت کے بعد ان کے مہمان تھوڑی دور گئے ہوں گے کہ ایک شخص نے ان کی موت کی اطلاع دی[1] شاید قلب کی حرکت بند ہونے سے موت ہوئی ہو، ابتداءً بغداد میں دفن کیے گئے، پھر ان کی وصیت کے مطابق ان کا جسد خاکی مکہ معظمہ منتقل کردیا گیا،

لغت، حدیث اور فقہ میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں، ان کے علمی پایہ کو ہر زمانہ کے جلیل القدر صلحاء و علماء نے تسلیم کیا ہے، علامہ سیوطی کہتے ہیں[2] کہ وہ علم لغت کے علم بردار تھے[3]۔ ذہبی کا قول ہے کہ علم لغت میں حرف آخر تھے، شیخ شرف الدین دمیاطی کا بیان ہے کہ وہ لغت، فقہ اور حدیث تینوں فن کے امام تھے، شعر و سخن کا بھی ذوق تھا، ان کے عربی اشعار کے کچھ نمونے بغیۃ الوعاۃ میں درج ہیں۔

ان کی تمام تصانیف میں مشارق الانوار بہت مقبول ہوئی، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

"این کتاب بحث است میان من خدا ے۔ واگر حدیثے برا دمشکل شدے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام را در خواب دیدے وصحیح کردہ شدے[4]"

مشکوٰۃ کی طرح یہ بھی حدیث کا ایک مجموعہ ہے جس میں دو ہزار دو سو چھیالیس حدیثیں ہیں، مشکوٰۃ کی ترتیب فقہی ابواب پر ہے۔ اور مشارق الانوار کی ترتیب احادیث کے ابتدائی الفاظ پر ہے

---

[1] بغیۃ الوعاۃ ص ۲۲۷ [2] ایضاً [3] نزہۃ الخواطر ص ۱۳۹ [4] فوائد الفواد ص ۱۰۳

Marfat.com

علما و محدثین نے اس کتاب کی بڑی قدر کی، مدارس کے نصاب میں داخل ہوئی اور عالم اسلام کے ممتاز علما نے اس کے ڈھائی ہزار سے زیادہ شروح اور حواشی لکھے، حدیث میں ان کی اور دوسری تصانیف یہ ہیں:

التکملہ علی الصحاح، یا التکملہ والذیل والصلہ، الدر الملتقط فی تبیین الغلط۔ رسالہ فی الاحادیث الموضوعہ، شرح البخاری، الشمس المنیرہ فی الحدیث، فی الضعفاء المتروکین فی رواۃ الحدیث، کشف الحجاب عن احادیث الشہاب، مصباح الدجی فی حدیث المصطفیٰ ؐ، امام صغانی کی قدر ہندوستان سے باہر ہی زیادہ ہوئی۔ حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مقالہ "ہندوستان میں علم حدیث" میں رقمطراز ہیں کہ ساتویں صدی کے شروع میں مشارق الانوار کے مصنف صغانی نے ہندوستان میں علم حدیث کی روشنی پھیلائی تاہم یہ روشنی گھر میں کم اور گھر سے باہر زیادہ پھیلی۔

امام صغانی نے فن لغت میں "العباب الزاخر واللباب الفاخر" بیس جلدوں میں لکھی، اسی طرح لغت میں ان کی دوسری تصنیف "مجمع البحرین" بارہ جلدوں میں تھی، اس فن میں انکی اور دوسری تصانیف کے نام یہ ہیں:۔

النوادر فی اللغات۔ التراکیب، الاضداد، الشوارد فی اللغات وغیرہ، ان کی طرف حسب ذیل تصانیف بھی منسوب ہیں: اسماء الاسد، اسماء الناقۃ، الانفعال، الافتعال، التجرید وحل الصغانی، تعزیہ بیتی الحریری، توشیح الدریدیہ، در السحابہ، الذیب، الساکین العروض، فرائض الصغانی، مناسک الصغانی وغیرہ۔[۲]

۱؎ بغیۃ الوعاۃ ص ۲۲۷، ماثر الکرام ص ۱۰۱، فہرست کتب خانہ ندویہ ۲؎ کشف الظنون، تذکرہ علماء ہند ص ۴۸، نزہۃ الخواطر ج اص ۱۳۱

Marfat.com

شیخ شرف الدین دمیاطی، محمود بن عمر ہروی، ابن صباغ، برہان الدین محمود بن اسعد البلخی ان کے ممتاز تلامذہ میں تھے، جنھوں نے اپنے عہد میں بڑی شہرت اور ناموری حاصل کی۔[۵]

فوائد الفواد (ص ۱۰۳) میں مولانا رضی الدین صغانی صاحب مشارق کے ذکر میں ہے کہ

"او از بداؤن بود۔"

پھر ان کے ذکر میں یہ بھی ہے کہ مولانا رضی الدین نے بداؤن سے کول آکر یہاں نائب مشرف کا عہدہ قبول کیا، مشرف کی صحبت اور ماتحتی پسند نہ آئی، اس لیے یہ ملازمت چھوڑ کر والی کول کے لڑکے کو پڑھانے لگے جس کے معاوضہ میں ان کو سوٹنکے ملا کرتے تھے۔ اس ملازمت سے طبیعت اچاٹ ہوگئی تو حج کے لیے والی کول کے لڑکے کو اطلاع دیے بغیر چل کھڑے ہوئے، تھوڑی دور گئے ہوں گے کہ تھک کر بیٹھ گئے، والی کول کے لڑکے نے گھوڑے پر سوار ہوکر ان کا تعاقب کیا، اور جب ان کے پاس پہنچا تو واپس چلنے کی الحاح وزاری کی، لیکن وہ نہ مانے، بالآخر لڑکے نے ان کو اپنا گھوڑا دیدیا، اسی پر انھوں نے سفر کیا، پہلے بغداد آئے، جہاں اس زمانہ کے مشہور محدث مولانا ابن ازہری کے درس میں شریک ہوئے، مولانا ابن ازہری نے ان کے علم کی قدر کی۔ پھر ان کے علم کی شہرت خلیفۂ وقت کے پاس پہنچی، تو اس نے ان کو بلا کر ان سے کچھ تعلیم حاصل کی، اس کے بعد وہ دہلی آئے، اور دہلی سے اپنے ایک استاد سے ملنے کے لیے بداؤن بھی آئے۔[۶]

فوائد الفواد کے اسی بیان کو سامنے رکھ کر مخدومی جناب سید ہاشمی صاحب فرید آبادی اپنی تاریخ ہند جلد دوم مطبوعہ حیدرآباد دکن کے صفحہ ۲۶۲ پر رقمطراز ہیں کہ امام صغانی کے حالات اور تصانیف کا ذکر مآثر الکرام میں موجود ہے، اور اس میں انھیں غلطی سے لاہوری لکھ دیا ہے، لیکن سب سے واضح اور معتبر حالات وہ ہیں جنھیں سلطان نظام الدین کی زبانی صاحب فوائد الفواد نے

---

[۵] لا مہتہ الخواطر ص ۱۳۹ [۶] فوائد الفواد ص ۱۰۱ - ۱۱۰

نقل کیا ہے، جناب سید ہاشمی صاحب نے اپنے اس خیال کو تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت کی جلد اول مطبوعہ کراچی صفحہ ۲۴۴ پر بھی دہرایا ہے لیکن نزہۃ الخواطر میں مولانا عبد الحئی مرحوم نے مولانا رضی الدین صغانی کے چل کا ذکر فوائد الفواد میں ہے، مولانا رضی الدین حسن بن محمد صغانی صاحب مشارق الانوار سے علیحدہ شخصیت بتائی ہے، اور اول الذکر کے کچھ حالات فوائد الفواد ہی کے حوالے سے لکھے ہیں (ص ۱۶۵) جو شیخ حسن بن محمد صغانی کے حالات (ص ۱۴۱-۱۴۷) سے جدا ہیں، شاید فوائد الفواد کے مرتب امیر حسن سجزی نے سہواً حضرت نظام الدین اولیا کے ملفوظات کو کچھ خلط ملط کر دیا ہو، اور اگر خلط ملط نہیں ہوا، اور اس کو صاحب مشارق الانوار ہی کا ذکر سمجھا جائے تو پھر "او (یعنی صاحب مشارق) از بداؤں بود" کے اجمالی بیان سے وثوق کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ بداؤں ہی ان کا مولد تھا، ممکن ہے کہ صرف منشاء رہا ہو، شاید اپنے مولد لاہور سے آکر بداؤں میں نشو و نما اور تعلیم پائی ہو، گو بعض تذکرہ میں جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے ان کا منشاء غزنین بھی بتایا گیا ہے۔

عہد قطبی کے بعض مدارس | سلطان وقت کے ذوق کی تقلید اس کے ملوک امراء بھی کرتے تھے، چنانچہ بختیار خلجی نے جب بنگال فتح کیا تو اس نے اور اس کے ساتھ کے امراء نے تعلیم کی اشاعت کے لیے جا بجا مدارس قائم کیے، طبقات ناصری میں ہے:

چون محمد بختیار آن مملکت (یعنی بنگال) را ضبط کرد .... بر موضعے کہ لکھنوتی است دار الملک ساخت و اطراف آن ممالک را در تصرف آورد و خطبہ و سکہ در ہر خطہ قائم کرد و مساجد و مدارس و خانقاہات ہر آن اطراف بسعی جمیل او و امراء او بنا شد (ص ۱۵۱)

معلموں کی قدر | اس زمانہ میں معلموں کی قدر و منزلت کا اندازہ اس واقعہ سے ہوگا کہ تاج الدین یلدز کا ایک لڑکا اپنے استاد سے پڑھ رہا تھا کہ استاد نے تادیب کے لیے غصہ میں ایک کوڑا لڑکے کے سر پر مار دیا، جس سے اس کو سخت چوٹ آگئی اور وہ تڑپ کر مر گیا، تاج الدین یلدز کو خبر ہوئی تو استاد کو بلایا اور زاد راہ دیکر کہا کہ قبل اس کے کہ لڑکے کی ماں کو خبر ہو تم یہاں سے چلے جاؤ (طبقات ناصری ص ۱۳۳)

Marfat.com

ناصرالدین قباچہ

۶۰۷-۶۲۵ھ
۱۲۱۰-۱۲۲۸ء

ناصرالدین قباچہ اور شمس الدین التمش دونوں سلطان قطب الدین ایبک کے داماد تھے۔ اور دونوں علیحدہ علیحدہ سلطنتوں کے مالک ہوئے۔ التمش دہلی کے تخت پر جلوہ افروز ہوا اور قباچہ کا دارالسلطنت اچہ قرار پایا۔ اس کی مملکت میں ملتان سے دیول تک کے علاقے علاوہ سیوستان، تبر ہندہ (بھٹنڈہ) کہرام اور سرستی وغیرہ بھی شامل تھے۔ وہ آزاد فرمانروا تو اپنے خسر قطب الدین ایبک کی وفات ۶۰۷ھ/۱۲۱۰ء کے بعد ہوا لیکن اچہ اور ملتان کی ایالت اس کے سپرد ۶۰۳ھ/۱۲۰۶ء ہی سے تھی۔ اس طرح بائیس سال تک یہاں اس کا دربار قائم رہا۔ ملتان اس وقت تک بڑا مذہبی، علمی اور ثقافتی مرکز بن چکا تھا۔ سہروردیہ اور چشتیہ سلسلہ کے صوفیہ و مشائخ یہاں شریعت و طریقت کی شمع روشن کیے ہوئے تھے۔ مقامی علماء کے علاوہ باہر سے فضلاء و شعراء آکر علم و ادب کی محفلیں گرمائے ہوئے تھے۔ چنانچہ اس عہد کے ملتان کا ذکر کرتے ہوئے سیر الاولیاء کے مصنف نے لکھا ہے کہ

"قبۃ دریں ایام ملتان قبۃ الاسلام عالم بود۔ فحول علماء آنجا حاضر بودند" (ص ۶۰)

اسی قبۃ الاسلام میں ناصرالدین قباچہ نے ایک مدت تک حکومت کی۔ غزنین، غور اور پھر دہلی کی روایات اس کے سامنے تھیں۔ اس لیے عرفان نوازی اور علم دوستی کو اس

بھی لوازم شاہی قرار دیا۔ التتمش کا وہ حریف بن گیا تھا، اس لیے ظاہر ہے کہ مذہبی اور علمی حیثیت سے بھی ملتان کو دہلی سے بہتر بنانا چاہا ہوگا، اس کے دربار میں علم وفن کی جو بساط بچھائی گئی اس کی زینت و آرائش کی تو تصویر دکھائی دیتی ہے، البتہ مشائخ سے اس کے تعلقات کی تفصیل بہت زیادہ نہیں ملتی ہے۔ حالانکہ قیاس یہی کہتا ہے کہ اس کے پایہ تخت میں جب بڑے بڑے مشائخ کا اجتماع تھا تو اس نے اپنے کو ان سے قریب تر کرنے کی بھی ضرور کوشش کی ہوگی۔

مشائخ سے تعلقات لیکن مشائخ سے اس کے تعلقات کی صرف دو روایتیں ہم کو ملی ہیں، ایک سے تو اس کی عقیدت مندی اور دوسری سے ان بزرگانِ دین کی طرف سے اس کے تمرد کا اظہار ہوتا ہے، ۶۲۱ھ میں چنگیز خانیوں نے سندھ پر یورش کی تو بڑھتے ہوئے قباچہ کے دار السلطنت ملتان تک پہنچ گئے۔ سراسیمگی کی حالت میں قباچہ حضرتِ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا اور حضرت شیخ جلال الدین تبریزی کی خدمت میں حاضر ہوا، یہ تینوں مشائخ اس وقت ملتان ہی میں یکجا جلوہ فرما تھے، قباچہ نے ان تینوں سے روحانی امداد کی درخواست کی۔ حضرت خواجہ قطب الدین نے قباچہ کو ایک تیر دے کر کہا کہ لڑائی کے وقت اس کو اپنے برج حصار سے دشمن کی طرف پھینکو، پھر قدرتِ الٰہی کا تماشہ دیکھو، دوسرے دن قباچہ نے ایسا ہی کیا، اور اس کو اپنے دشمنوں پر فتح حاصل ہوئی، قطب صاحب اور حضرت جلال الدین تبریزی ملتان چھوڑنے لگے تو قباچہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا، اور منت سماجت کی کہ وہ ملتان کو خیر و برکت سے محروم نہ کریں۔ کیونکہ ان ہی کے فیوض سے ملتان میں امن و امان ہے، لیکن قطب صاحب نے فرمایا۔ جلال الدین غزنی جائیں گے اور ہم دہلی، ملتان کی سرزمین پر شیخ بہاء الدین کا قبضہ اور سایہ کافی ہے۔ ان ہی کی حمایت تم لوگوں کو حاصل رہے گی،[1]

---

[1] سیر الاولیاء ص ۷۰ و سیر العارفین اردو ترجمہ ص ۳۲

دوسری روایت ہے کہ جب ناصر الدین قباچہ اور سلطان شمس الدین التتمش کے درمیان نزاعی صورت پیدا ہوئی تو حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کا قلبی رجحان سلطان التتمش کی طرف ہوا، کیونکہ جیسا کہ آگے ذکر آئے گا، یہ سلطان اپنے زہد و تقویٰ اور دینداری کے لحاظ سے اولیاء اللہ میں شمار کیا جاتا تھا۔ ملتان کے قاضی مولانا شرف الدین اصفہانی جو ایک متدین عالم تھے، اور شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی نے دین کی فلاح اسی میں دیکھی کہ سلطان التتمش کو قباچہ کی معاندانہ سازش سے مطلع کر دیں، دونوں نے علحدہ علحدہ سلطان التتمش کو خطوط لکھے، مگر دونوں مکتوب قباچہ کے ہاتھ لگ گئے۔ قباچہ نے مولانا شرف الدین اصفہانی کو تو فوراً موت کی سزا دیدی، اور حضرت بہاء الدین زکریا کو اپنے یہاں طلب کیا، اور جب وہ اس کے یہاں پہنچے تو اس نے تعظیماً ان کو اپنے داہنی جانب بٹھایا، قباچہ نے ان کا مکتوب ان کے ہاتھ میں دیا، شیخ نے اس کو پڑھ کر پوری درویشانہ شان وعظمت سے کہا کہ بیشک یہ میرا خط ہے، تحریر بھی میری ہے۔ قباچہ نے پوچھا آپ نے یہ کیوں لکھا، شیخ نے بڑی بے نیازی سے جواب دیا، میں نے حق تعالیٰ کے لیے لکھا ہے اور حق لکھا ہے، تمہارا جو جی چاہے کرو، اور تم کر ہی کیا سکتے ہو، تمھارے ہاتھ میں کیا ہے۔ قباچہ نے یہ جواب سنا تو مشتعل ہونے کے بجائے خاموش ہو گیا۔ اور پھر کھانا لانے کے لیے حکم دیا۔ اس کو علم تھا کہ حضرت بہاء الدین زکریا کسی دوسرے کے یہاں کھانا تناول نہیں فرماتے۔ قباچہ نے سوچا کہ اگر شیخ کھانے میں شریک ہوں تو اسی بہانہ ان کو ایذا پہنچانے کا موقع مل جائے گا، مگر جب کھانا آیا تو شیخ بہاء الدین زکریا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر کھانے میں شریک ہو گئے، یہ دیکھ کر قباچہ کا سارا غصہ جاتا رہا اور معذرت کر کے عزت کے ساتھ ان کو رخصت کیا۔[۱]

شعراء کی سرپرستی قباچہ کا دربار شعراء و فضلاء کا گہوارہ رہا، تاتاریوں کی غارتگری، دہشت انگیزی اور

---

[۱] فوائد الفواد ص ۲۰۰-۱۱۹، سیر الاولیاء ص ۴۸ ... اخبار الاخیار ج ۱ ص ۲۹-۲۸

Marfat.com

خوں ریزی سے گھبرا کر خراسان، غور اور غزنین کے جن اکابر و اشراف نے ہندوستان کا رخ کیا، ان میں شعرا و علما بھی تھے، قباچہ کے دربار میں ان کی بڑی پذیرائی ہوئی، طبقات ناصری میں ہے کہ

او (یعنی قباچہ) درحق ہمگنان انعام و اکرام وافر فرمودہ" (ص ۱۴۳)

محمد عوفی جس کا ستارۂ اقبال قباچہ ہی کے دربار میں چمکا، اپنے تذکرہ لباب الالباب میں رقمطراز ہے،

"یہ دربار علما و فضلا سے پُر ہے، یہ ایک ایسا آسمان ہے جس میں ارباب کمال کے ستارے چمکتے ہیں، یہ ایک ایسا بوستان ہے، جہاں فضل کی کلیاں اور ہنر کے شگوفے کھلے ہوئے ہیں" (ج ۲ ص ۴۴)

عوفی نے ان علما، فضلا، اور شعرا میں صرف دو چار کا ذکر کیا ہے۔ ان کے نام مع القاب کے حسب ذیل ہیں۔

(۱) الاجل المحترم شمس الدولہ والدین سید الندماء تاج الفضلا مفخر القدما، محمد الکاتب البلخی۔

(۲) الاجل فخر الشعرا ضیاء الدین السجزی۔ بقیہ دو کے نام لباب الالباب کے مرتب ای۔ جی۔ براؤن کو غالباً قلمی نسخے کے کرم خوردہ ہونے کی وجہ سے معلوم نہیں ہو سکے، اس لیے لباب الالباب کے مطبوعہ نسخہ کے ص ۴۱۸ (ص ۲۲۴) میں ان کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہے، مگر اورینٹل کالج میگزین لاہور (نومبر ۱۹۳۵ء) کے ایک مضمون نگار نے گلِ رعنا مولفہ لچھمی نرائن کی مدد سے نمبر ۴ کے شاعر کا نام فضلی ملتانی بتایا ہے۔

شمس الدین محمد بلخی | عوفی شمس الدین محمد بلخی کے شاعرانہ کمال اور ذاتی اوصاف و محاسن، لطافت طبع، خلق و کرم اور دوست پروری وغیرہ کا بڑا معترف ہے، چنانچہ لکھتا ہے:

وہ ایک ایسا جوان ہے جس کی نظیر چرخ پیر نے نہیں دیکھی ہے اور چکر لگانے والے آسمان نے اس کے جیسا جامع صفات کسی اور کو نہیں پایا" (ص ۲۲۴)

شمس الدین بلخی اعلیٰ درجہ کا خطاط بھی تھا، عوفی کا بیان ہے کہ وہ اس فن میں مشہور خطاط ابن البواب اور ابن مقلہ سے بھی بہتر تھا، اس کے الفاظ یہ ہیں:

Marfat.com

"درخط بدرجہ کہ ابن البواب انگشت بر حرف او نتواند نہاد و ابن مقلہ دیدہ از مشاہدۂ دلبران خط او بر نتواند داشت۔" (ص ۴۲۱)

عوفی رقمطراز ہے کہ شاعری میں شمس بلخی انوری کا ہم پایہ تھا۔ "در شعر عدیل انوری" (ص ۴۲۱) اور تاج الفضلا، اور مفخر القدما جیسے القاب سے اس کو یاد کیا ہے، قباچہ کے دربار میں اس کی شاعری کو اور بھی زیادہ فروغ ہوا، اور اس نے سلطان کی مدح کے قصائد میں اپنی شاعری کا جوہر خوب دکھایا، اس کا سرپرست اور مولی قباچہ کا وزیر عین الملک بھی تھا۔ اس کی مدح میں بھی شمس الدین نے قصیدے لکھے جن کا ذکر آئے گا۔

فضلی ملتانی | فضلی ملتانی بخارا میں عوفی کے ہم درس اور ہم مکتب تھے یہیں دونوں نے امام فخر الدین کی جامع الصغیر حفظ کی جب مولانا فضلی ملتانی قباچہ کے دامن دولت سے وابستہ ہوئے تو اپنے علم و فضل کی بدولت انکا ایسا عروج ہوا کہ ابناء کبار و علماء نامدار میں ان کا شمار ہونے لگا (لباب الالباب جلد دوم ص ۴۲۳) وہ اپنے زمانہ کے ممتاز شاعر بھی تھے اور خود قباچہ ان کی شاعری کا قدردان تھا۔ اس قدردانی کی وجہ سے ان کو بھی سلطان کی ذات سے گرویدگی تھی چنانچہ اس کی شان میں قصائد لکھکر اپنے جذبات و تاثرات کا اظہار کیا ہے۔ ایک قصیدہ کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں۔

اے ظفر ہمدم ترا از بخت برنا آمدہ — نامۂ تائید تو انا فتحنا آمدہ
ناصر دین خسرو دنیا قباچہ شاہ شرق — اے مہ چتر تو بر گردون مینا آمدہ
از پئے اعلاے دین نصر من اللہ در ازل — بر سر منصور شاہی تو طغرا آمدہ
منظر نصرت ز کیوان در گذشتہ از علو — مسند قدرت بر از عرش معلا آمدہ
ظلم چہ افتنہ نہاں کردہ روی از ہیبتت — امن رو پوشیدہ از عدلت بصحرا آمدہ
گر رسالت فی المثل رفتہ سوی نصور حصین — بے توقف ز جواب نو الدنیا آمدہ

Marfat.com

ابر نیساں کم زدہ لاف سخاوت چون گفت | در گہر بخشی فزون از صفت دریا آمدہ
باده جام تو اے اسکندر ثانی بہ بزم | چون زلال چشمۂ حیوان مصفا آمدہ
چون کشتی لشکر بعزم رزم لشکر گاہ تو | جملہ ہامون و دشت و شیب و بالا آمدہ[1]

ناظرین کی ضیافت کے لیے مولانا فضلی کی کچھ رباعیاں بھی پیش کی جاتی ہیں:۔

کردی سیم زآن شب گیسو کہ تراست | نیکو ست رخت ولیک بد خوکہ تراست
در پہلوے تیر مژۂ مردم کش | احسنت زہے کمان ابرو کہ تراست

آغاز نہاد فتنہ بازش چہ کنم | چون دانستہ ام محرم رازش چہ کنم
بسیار ز خشم دست بر دست زدم | کوتاہ نشد دست درازش چہ کنم

ہر لالہ کہ چشم کوہساری بودست | صد قطرہ زخون تاجداری بودست
مسپر بقدم سبزۂ بستان گستاخ | کان وسمۂ ابروی نگاری بودست

ضیاء الدین سجزی ضیاء الدین سجزی کو عوفی نے فخر الشعراء لکھا ہے، یہ اپنے زمانہ کا قادر الکلام شاعر تھا، اس کے قصیدہ کا نمونہ آگے پیش کیا جائے گا۔

مولانا منہاج الدین جوزجانی طبقات ناصری کے مولف مولانا ابو عمر منہاج الدین عثمان الجوزجانی کا علمی اقبال بھی ہندوستان میں قباچہ ہی کے دربار میں چمکا انھوں نے اپنا نسب نامہ یہ لکھا ہے، منہاج الدین ابو عمر عثمان بن سراج الدین محمد بن منہاج الدین عثمان بن ابراہیم بن امام عبد الخالق جوزجانی۔ یہ خاندان دراصل غوزگان یا جوزجان کے علاقہ کا رہنے والا تھا، جو غور سے شمال مغربی گوشہ میں اور ہرات سے شمال میں دریائے مرغاب سے آگے جبال ہرات کے قریب واقع ہے، اسی لیے اس خاندان کے ہر فرد کے نام کے ساتھ وطنی نسبت جوزجانی کا بھی جزو ہے، اس خاندان کی

[1] لباب الالباب ج ۲ ص ۴۲۷

Marfat.com

سورث اعلیٰ امام عبدالخالق اپنے زمانہ کے جید عالم اور زاہد و عابد بزرگ تھے۔ ان کی شادی غزنین کے سلطان ابراہیم شاہ کی لڑکی سے ہوئی۔ اس شادی سے جو فرزند تولد ہوا، اس کا نام بھی ابراہیم رکھا گیا۔ یہ خاندان اپنی علمی فضیلت کی وجہ سے ہمیشہ ممتاز رہا۔ طبقات ناصری کے مؤلف کے والد سراج الدین محمد عجوبۃ الزمان افصح العجم کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے[1]۔ ان کی ماں سلطان غیاث الدین محمد سام کی بیٹی شہزادی ماہ ملک کی رضاعی بہن اور ہم مکتب تھیں۔ وہ شہزادی کے ساتھ فیروزکوہ کے شاہی محل میں رہتی تھیں۔ وہیں منہاج الدین ۵۸۹ھ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے شہزادی ماہ ملک کے محل میں شاہی خاندان کے بچوں کی طرح پرورش پائی۔ چنانچہ خود لکھتے ہیں۔

"آن ملکۂ جہان این ضعیف را در حجرۂ بادشاہی خود چون فرزندان در پرورش بادشاہانہ داشتے وشب و روز در صغر سن در حرم او بودے و در نظر مبارک او تربیت یافتے" (طبقات ناصری ص ۲۸)

شہزادی ماہ ملک کے محاسن کا اعتراف جابجا کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ اس کو پورا کلام اللہ حفظ تھا، اور اسی کے ساتھ اس کو شہادت کے تمام واقعات بھی زبانی یاد تھے، اور ہر سال دو رکعت نماز میں پورا کلام پاک ختم کیا کرتی تھی۔ اسی مذہبی فضا میں مولانا منہاج کی تربیت ہوئی، ان کے ننہالی خاندان کی عظمت کا اندازہ ان کے اس بیان سے بھی ہوتا ہے کہ اس خاندان کو خلافت بغداد کے فرامین بھی عطا ہوئے تھے، خلیفہ مستضی باللہ نے ان کے نانا کو تولک، قہستان اور جبال ہرات کی قضات دی تھی۔ ان کے دادا کو بھی پایۂ تخت سے خلعت عطا ہوا تھا[2]۔ ان کے والد کو ۵۸۲ھ میں سلطان شہاب الدین غوری نے علی کرماخ ناظم لاہور کے ماتحت عساکر سلطانی کا قاضی مقرر کیا۔ فوج کے کوچ کے وقت بارہ اونٹ ان کے دفتر کے سامان کی باربرداری کے لیے سرکار شاہی سے مقرر تھے[3]۔ ۵۹۱ھ میں بہاء الدین سام بامیان اور طخارستان کا فرمانروا ہوا تو اس نے اپنی

---

[1] طبقات ناصری، ۱۰۰ [2] ایضاً [3] ایضاً

سلطنت میں ہر دیار کے علما، و فضلا کو جمع کرنا شروع کیا، خود طبقات ناصری کے مولف کا بیان ہے کہ علمائے عالم کا اس پر اتفاق تھا کہ اس عہد کے مسلمان بادشاہوں میں بہاء الدین سام سے بڑھ کر کوئی حکمراں علم پرور نہ تھا، اسی علم پروری کی خاطر مولف طبقات ناصری کے والد مولانا سراج الدین کو اپنی سلطنت میں آنے کی دعوت دی، جب طلبی پہنچی تو اس وقت فیروزکوہ میں مقیم تھے، وہ جب اس کے یہاں پہنچے تو اس نے ان کا خیر مقدم بہت عزت و احترام کے ساتھ کیا، اور ان کو اپنی مملکت کا قاضی، خطیب اور محتسب بنا کر اپنی قدر دانی کا ثبوت دیا، اور دو مدرسوں کی تولیت بھی تفویض کی،[۱] طبقات ناصری کے مولف کی عمر اس وقت تین سال کی تھی، جس زمانہ میں سلطان تکش خوارزم شاہی نے خلیفہ ناصر لدین اللہ سے بغاوت کی تو خلیفہ نے دار الخلافت سے سلاطین غور و غزنین کے پاس امداد طلب کرنے کے لیے سفراء بھیجے، سلطان غیاث الدین محمد سام نے اس کا جواب امام شمس الدین ترک اور مولانا سراج الدین کے معرفت بھیجا[۲]، یہ سفارتی مشن مکران کی راہ سے بغداد روانہ ہوا، راستے میں ڈاکوؤں نے گھیر لیا، اور مولانا سراج الدین ان ہی ڈاکوؤں کے ہاتھوں شہید ہوئے،

اٹھارہ سال کی عمر تک مولانا منہاج الدین فیروزکوہ ہی میں رہے[۳]، اسی زمانہ میں سلطان غیاث الدین محمود بن غیاث الدین ابو الفتح محمد سام کو خوارزمی پناہ گزینوں نے قتل کیا، سنہ ۶۱۳ھ میں انھوں نے سیستان کے دار الخلافت زرنج کی راہ لی، یہ وہ زمانہ تھا جبکہ غور اور غزنین کی تمام مملکت خوارزم شاہیوں کے زیر نگیں آگئی تھی، مولانا منہاج الدین بست ہوتے ہوئے سیستان کے دار الخلافت پہنچے تو ان کا شاندار استقبال کیا گیا، اور وہاں کے سلطان ملک الغازی یمین الدولہ بہرام شاہ نے ان کو بڑے اعزاز و احترام سے سات مہینے تک رکھا، ان کو خلعت عطا کی اور ان کے اخراجات کے لیے روپیہ اور غلہ برابر دیتا رہا، وہاں سے خراسان آئے، سنہ ۶۱۷ھ میں وہ

---

۱ طبقات ناصری ص ۰۰، ۲ ایضاً ص ۰۰، ۳ ایضاً ص ۰۰، ۴ طبقات ناصری کا مقدمہ عبد الحی حبیبی قندھاری ص ۳۲۲، اور طبقات ناصری کلکتہ ص [illegible]

تولک میں تھے۔ اور یہاں تقریباً چار سال تک چنگیز خانیوں کی یورش دیکھتے رہے۔ اسی دار وگیر کے زمانہ میں جبکہ ان کی عمر تیس سال کی تھی۔ ان کی شادی ایک رشتہ دار امیر کی لڑکی سے ہوئی، شادی کے بعد چنگیز خانیوں کی شورش سے گھبرا کر ہندوستان منتقل ہو جانے کا ارادہ کیا لیکن ابھی یہ ارادہ کر ہی رہے تھے کہ ۶۲۱ھ میں حصار تولک سے ملک تاج الدین حسن سالار خرپوست نے ان کو رسالت کے فرائض انجام دینے کے لیے اسفزار بھیجا۔ مغلوں کی یورش سے قافلوں کی آمد و رفت بالکل بند ہو گئی تھی، مولانا منہاج اسی راستہ کو دوبارہ کھلوانے کے لیے بھیجے گئے تھے، وہ اسفزار سے قہستان گئے، وہاں سے تون، قائن اور اسفزار ہوتے ہوئے پھر تولک واپس آئے۔ سنہ ۶۲۳ھ میں غور کے حکمران ملک رکن الدین محمد عثمان مرغنی کے یہاں خانسار پہنچے، اور اس کے حکم سے دوسری بار قہستان گئے۔ اس مرتبہ بھی ملک رکن الدین کی خواہش کے مطابق قافلوں کی آمد و رفت کے راستے جاری کرنے کیلئے وہاں پہنچے۔ پھر فراہ، سیستان، کرہ، طبس، مومن آباد اور قائن ہوتے ہوئے خانسار آئے۔ یہاں سے ہندوستان کے سفر کی تیاری میں سامان سفر خریدنے کے لیے فراہ گئے۔ اس وقت ملک تاج الدین نیالتگین خوارزمی ملاحدین سے شکست کھا کر وہیں مقیم تھا۔ اس نے مولانا منہاج کی آمد کو غنیمت سمجھا۔ اور ان کو قہستان کے والی شمس الدین محتشم کے پاس پیام مصالحت لے جانے پر آمادہ کیا، مولانا منہاج قہستان پہنچ کر شمس الدین محتشم سے نبیہ میں ملے، اور شرائط صلح طے کر کے فراہ واپس آئے، لیکن تاج الدین نے شاید ان شرائط کو تسلیم نہیں کیا۔ اور وہ ملاحدوں سے جنگ پر آمادہ ہو گیا۔ اس سلسلہ میں اس نے مولانا منہاج کو پھر قہستان بھیجنا چاہا، لیکن دوسری مرتبہ انھوں نے جانے سے انکار کیا، تاج الدین نے برہم ہو کر ان کو سجستان میں قید کر دیا، ۴۳ دن قید میں رہے تھے کہ ملک رکن الدین خسنار نے ان کی رہائی کی سفارش کی، اور وہ رہا کر دیے گئے۔ مولانا منہاج نے شکریہ میں اس کی شان میں ایک قصیدہ بھی کہا۔[۱]

---

[۱] طبقات ناصری بنگال ایشیاٹک سوسائٹی ص ۔۔۔ ۲۱۶

Marfat.com

۶۲۴ھ مین عازم ہندوستان ہوئے، غزنین ہوتے ہوئے ملتان کوٹ پہنچے، وہان سے کشتی پر بروز سہ شنبہ ۲۶ جمادی الاول ۶۲۴ھ کو اوچ آئے، اور پھر ناصر الدین قباچہ کے دربار مین حاضر ہوئے، جہان ان کی بڑی پذیرائی ہوئی، اوچہ کا مدرسہ فیروزی ان کے سپرد کیا گیا، اور قباچہ کے لڑکے علاء الدین بہرام شاہ کے لشکر کے قاضی بھی مقرر ہوئے[1]، یہان ان کو معاشی اور قلبی اطمینان حاصل ہوا تو انھون نے اپنے علم و فضل کا جوہر دکھایا، ان کا ذکر سلاطین دہلی کے سلسلہ مین بھی آئے گا جس سے اندازہ ہوگا کہ وہ اپنے عہد کے کس قدر جید عالم اور ممتاز فاضل تھے،

وزیر عین الملک کی علمی سرپرستی | قباچہ کے دربار کی علمی فضا اس کے وزیر عین الملک ملک الوزراء فخر الدین الحسین بن شرف الملک رضی الدین ابی بکر الاشعری کی علم دوستی اور علم پروری سے اور بھی زیادہ روشن اور منور تھی، وہ علوم و فنون کا دلدادہ اور اپنے آقا کی طرح شعراء کا بڑا مربی اور سرپرست تھا، شعراء سلطان اور وزیر دونون کی شان مین قصیدے کہتے، اور دونون سے داد پاتے تھے، عین الملک کی مدح مین تاج الفضلاء مولانا شمس الدین بلخی ایک قصیدہ مین کہتے ہین :-

یوسف کنعان حسنی در دعناب تو ہست — سال و ماہم پائمال دست گرگان یافتہ

در دریاے ملاحت صورت زیبائے تو — اشکم اندر عشق خود ہم رنگ مرجان یافتہ

آب حیوان لعل تست و معجز عیسیٰ خرد — دایم از خاک در دستور گیہان یافتہ

صاحب جمشید رتبت فخر دنیا عین ملک — آنکہ ملک از رائے او تمکین و امکان یافتہ

از سواد دین کلکت ید بیضائے ملک — ہمچو موسیٰ از عصا اعجاز ثعبان یافتہ

خصم بدکیش ترا چرخ کمان وش از وعید — از حسامت بر بساط کینہ فرمان یافتہ

تا جہان باشد بقائے دولت جاہ تو باد — اے جلال و عز و جاہ از فضل یزدان یافتہ

[1] طبقات ناصری بنگال ایشیاٹک سوسائٹی ص ۱۴۴ و ۱۴۵ لباب الالباب ج ۲ ص ۴۲۲ - ۴۲۳

Marfat.com

ضیاء الدین سجزی نے بھی عین الملک کی مداحی کی ہے جس کے بعض اشعار حسب ذیل ہیں،
ان سے قصیدہ نگار کے ممدوح کی فیاضی اور علم دوستی کے ساتھ اس کے کلام کا رنگ اور اس زمانہ
کی قصیدہ گوئی کے طرز کا بھی کچھ اندازہ ہوگا۔

زین طراوت تا ابد خالی نہ بینی باغ را — زانکہ او دولت سرائے صاحب بے یلطاست

خواجۂ آفاق عین الملک کز تعظیم او — آسمان مرتبت را آفتاب کبریاست

آصف جمشید رتبت فخر دین و دولت آن — کاستان چرخ سایش سجدہ جائے اصفیاست

اے حسن خلق حسین اسمی کہ از بہر شرف — بخت بر در گاہ امرت بندۂ فرمانرواست

صاحبا در بندگیت ایام برنائی تمام — صرف کردم جاہ تو بر صدق دین دعوی گواست

ملجاء خود جز جناب جاہ تو لشناختم — از جوانی تا گر پیری کہ ہنگام عناست

عہد برنائی گذشت اکنون دموئیم شد سپید — در زمانہ نا امید بہاسے دیگر در قفاست

در جوانی چون عزیزم داشتی از راہ لطف — حق پیری را کنون گر شاکرم داری رواست

باد عا سازم کہ در مدح تو عاجز یافتم — خاطر خود را اگرچہ مبلغ حمد و ثناست

رتبت صدر وزارت جاودان جاہ تو باد — کز ترقی جاہ تو پیرایۂ عز و بقاست[1]

عین الملک کی مدح میں لباب الالباب میں ایک قصیدہ درج ہے، مگر قصیدہ نگار
کا نام مرتب لباب الالباب کو معلوم نہیں ہو سکا۔ گو اس کے کچھ حالات کتاب میں موجود ہیں، وہ
بامیان کا رہنے والا تھا، صاحب قلم اور صاحب سیف بھی تھا۔ اس نے سمنگان اور سیرک کی ایالت
بھی کچھ دنوں تک کی ہے، سلطان جلال الدین کی طرف سے اس کو بغوش کا لقب عطا ہوا تھا،
لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان ممالک میں اس کی قدردانی کم ہو گئی تھی، اسی لیے وہ قسمت آزمائی کے لیے

[1] لباب الالباب ص ۲۷ - ۲۲۶

ہندوستان پہنچا، یہاں قباچہ کے دربار سے وابستہ ہوا، اور عین الملک کے دامنِ عاطفت میں پناہ لی اور بقول عوفی اپنے قلم مشکبار سے اس کی مداحی شروع کی، اس کی شان میں ایک قصیدہ سوال و جواب کی شکل صنعت میں لکھا ہے، لیکن اس صنعت کے باوجود قصیدہ کا ہر شعر زورِ بیان، سلاست اور روانی کی اعلیٰ مثال ہے، بعض اشعار ملاحظہ ہوں۔

گفتم بدان نگہ کہ خورشید انوری — گفتا زدی نکوترم از نیک بنگری
گفتم کہ دل ربائی جانان ز عاشقان — گفتا بزلف عنبری و چشم عبہری
گفتم مہ چہار دہ بر سپہر حسن — گفتا مہ مراست ہزار از تو مشتری
گفتم ببندگی تو اقرار می کنم — گفتا چو تو بسیت کنونم بجا کری
گفتم کہ جان بنزد تو آرم بخدمتے — گفتا کہ تحفہ الیست زبے سیمی و زری
گفتم گہر فشانی ز اوصاف شاعریست — گفتا کہ زرستانیست آئین دلبری
گفتم کہ شعر من گہر بحر خاطرست — گفتا کہ شعر خواہم دیبای ششتری
گفتم ثنائے صاحب آفاق خوانمت — گفتا کہ چون بخوانی، خوانم برابری
گفتم کہ عین ملک جہان فخر دین حق — گفتا کہ آن حسین ابو نجیا اشعری
گفتم بیان او ست بہ از تیغ خسروی — گفتا بنان اوست بہ از رمح صفدری
گفتم گہر بر آرد غواص کلک او — گفتا ز بحر وصل گر آشنا وری[1]

سدید الدین محمد عوفی — عین الملک کے گلدستۂ علم و ادب کا گل سر سبد سدید الدین[2] (یا نور الدین)

---

[1] لباب الالباب جلد دوم ص ۴۱۹ [2] مولانا ضیاء الدین برنی نے تاریخ فیروز شاہی (ص ۱۴۱) میں عوفی کا نام صدر الدین بتایا ہے، لیکن ڈاکٹر محمد نظام الدین صدر شعبۂ فارسی، عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد نے بڑی محنت و کاوش کر کے صحیح نام سدید الدین بتایا ہے گو عام طور سے وہ نور الدین کے لقب سے مشہور ہے، دیکھو ڈاکٹر نظام الدین کی کتاب Introduction to the Jawami'ul Hikayat wa Lawami'ur Riwayat, p. 4, 5

Marfat.com

محمد عوفی تھا۔ وہ مشہور صحابی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی اولاد سے تھا۔ اسی لیے اپنے نام کے ساتھ عوفی لکھتا ہے۔ عوفی کے دادا قاضی الامام شرف الدین سید المحدثین ابو طاہر یحییٰ بن طاہر بن عثمان العوفی ماوراء النہر کے مشہور علماء میں تھے۔ اس کے ماموں سید الحکماء، ملک الاطبا شرف الزمان امام مجد الدین محمد بن عدنان السرخکتی اپنے عہد کے ممتاز طبیب تھے، اور ماوراء النہر کے سلطان قلیج طمغان خاں ابراہیم بن حسین کے دربار سے منسلک تھے۔

عوفی بخارا میں پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم یہیں امام رکن الدین مسعود بن امام زادہ، تاج الدین عمر بن مسعود بن احمد اور مولانا قطب الدین سرخسی سے حاصل کی۔ مزید تحصیل علم کے لیے تقریباً بیس سال تک ماوراء النہر اور خراسان کے مختلف دیار مثلاً سمرقند، اموی، خوارزم، مرو، شہر نو، نسا، نیشاپور، ہرات، اسفزار، اسفرائن، سجستان اور فرہ کی سیاحت کی، اور یہاں کے علما، فضلا اور شعرا سے مستفید ہوا۔ ۵۹۷ھ میں سمرقند میں اس نے مولانا صدر الامام شرف الدین محمد ابن ابی بکر النسفی سے حدیث پڑھی اور ان سے روایت حدیث کی اجازت لی۔ یہیں وہ شاہ قلیج طمغاج خان ابراہیم کے بیٹے قلیج ارسلان خاقان نصرۃ الدین عثمان کی ملازمت میں داخل ہو کر اس کے دیوان انشا کا نگران مقرر ہوا۔ اس ملازمت کے دوران میں سمرقند کے دربار کے تمام فضلا اور شعرا کی صحبت میں رہا۔[1] مگر یہاں زیادہ دنوں تک نہیں ٹھہرا اور وہاں سے اپنے وطن لوٹ آیا۔ جہاں سے پھر نکل کر خوارزم پہنچا۔ یہاں کے مشہور شیخ شرف بن المؤید بغدادی سے فیوض حاصل کرنے کے علاوہ شیخ الاسلام علاء الدین الکاشانی سے حدیث کی قرأت بھی کی۔[2] خوارزم سے شہر نو آیا لیکن راستہ میں اس کا مال و اسباب لٹ گیا۔ شہر نو پہنچ کر اس نے نصرۃ الدین کبود جامہ کی خدمت میں حسب ذیل رباعی لکھ کر بھیجی۔

---

[1] لباب الالباب ج ۱ ص ۵۴ و ۴۴ [2] ایضاً ص ۲۰۶

اے شاہ بہ بذل بحر و کانے دگری　　در قالب ملک و عدل جانے دگری

زان روئے کبود جامہ می خوانندت　　کز رفعت و قدر آسمانے دگری

نصرۃ الدین نے عوفی سے ملاقات تو نہیں کی لیکن اس کی سواری کے لیے ایک گھوڑا بھیجدیا[1]

عوفی شہر نو سے خراسان کی طرف بڑھ گیا، اور نسا پہنچا، جہان وہ مجد الدین محمد الپائیزی سے ملا، جو اس وقت خوارزم شاہیون کا شہنشاہ نامہ مرتب کر رہا تھا[2] نسا سے عوفی ۶۰۰ھ مین نیشاپور آیا، اور وہان کے گاؤن مین بھی گھوما، وہان سے اسفرائن پہنچا، یہان سلطان خوارزم شاہ کے دبیر عماد الدین کے یہان مقیم رہا[3] یہان سے پھر نیشاپور آیا، اس مرتبہ نیشاپور کے قیام کے زمانے مین تمام اکابر فضلا و شعراء کی صحبت سے فیضیاب ہوتا رہا، سلطان خوارزم شاہ کے صاحب دیوان استیفا صدر الدین کے ساتھ رہ کر شعر و شاعری کی مجلس گرم رکھی، دونون ایک دوسرے کی سخن سنجی و سخن فہمی کی داد دیتے تھے[4] اسی شہر کے مشہور ادیب، شاعر اور کاتب اور سلطان سنجر کے دبیر منتخب الدین کی صحبت مین رہ کر ان کی تصنیف رقیۃ القلم پڑھی، جس سے اس کو فن کتابت مین بھی درک حاصل ہوا[5] یہین مولانا سرخسی کے ساتھ ان کے اشعار پر اشعار کہکر اپنی قادر الکلامی کا ثبوت دیا[6] یہین اور دوسرے شعراء اور ارباب ذوق کے سامنے اپنی فارسی اور عربی اشعار سنا کر ان سے داد لی،

نیشاپور سے ہرات آیا تو وہان کے فاضل اجل امام صدر الدین بن نور الدین ہروی اور شیخ فخر الدین خطاط کی صحبت مین علمی و ادبی فیوض حاصل کیے،[7]

ہرات سے سجستان کی طرف روانہ ہوا، پہلے وہ اسفزار آکر مقیم ہوا، جہان وہ سلطان

---

[1] لباب الالباب ج ۱ ص ۲۰۰ [2] ایضاً ج ۲ ص ۵۴۳ [3] ایضاً ج ۱ ص ۴، [4] ایضاً ص ۴۴-۱۴۳
[5] ایضاً ص ۸، [6] ایضاً ص ۲۱۰ [7] ایضاً ص ۲۴۹-۲۵۰

Marfat.com

محمد خوارزم شاہ کے وزیر ضیاء الدین ابوبکر بن احمد الجامجی سے ملا جس کی فیاضی اور داد و دہش کا برابر معترف رہا، یہیں اس نے امام شرف الدین عمیری سے ملکر شہاب الدین محمد بن ہمام کے کچھ اشعار جمع کیے، جو خراسان کے مشہور شاعر عالم اور خطاط تھے[۱]۔ یہیں اس نے مہذب الدین منصور بن علی سے گہرے تعلقات پیدا کیے جس نے اس کی شان میں ایک عربی قصیدہ کہا جس کا مطلع یہ ہے:

ما ابصرت ایام عمری طرفی　　فوما کریما کالسدید العوفی[۲]

اسفرار سے فراہ آکر امام شرف الدین محمد بن محمد فراہی سے ملا جو علم و عمل دونوں کے جامع تھے۔ اسفرار سے سجستان کے دار السلطنت پہنچا، جہاں کے تمام مشاہیر فضلاء سے ملا۔ سجستان سے اپنے وطن بخارا کی طرف مراجعت کی[۳]۔ دوران سفر میں وہ مرو اور ہرات کے فضلاء سے بھی ملا، ان فضلاء اور شعراء کی صحبت میں اس کے علم و ادب کی جلا اچھی طرح ہوئی اور جب وہ وطن پہنچا تو اس وقت اس کا شمار ایک جید اہل علم میں کیا گیا لیکن جب خراسان پر تاتاریوں نے یلغار کی تو اس کو اپنا وطن چھوڑنا پڑا، اور وہ غزنین ہوتا ہوا ہندوستان کی طرف گیا۔ لاہور پہنچا تو اس زمانہ کے مشہور شاعر حمید الدین مسعود بن سعد شالی کوب اور ادیب شرف الدین احمد ولوالجی کی صحبت سے متمتع ہوا[۴]۔ لاہور سے ۶۱۷ھ سے پہلے ناصر الدین قباچہ کے دربار میں اچہ پہنچا یہاں اس کو شاہی امام و واعظ کے عہدہ پر مامور کر کے اس کے علم و فضل کی قدردانی کی گئی۔

[۱] لباب الالباب ج ۱ ص ۲۰۱ [۲] ایضاً ص ۲۰۱ [۳] لباب الالباب میں عوفی نے اپنی سیاحت کا ذکر ضمنی طور پر کیا ہے۔ اسی لیے ہم نے اس کے سفر کی جو ترتیب قائم کی ہے ممکن ہے وہ غلط ہو۔ اس کی سیاحت کی تفصیل لباب الالباب جلد اول کے مقدمہ، جوامع الحکایات و لوامع الروایات کے اردو ترجمہ کے دیباچہ اور ڈاکٹر نظام الدین کی تصنیف میں بھی ہے۔ ہم نے ان سے بھی استفادہ کیا ہے۔ [۴] لباب الالباب ج ۱ ص ۱۱۴ و ج ۲ ص ۲۴۸

میں عید الفطر کے موقع پر اس نے عربی میں جو خطبہ دیا تھا وہ لباب الالباب جلد اول ص ۱۱۵ پر منقول ہے، کچھ دنوں کے بعد وہ قاضی القضاۃ کے عہدہ پر مامور ہو کر کنبھایت پہنچا. یہاں اس نے قاضی ابی علی الحسن بن علی محمد بن داؤد المتوفی ۳۸۴ھ کی کتاب الفرج بعد الشدۃ کا فارسی ترجمہ شروع کیا، اور اپنے آقا کے نام سے اس کا انتساب کیا. اس انتساب میں اس نے سلطان کے لیے جو القاب استعمال کیے ہیں. اس سے اس کے ساتھ اس کے احترام و عقیدت کا پتہ چلتا ہے، لکھتا ہے:

قدر فرمان ملک معظم خسرو اعظم مالک رقاب امم مولی ملوک الترک والعجم ناصر الدنیا والدین غیاث الاسلام والمسلمین اعدل الملوک واکرام السلاطین سلطان ارض اللہ ناصر عباد اللہ حافظ بلاد اللہ المؤید بنصر اللہ محرر ممالک الدنیا مظہر العلیا ابوالفتح قباچہ[1]

جب عوفی کو ناصر الدین قباچہ کے وزیر عین الملک نے اپنی سرپرستی میں لیا، اور اس کو مالی و معاشی اطمینان حاصل ہوا. تو اس نے شاہی ملازمت کے زمانے ہی میں اپنے وہبی اور کسبی علوم کا جوہر اپنی کتاب لباب الالباب لکھ کر دکھایا. یہ کتاب دو جلدوں میں اڈورڈ براؤن نے اوٹ کر کے محمد بن عبد الوہاب قزوینی کی تعلیقات کے ساتھ ۱۹۰۳ء میں انگلستان سے شائع کی ہے، پہلی جلد سات ابواب پر مشتمل ہے. پہلے چار ابواب میں شعر و شاعری کی فضیلت اور معنی پر بحث ہے، پانچویں اور چھٹے میں مختلف سلاطین، ملوک، امرا اور وزرا کی فارسی شاعری کا ذکر ہے. ساتویں میں ماوراء النہر، خراسان، نیمروز، عراق، غزنیں اور جبال کے ائمہ، علماء اور فضلاء کی شاعری پر

[1] انڈیا آفس کیٹلاگ ص ۴۰۰، نمبر ۲،

تبصرہ ہے۔ دوسری جلد کی پانچ فصلوں میں آل طاہر، آل لیث، آلِ سامان، آل ناصر، آل سلجوق اور ناصر الدین قباچہ کے درباری شعرا کا بیان ہے۔ مجموعی حیثیت سے یہ کتاب فارسی کے ابتدائی دور کے شعرا کا تذکرہ ہے، جو دولت شاہ کے تذکرۃ الشعراء سے ڈھائی سو سال پہلے لکھا گیا ہے اس لحاظ سے فارسی شعراء کے تذکروں میں قدیم ترین تذکرہ سمجھا جاتا ہے[له]۔ فارسی کے بہت سے قدیم شعراء کے حالات اور ان کی شاعری کے نمونے صرف اسی کتاب کی بدولت ملتے ہیں، گو مصنف نے اپنے زمانہ کے مذاق کے مطابق شعراء کے حالات زیادہ تفصیل سے تو نہیں لکھے ہیں، پھر بھی فارسی کے قدیم شعراء کی شاعری کے مطالعے کے سلسلہ میں یہ کتاب اب تک بہت زیادہ قابل قدر سمجھی جاتی ہے، اس کی عبارت شروع سے آخر تک مسجع اور مرصع ہے، جو عوفی کے ایک باکمال ادیب اور نثر نگار ہونے کا ثبوت ہے،

یہ کتاب عین الملک کی سرپرستی میں لکھی گئی، اس لیے مولف نے دیباچہ کے ابتدائی چھ صفحوں میں اپنے مربی اور محسن کی مدح و توصیف نثر اور نظم دونوں میں کی ہے، نثر میں جو القاب اپنے ممدوح کے لیے لکھے ہیں وہ عین الملک سے اس کی عقیدت کے ساتھ اس کے اشہب قلم کی جولانی کی بھی دلیل ہیں، دیباچہ کے علاوہ بھی جا بجا وہ عین الملک سے اپنے عقیدت مندانہ جذبات کا اظہار والہانہ انداز سے کرتا ہے، ایک قصیدہ میں کہتا ہے

مردم دیدہ نگر چوں مدح درخور آمدہ	بارہا از زیر موج اشک بر سر آمدہ
دوربینی بیں کہ چون نزدیک گردم غم برد	چوں عروس شادماں در دُر و گوہر آمدہ
آن بہشتی بود میمون لعا را روز و شب	منزل و مادی نگردد آب کوثر آمدہ
چوں شعبہ ہندی زنگی مراجعت اوبہ ہیں	دست امیت ہر زمان از زنگ دیگر آمدہ

له دیکھو مقدمہ لباب ۱۱ باب ج اول از براؤن ص ۱۰ و لٹریری ہسٹری آف پرشیا جلد دوم ص ۴۷۷،

Marfat.com

مخدوم الملک صاحب صاحب قران نصیر را — نزد اہل عقل و دل با جان برابر آمده

نصف ایام عین الملک فخر الدین کرست — قدر او از مرکز افلاک برتر آمده

قدوهٔ دوران حسین آن صاحبی کز عز و جاه — راه را خاک درش او رنگ و افسر آمده [1]

ایک قطعہ میں رقمطراز ہے:

توان دعوی ہے کہ انصاف پادشاہ جہان — بحکم قسمت منور زہی دستور وزیر

ہر آنکہ جز تو لطے را وزیر پندارد — جلال و قدر تو واجب کند بر و تعزیر

تو آنی سزاے وزارت بے کس نرسد — گزافہ دولت واللہ بالعباد نصیر [1]

اپنے مربی کے لیے بار بار دعائیں کرتا ہے، ایک جگہ لکھتا ہے،

تا فلک گردان بود دستور عین الملک باد — دیدهٔ ملک جهان را نور عین الملک باد

چون بنای ظلم از والی عدلش شد خراب — تا بود قصر سما معمور عین الملک باد

رای هر ش جوان غم کار ملک می خورد — دایم از بخت جوان مسرور عین الملک باد

ایک دوسری جگہ لکھتا ہے

ای آنکه پاسبانی قصر تو از زحل — چون ماه و آفتاب بجان گشت مشتری

تا نقش صورت نقش طراز جلال باد — صدر جہان حسین ابوبکر اشعری

عین الملک کے حق میں دعائیں کرتا ہوا عوفی اپنی کتاب کو ختم کرتا ہے، دعا کے آخری دو [2]
شعر یہ ہیں

زمانه را بسیار تو باد جمله بیاد — سپهر را به یمین تو باد جمله یمین

زملک بر تو ثنا باد و از فلک احسنت — ز بخت یار تو دعا باد از ملک آمین

---

[1] لباب الالباب جلد اول ص ۹ [2] ایضاً ص ۵

یہ جذبات محض شاعرانہ نہیں ہیں، بلکہ اپنے سرپرست کی علم پروری اور علم دوستی کا سچے دل سے اعتراف ہے، ایک موقع پر لکھتا ہے۔

"شعرا بہیچ نضیلت منیست جز آنکہ جلوہ گری جلال صدر ایوان جمال و ماہ آسمان کمال دیگانہ بشر و دوم مطر و سیوم شمس و قمر صاحب کبیر عالم عادل موید مظفر منصور مجاہد عین الملک ملک الوزرا است عا عفت الله ظلالہ تمامست" (ص ۱۹ جلد اول)

ایک دوسرے موقع پر عین الملک کے متعلق رقمطراز ہے۔

"با داب فضائل تدرو سحبان وائل وصاحب وصابی در دیوان معالمت پیش او کی عبی و دیگرے باقل" (جلد اول ص ۱۹۰)

عوفی کی دوسری مشہور تصنیف **جوامع الحکایات ولوامع الروایات** ہے جسکو اس نے سلطان ناصر الدین قباچہ ہی کے حکم سے لکھنا شروع کیا تھا مگر ابھی اس کی تکمیل نہیں ہوئی تھی کہ قباچہ التمش کے ہاتھوں شکست کھا کر دریائے سندھ میں ڈوب کر اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ عوفی بھی دوسرے فضلا و شعرا کی طرح التمش کے دربار میں چلا گیا، اور اس کے وزیر نظام الملک محمد بن ابی سعد الجنیدی کی سرپرستی میں اس نے جوامع الحکایات ولوامع الروایات کو مکمل کر کے اس معارف پرور وزیر کے نام سے معنون کیا۔ (دیکھو دیباچہ جوامع الحکایات) یہ کتاب چار جلد[1] میں ایک سو ابواب پر مشتمل ہے۔ اس میں دو ہزار ایک سو تیرہ حکایتیں ہیں، یہ اپنی خصوصیات مثلاً حکایتوں کی رنگارنگی، بوقلمونی، دلنشینی اور سچائی کی وجہ سے بہت مشہور ہوئی اور ندل محمد حمی سید ہاشمی فرید آبادی "اول سے فارسی علم و ادب کی نہایت مقبول و منتخب کتاب ...

---

[1] جوامع الحکایات پر بحث عہد شمسی کے ذکر میں آنی چاہیے تھی، لیکن عوفی کے ذکر کے تسلسل کو قائم رکھنے کی خاطر اس کتاب پر تبصرہ یہاں کر دیا گیا ہے جس کے لیے ہم ناظرین سے معذرت خواہ ہیں۔

Marfat.com

مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے بھی ہوئے، اور ہر زمانہ میں ہر ملک کے مصنف اور مولف اس سے برابر استفادہ بھی کرتے رہے ہیں۔ اس کی بعض حکایتیں تاریخی لٹریچر کی حیثیت رکھتی ہیں اور بعض قصوں میں مذہبی، علمی، سیاسی، معاشرتی اور عمرانی نکات پیش کیے گئے ہیں، اور زیادہ تر ایسی کہانیاں ہیں جن میں اخلاقی اوصاف مثلاً عدل، حیا، تواضع، عفو و کرم، حلم، بردباری، ہمت ارحم، ایثار، سخاوت، صبر، شکر، حزم، زہد، جد وجہد، سکوت و نطق، وفاداری، محافظت عہد، امانتداری اور دوسرے مکارم اخلاق کے سبق آموز پہلو کی وضاحت کی گئی ہے۔

عوفی نے یہ تمام حکایتیں تاریخ اور دوسرے فنون کی کتابوں سے جمع کی ہیں، جن کے نام بھی جا بجا لکھ دیے ہیں، مثلاً آثار الباقیہ، کتاب الہند، تاریخ یمینی، تاریخ ناصری، تاریخ ملوک العجم، تاریخ السیاس، مجمع الامثال، ادیان العرب، عین الاخبار، شرف النبی، الفرج بعد الشدة، خلق الانسان، فوائد کتب جاحظ، مفتاح الحج، سر الدہای، تفسیر ابن الثعلبی، تاریخ مقدسی، دستور الوزراء، خواص الاشیاء، کتاب الحیوان وغیرہ۔ ان ماخذوں سے عوفی کی وسعت نظر، کثرت مطالعہ اور کتاب کی تدوین میں غیر معمولی تحقیق و کاوش کا اندازہ ہوتا ہے۔

عوفی نے جوامع الحکایات میں اپنے مربی اور محسن نظام الملک کی شان میں بھی بہت سے قطعات اور قصائد لکھے ہیں۔ ایک قطعہ کی ابتدا اس طرح کرتا ہے۔

آصف ثانی فرخندہ نظام الملک آن ۔۔۔ کاسمانست پے خدمت او پشت دوتاہ

آن جنیدی کانسب وخلق کہ در راہ کرم ۔۔۔ اوست بر جنبہ آثار رسل خسرو شاہ

پھر اسی قطعہ میں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ نظام الملک کا دربار اشراف و ملوک کا قبلۂ حاجات تھا، اور اس کا جود و کرم بے پایاں تھا،

آنکہ درگاہ ہلاش را اشراف و ملوک ۔۔۔ قبلۂ حاجت سازند بسل جباہ

Marfat.com

بحر الطافش بر خلق جہاں گشت محیط | کہ درو وہم مہندس نہ کند ہیچ شناہ

اے شدہ بحر کفت عبرتِ کان و دریا | لے شدہ خاکِ درت مایہ دہ دولت و جاہ

نظام الملک کے صاحبِ قلم اور صاحبِ سیف ہونے کی تعریف میں ہے۔

ہست از روئے کلکت سر نصرت بہتر | ہست از تیغ کبود تو رخ خصم سیاہ

عرفی کو اعتراف ہے کہ اس کے علم و ہنر کی قدر نظام الملک کے دربار میں ہوئی۔ اس کا اظہار ایک لطیف پیرایہ میں کرکے اس کی مزید عنایتوں کا ملتجی ہوتا ہے۔

صاحبا قصۂ داعی بکرم اصغا کن | کہ مثل گشت کنوں قصۂ او در افواہ

داعی مخلص عرفی کہ از احداثِ زمان | می شود خون دل مسکینش بروزی صد راہ

گرچہ در مرتبہ رابع عقد ہنر ست | صفر و آحاد بود حاصل او یعنی آہ

مدتے عمر برآمد بحصول اغراض | ہمچو دربان گران متکف ہر درگاہ

رنگ و بوئے کرم از کس چو ندید و نشنید | باچنیں تحفۂ دگر باز بتو آورد پناہ

ذات او ہست نباتے بکرم آبش دہ | چہ شود تازہ پس آرد ثمر تازہ بخواہ

او رواں کرد زبان را بمدیح تو دراز | تو از دست حوادث بکرم کن کوتاہ

تا کہ در نور و ضیا ماہ نباشد چون خور | تا کہ در مرتبہ فرزین نبود ہم چوں شاہ

دشمن جاہ تو در حبس ابد باد چنان | کہ بروں آید از و مرکز چوں سایۂ چاہ

ایک اور قطعہ میں نظام الملک کے بذل اور اخلاق کے متعلق کہتا ہے۔

نظام الملک و سپہر کرم قوام الدین | کہ کرد بذل کفش خستہ سینۂ کان را

خدا ابن ابی سعد سلجے کردہ | برائے تربت نشو و نمای ما ارزاں

اگر نہ نفحۂ اخلاق او مدد کردے | کجا بدی اطراوت از گلستان را

اگر نہ پرتو رائے منیر او بودے　　زمانہ رنج بدی آفتاب رخشاں را

ہمیشہ صدر وزارت باد مشرف باد　　مدام تا کہ بود دور چرخ گرداں را

ایک دوسرے موقع پر نظام الملک کی مدح میں جو اشعار لکھے ہیں وہ بھی ملاحظہ ہوں۔

آں صاحبے ستودہ کہ دام فضائے عرش　　شہباز قدر و جاہ ورا آشیاں سزد

عادل نظام ملک محمد کہ دہر را　　معمار رائے قاہر او قہرماں سزد

ہر قصر قدر اورا از دولت جواں　　ہندوئے بر قدر زحل پاسباں سزد

برجیس کو بسعد جہاں راست میزباں　　در منزل سعادت او میہماں سزد

مریخ کو است شعلۂ از نار خشم او　　در روز حشر بر سر زخمش سناں سزد

ناہید آنکہ عود طرب بر کنار اوست　　از بہر بزم قدر او درمیاں سزد

تیر فلک محرر دیوان او بود　　زیبک تیز تازی او ترجماں سزد

پیوستہ شاد باش کہ این ملک شرق را　　قدرش روان فزاید و رایش جواں سزد

جوامع الحکایات میں نظام الملک کی مدح میں بہت سے اشعار ملیں گے۔ جن میں کبھی اس کے تدبر و دبدبہ، کبھی اس کی علم نوازی و ہنرپروری کبھی اس کی عدل گستری اور غربا نوازی اور کبھی اس کی شجاعت و نبرد آزمائی وغیرہ کی تعریف و توصیف کرتا ہے، ایک جگہ نظام الملک کی ستایش کے سلسلہ میں سلطان شمس الدین التمش کی بھی مدح کی ہے، جس میں یہ کہا گیا ہے کہ اس کے عہد کا ادنی آدمی بھی قیصر و کسریٰ اور خاقان و چین سے بہتر ہے۔

نظام ملک محمد قوام دولت و دین　　کہ مصر جامع دین راز رائے اوست حصار

دگر بہ عہد شہنشاہ ادنی پرویز　　ز رشک و غیرت نشناختی یمین و یسار

خدایگان سلاطین عہد شمس الدین　　کہ کان دریا از یمین اوست یسار

Marfat.com

کمین بندۂ او بہ قیصر و کسریٰ — کمین چاکر او بہ زخان چین تتار

خدائے جل جلالہ وزیر سلطان را — بفضل خویش ز اعدائش چرخ مامون دار

ہم نے عوفی کے مختلف قصائد و قطعات اوپر اس لیے درج کیے ہیں کہ ناظرین کو اندازہ ہو کہ وہ ایک ممتاز نثار اور ادیب ہونے کے علاوہ ایک جلیل القدر اور قادر الکلام شاعر بھی تھا۔ اس کی وعظ گوئی، نثر نگاری، سخن سنجی اور پایۂ علمی کی داد دیتے ہوئے اس کے معاصر محمد بن عمر بن محمد سمرقندی نے جو اس کے فارسی ترجمہ الفرج بعد الشدۃ کا کاتب ہے، اس کو واعظ الملوک والسلاطین، منشی الممالک، "ملک الکلام" اور "افضل العالم" کے القاب سے یاد کیا ہے۔

عوفی کی ایک کتاب مدائح السلطان بھی تھی، جو غالباً اس کے قصائد کا مجموعہ تھا۔

چچ نامہ ناصر الدین قباچہ ہی کے عہد میں سندھ کی مشہور و معروف تاریخ چچ نامہ عربی سے فارسی میں ترجمہ کی گئی، اور اس کے وزیر عین الملک کے نام سے معنون ہوئی، یہ تاریخ دراصل عربی میں لکھی گئی تھی، جس کو فارسی میں محمد بن علی بن حامد بن ابی بکر کوفی نے منتقل کیا۔ اور اب اس مترجم کی حیثیت مستقل مصنف کی ہو گئی ہے۔ محمد بن علی کا آبائی وطن کوفہ تھا۔ چچ نامہ کے دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے وطن مالوف سے اچہ آیا، اور اپنی عمر کے ۵۸ ویں سال میں اس کو سندھ خصوصاً محمد بن قاسم کی فتوحات کی ایک تاریخ لکھنے کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ اس ارادہ کی تکمیل کے سلسلہ میں وہ اچہ چھوڑ کر الور اور بکھر آیا۔ بکھر میں اس کی ملاقات اس زمانہ کے بہت بڑے عالم مولانا کمال الدین اسمٰعیل بن علی بن محمد بن موسیٰ بن طائی بن یعقوب بن طائی بن موسیٰ بن محمد بن شہاب الدین عثمان ثقفی سے ہوئی۔ جن کے بارہ میں وہ لکھتا ہے کہ

"در فصاحت کان فضل است و در ملاحت جان عقل است، و در فنون علوم فارسی بے نظیر و در ...... بلاغت بے عدیل شدہ بود۔"

مولانا کمال الدین اسمٰعیل سے محمد بن علی کو معلوم ہوا کہ ان کے پاس عربی میں سندھ کی ایک تاریخ ہے جس کو ان کے کسی مورث نے قلمبند کیا تھا محمد بن علی نے اس کا مطالعہ کیا تو اس کو یہ کتاب بہت پسند آئی، وہ خود لکھتا ہے،

چون بندہ را بر آن کتاب اطلاع افتاد کتابے بود بجواہر حکمت آراستہ و بدر و مو عفت
پیراستہ و اوصاف شجاعت و مردانگی اہل عرب و شام در وے مبرہن، و النزاع شہامت
و فرزانگی در وے متمکن ....

چنانچہ اس نے اس کتاب کا ترجمہ شروع کیا، اور ۶۱۳ھ میں جب ترجمہ ختم ہوا تو اس کا نام فتح نامہ رکھا لیکن بعد میں یہ کتاب چچ نامہ کے نام سے مشہور ہوئی، شروع میں سندھ کے راجہ چچ بن سلائج کی حکومت اور فتوحات کا ذکر ہے، اسی مناسبت سے چچ نامہ کی شہرت زیادہ ہوئی، حالانکہ اس میں سندھ کے فاتح محمد بن قاسم ثقفی کے جنگی و حربی واقعات کی تفصیلات زیادہ ہیں اور اسی لیے اس کا نام فتح نامہ رکھا گیا تھا، لیکن یہ نام مقبول عام نہ ہوا، اس کا نام منہاج الدین والملک اور تاریخ قاسمی بھی بتایا گیا ہے۔

اس تاریخ کا ایک آدھ واقعہ تو افسانوی رنگ میں ہے خصوصاً یہ روایت تو بالکل بے سروپا ہے کہ داہر کی لڑکیاں جب مال غنیمت کے ساتھ خلیفہ ولید کے پاس بھیجی گئیں تو انھوں نے محمد بن قاسم پر تہمت لگائی اور خلیفہ نے غصہ میں محمد بن قاسم کو چرم گاؤ میں سلوا کر مروا ڈالا، اور جب اس کی لاش داہر کی لڑکیوں نے دیکھی تو اقرار کیا کہ انھوں نے محمد بن قاسم پر تہمت اپنے باپ کا بدلہ لینے کی خاطر لگائی تھی، خلیفہ کو جب یہ معلوم ہوا تو اپنی بوٹیاں کاٹنے لگا۔ اس روایت کو موجودہ دور کے تمام محققین نے بالکل غلط بتایا ہے، دوسرے اس لیے بھی ناقابل قبول ہے کہ محمد بن قاسم کی معزولی سلیمان بن عبد الملک کی خلافت کے زمانہ میں ہوئی، اور اس کی معزولی کے بعد یزید بن ابی کبشہ سکسکی جب سندھ کا والی

Marfat.com

مقرر ہوا تو اسی نے محمد بن قاسم کو سلیمان بن عبد الملک کے حکم سے گرفتار کیا، مجرموں کی طرح اسکو ٹاٹ کے کپڑے پہنائے اور پاؤں میں بیڑی ڈال کر معاویہ بن مہلب کے ساتھ عراق روانہ کردیا، جب محمد بن قاسم عراق پہنچا تو واسط کے جیل خانہ میں بھیجا گیا اور یہیں تکلیف اور مصیبت جھیل کر مسلمانوں کی تاریخ کے ایک بہت ہی جلیل القدر فاتح نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی۔[1] اس کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ حجاج بن یوسف کا چچازاد بھائی اور داماد تھا، اور حجاج سلیمان کے حریف ولید کے لڑکے کا طرفدار تھا، حجاج کی موت کے بعد سلیمان بن عبد الملک نے اس کے تمام متعلقین کو تہ تیغ کرنے ہی میں اپنی حکومت کی سلامتی دیکھی۔

لیکن اس روایت سے قطع نظر۔۔۔۔ چچ نامہ سندھ کی ایک مستند تاریخ ہے، بعد کے تمام مورخوں مثلاً نظام الدین بخشی مولف طبقات اکبری، فرشتہ صاحب تاریخ فرشتہ، میر معصوم مولف تاریخ سندھ (یا تاریخ معصومی) اور میر علی قانع ٹھٹھوی صاحب تحفۃ الکرام نے چچ نامہ سے پورا استفادہ کیا ہے، اس تاریخ سے اس زمانہ کے سندھ کے مذہبی، عمرانی اور معاشرتی حالات سے متعلق بہت سے مفید معلومات حاصل ہوتے ہیں، سندھ میں عربوں کے فتوحات بنو امیہ اور بنو عباس کے مقرر کردہ والی اور ان کے عہد کے واقعات تو صرف اسی کتاب سے معلوم ہوتے ہیں، اور ادبی حیثیت سے بھی یہ کتاب اپنے طرز بیان کی روانی، سادگی اور سلاست کے لحاظ سے بلند پایہ سمجھی جاتی ہے۔ ڈاکٹر داؤد پوتہ (کا تعلق سندھ) نے اس کو اڈٹ کرکے ۱۹۳۹ء میں مجلس مخطوطات فارسیہ حیدرآباد دکن کی طرف سے شائع کیا ہے انھوں نے اس کے شروع میں ایک پرمغز مقدمہ اور آخر میں توضیحات، تعلیقات اور استدراکات کا اضافہ کرکے بہت سی مفید باتیں لکھی ہیں، اس کتاب کے ادب دانشا کے متعلق وہ بھی رقمطراز ہیں کہ اس کی عبارت سادہ سلیس اور بے ساختہ ہے۔ الفاظ میں معانی گم نہیں ہوتے، اور پھر یہ بھی لکھتے ہیں کہ

[1] یعقوبی ج ۲ ص ۳۵۶ بحوالہ تاریخ سندھ از مولانا ابوظفر صاحب ندوی دار المصنفین اعظم گڈھ ص ۱۲۲-۱۲۱

طرز انشا کے لحاظ سے یہ سفرنامہ، سیاست نامہ، چہار مقالہ اور راحت الصدور کے پایہ کی کتاب ہے۔

سن ۱۹۰۰ء میں اس کتاب کا انگریزی ترجمہ مرزا قلیچ بیگ فریدون بیگ نے شائع کیا تھا، اس کے حواشی میں جا بجا تاریخ معصومی اور تحفۃ الکرام کے حوالے سے کارآمد تبصرے بھی ہیں۔

پہلے کہا جا چکا ہے کہ یہ کتاب ناصر الدین قباچہ کے وزیر عین الملک کے نام سے معنون ہے، اسی لیے اس کے مترجم علی بن حامد کوفی نے دیباچہ اور خاتمہ میں اس علم پرور وزیر کے لیے بہت سے توصیفی الفاظ استعمال کیے ہیں، جو اس بات کی دلیل ہے کہ وزیر عین الملک کے دربار میں اس کی بھی رسائی تھی، اور اس کی بزم کا وہ ایک ممتاز اہل علم تھا۔

تعلیم اور درسگاہیں — اچہ، ملتان اور ٹھٹھہ اس وقت مشائخ، علماء اور فضلاء کے بہت بڑے مرکز تھے، وہ خانقاہوں، مسجدوں اور نجی مدرسوں میں تعلیم وغیرہ اپنے اپنے فرائض انجام دے رہے تھے، ان نجی مدارس کے علاوہ حکومت کی سرپرستی میں بھی دو مدرسوں کا ذکر آتا ہے، پہلے کہا جا چکا ہے کہ مولانا منہاج الدین جوزجانی اچہ آئے تو ناصر الدین قباچہ نے یہاں کے مدرسہ معزی کا اہتمام و انتظام ان ہی کے سپرد کیا، پھر جب مولانا قطب الدین کاشانی ماوراء النہر سے ہجرت کر کے ملتان آئے تو ناصر الدین قباچہ نے ان کے لیے خاص طور پر ایک مدرسہ قائم کیا، جہاں وہ برابر درس و تدریس میں مشغول رہتے، تاریخ فرشتہ میں ہے

"چون مولانا قطب الدین کاشانی از ماوراء النہر بہ ملتان رسید و شاہ ناصر الدین قباچہ والی ملتان سرائے با مدرسہ برائے او بنا نمود و مولانا کہ علامۂ روزگار بودند با مداد و در آن مدرسہ نماز گزارد و تدریس گفتن بر پرداخت۔"

Marfat.com

شمس الدین التمش

۱۲۱۰ - ۱۲۳۶ء

۶۰۷ - ۶۳۳ھ

ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں میں شمس الدین التمش ایک عدیم المثال فرمانروا گذرا ہے، وہ غلامی سے ترقی کرکے نہ صرف دہلی کے تاج و تخت کا مالک بنا، بلکہ اپنی سپہ گری، سیاسی ہوشمندی، عشق الٰہی اور علم نوازی میں اپنی نظیر آپ ہوا۔ تاریخوں اور تذکروں میں اس کا ذکر ایک . . . . بہادر سپاہی، بیدار مغز حکمران، برگزیدہ ولی اللہ اور جلیل القدر اہل علم کی حیثیت سے کیا گیا ہے۔ ہماری اس کتاب کا دائرہ محدود ہے، اس لیے ہم یہاں اس کی عرفان نوازی اور علم پروری ہی کا ذکر کریں گے۔

ابتدائی زندگی | التمش ترکستان کے قبیلہ البری کے ایک بڑے گھرانے کا فرزند تھا۔[1] اس کا باپ ایلم خان اپنے قبیلہ کا سردار تھا، اور اپنی دولت و ثروت اور خدم و حشم کی وجہ سے اطراف و جوانب میں بڑی شہرت رکھتا تھا۔ اس کے کئی لڑکے تھے، لیکن وہ التمش کو اس کے حسن و جمال کی وجہ سے بہت ہی عزیز اور

---

[1] تاریخ فرشتہ میں ہے:

"کتاب طبقات ناصری ناطق است بآنکہ سلطان شمس الدین التمش از بزرگ زادگان ترکان قرا خطائی است و پدر او کہ از قبیلہ البری ست و ایلم خان نام داشت بکثرت خیل و حشم و تبع مشہور و معروف بود۔" (ج ۱ ص ۶۴، نولکشور)

مگر طبقات ناصری کا جو مطبوعہ نسخہ ہے، اس میں التمش کے ذکر میں صرف آتا ہے کہ

"از قبائل البری ترکستان" (ص ۱۶۵، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی)

Marfat.com

رکھتا تھا، ایلم خان کی یہ محبت اس کے دوسرے بیٹوں کو اچھی نہ معلوم ہوئی، اور انھوں نے التتمش کے ساتھ وہی سلوک کیا جو حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے آپ کے ساتھ کیا تھا، التتمش کے بھائیوں اور بھتیجوں نے اس یوسف ترکستان کو گلہ بانی اور شکار کے بہانہ دور دراز باغ وصحرا میں لے جاکر ایک سوداگر کے ہاتھ بیچ ڈالا، سوداگر اس کو بخارا لے گیا، جہاں اس شہر کے صدر جہان کے ایک عزیز نے اس کو خرید لیا، یہ خاندان اپنی بزرگی اور مذہبی فضیلت کے لحاظ سے ممتاز تھا، یہاں التتمش اپنے آقا کے لڑکوں ہی کی طرح پرورش پاتا رہا، اس نے بھی اپنے آقا کی خدمت گزاری میں غیر معمولی اخلاق و دیانت کا ثبوت دیا، اس زمانہ کا ایک واقعہ طبقات ناصری کے مولف نے لکھا ہے کہ صدر جہان کے خاندان کے کسی فرد نے التتمش کو ایک قراضہ بازار سے انگور لانے کو دیا، راستہ میں یہ قراضہ گم ہو گیا، وہ بیٹھ کر رونے لگا، رو رہا تھا کہ ایک درویش اس کے پاس پہنچا، اس نے اس پر شفقت کی، اور اس کو انگور خرید کر دیدیا، اور اس سے یہ وعدہ کرایا کہ جب اس کو دولت اور ملک حاصل ہو تو فقراء اور اہل خیر کی تنظیم میں لگا رہے گا اور ان کے حقوق کی نگہداشت کریگا، التتمش نے یہ وعدہ کیا، اور جب وہ دہلی کا بادشاہ ہوا تو اس کو یہی خیال رہا کہ اس کو دولت اور سلطنت اسی درویش کی بدولت ملی ہے[1]

تقدیر نے اس کو صدر جہان کے خاندان سے بھی جدا کیا، اور بخارا کے ایک سوداگر حاجی بخاری نے اس کو خریدا، جس نے اس کو ایک دوسرے سوداگر حاجی جمال الدین چست قبا کے ہاتھوں فروخت کیا، اپنے اسی آقا کی معیت میں وہ بغداد پہنچا، جہاں وہ کچھ دنوں مقیم رہا، بغداد اس وقت جلیل القدر مشائخ وعلماء کا گہوارہ بنا ہوا تھا اور سہروردیہ اور چشتیہ سلسلہ کے بزرگوں کے فیوض و برکات کے چشمے جاری تھے، التتمش اپنی صغرسنی کے باوجود ان تمام بزرگوں کے سلسلہ کے حلقہ میں حاضر ہوتا رہا، حضرت خواجہ

---

[1] طبقات ناصری ص ۱۶۷، تاریخ فرشتہ جلد ا ص ۶۶ [2] طبقات ناصری ص ۱۶۸-۱۶۷، فرشتہ جلد اول ص ۶۶، طبقات اکبری جلد اول ص ۵۶۔

Marfat.com

قطب الدین بختیار کاکی فوائدالسالکین میں التمش کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بغداد میں ایک روز حضرت خواجہ معین الدین، شیخ اوحدالدین کرمانی اور شیخ شہاب الدین ایک ساتھ کہیں تشریف فرما تھے، وہ بھی اس مجلس میں شریک تھے، پرانے زمانے کے اولیاء اللہ پر گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک بارہ سال کا لڑکا ادھر سے گزرا، تمام بزرگوں کی نظریں اس پر اٹھ گئیں، حضرت خواجہ معین الدین کی زبان مبارک سے فوراً یہ نکلا کہ

"این کودک بادشاہ دہلی خواہد شد، دحق او را از جہان نبرد تا بپادشاہی نرساند"

(فوائدالسالکین مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۶)

حضرت خواجہ نظام الدین اولیا بھی شمس الدین التمش کے ذکر میں فرماتے ہیں:

"او خدمت شیخ شہاب الدین سہروردی را و شیخ اوحد کرمانی را رحمۃ اللہ علیہم دریافتہ بود ویکے ازینہا گفتہ بود کہ تو بادشاہ خواہی شد۔" (فوائدالفواد ص ۲۱۲، لکھنؤ اڈیشن)

سیرالعارفین میں ہے کہ ایک بار التمش شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی قدس سرہ العزیز کی خانقاہ میں حاضر ہوا، اس وقت شیخ اوحدالدین کرمانی بھی وہاں موجود تھے، التمش نے چند قراضے کمر سے کھول کر شیخ الشیوخ کے سامنے رکھے اور دعاؤں کا طلبگار ہوا، شیخ الشیوخ نے فاتحہ پڑھکر زبان مبارک سے فرمایا "اس شخص کے چہرہ سے انوار سلطنت چمکتے نظر آتے ہیں"۔ شیخ الشیوخ اوحدالدین کرمانی نے بھی التمش کو مخاطب کر کے کہا تمہاری برکت سے تمہاری دنیاوی سلطنت میں تمہارا دین بھی سلامت رہے گا۔[1]

بغداد ہی میں ایک بار اس کے آقا کی قیامگاہ پر اہل حال درویش مدعو تھے، جن میں حضرت قاضی

---

[1] سیرالعارفین ج ۱ ص ۲۸ اردو ترجمہ۔ اس تذکرہ میں یہ روایت طبقات ناصری کے حوالہ سے درج ہے لیکن میرے پیش نظر نسخہ طبقات ناصری میں یہ روایت مذکور نہیں۔

Marfat.com

حمید الدین ناگوری بھی تھے۔ ان درویشوں کے لیے مجلس سماع منعقد کرائی گئی، یہ مجلس رات بھر رہی، التمش مجلس کی شمع کو روشن رکھنے کی خاطر تمام رات سرِ شمع کو وقتاً فوقتاً قینچی سے کاٹتا رہا، درویشوں کو اسکی یہ خدمت پسند آئی، اور انھوں نے اس پر ایسی نظر ڈالی کہ مورخوں کا بیان ہے کہ اسی کی بدولت وہ ایک سلطنت کا مالک بن گیا۔[1]

کچھ عرصہ کے بعد حاجی جمال الدین نے التمش کو قطب الدین ایبک کے ہاتھوں فروخت کردیا، ایبک نے اس کو اپنے لڑکے کی طرح اپنے ساتھ رکھنا شروع کیا، التمش نے ایبک کی خدمت میں بھی غیر معمولی ذہانت اور طباعی کا ثبوت دیا، اس لیے وہ مختلف عہدوں پر فائز ہو کر جلد ترقی کرتا گیا، پہلے وہ سر جاندار مقرر ہوا، پھر امیر شکار بنایا گیا، اور جب گوالیار فتح ہوا تو یہاں کا امیر مقرر کیا گیا، جہاں اس نے اپنی انتظامی صلاحیتوں کی بھی خوبیاں دکھائیں، میدان جنگ میں بھی اس نے اپنی شجاعت اور نبرد آزمائی سے نمایاں کارنامے انجام دیے، چنانچہ اپنی بہادری ہی کے صلہ میں گوالیار سے برن کے نظم و نسق کیلئے بھیجا گیا جس کے بعد وہ بداؤن کے مقطع کے عہدہ پر مامور ہوا، بداؤن کے قیام کے زمانے میں اس سے ایک ایسا غیر اختیاری فعل سرزد ہوا کہ اس کا حوالہ حضرت خواجہ بختیار کاکی اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیا، دونوں بزرگوں نے اپنے اپنے ملفوظات میں بھی دیا ہے، ایک روز التمش چوگان کھیلنے کے لیے باہر نکلا: راستہ میں ایک بہت ہی ضعیف و نحیف فقیر ملا۔ اس نے التمش سے بھیک مانگی لیکن التمش اس کو کچھ دیے بغیر آگے بڑھ گیا، فوراً ہی ایک توانا

---

[1] فتوح السلاطین، مدراس اڈیشن ص ۱۱۹۔ طبقات اکبری میں ہے کہ بغداد میں التمش کے آقا کے یہاں روزانہ رات کو مجلس سماع منعقد ہوتی تھی، التمش سراپا خدمت بنکر اس مجلس میں حاضر رہتا اور سماع کے دوران میں رویا کرتا تھا۔ اسکے بعد طبقات اکبری میں ہے:-
"چون خدمت ملک التمش درویشان را خوش آمد، نظرہائے انداختند، حضرت حق سبحانہ تعالیٰ برکت ان نظر او را بدرجہ سلطنت رسانید (ج ۱ ص ۶۲) نیز دیکھو فرشتہ ج ۱ ص ۶۷۔

تندرست سائل ملا جس نے التمش کے سامنے سوال کا ہاتھ پھیلایا بھی نہیں تھا کہ التمش نے اشرفی کی تھیلی کھول کر اس کو خیرات دی۔ یہ خیرات دے کر التمش نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ دیکھو اس بوڑھے نے مجھ سے مانگا لیکن میں نے اس کو کچھ نہ دیا۔ اگر میں اس بوڑھے کو کچھ دیدیتا تو برا اچھا تھا۔ لیکن دینے والا تو خدا ہے، ہم کون ہیں کہ یہ کہیں کہ ہم نے فلاں کو دیا اور فلاں کو نہیں دیا۔ خدائے عزوجل جس کو چاہتا ہے دلاتا ہے (فوائد السالکین ص ۳۰) حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے اس واقعہ اور التمش کے عارفانہ قول کو اپنے مریدوں سے رشد و ہدایت کے سلسلہ میں یہ کہہ کر نقل کیا ہے کہ

"معطی خداست، چوں خدائے تعالےٰ کسے را بدہد، مانع کرتو اند بود" (فوائد الفواد ص ۱۲-۲۱۱)

جب شہاب الدین غوری نے کھکھروں کے خلاف فوج کشی کی تو التمش بھی بداؤں سے ایک بڑی فوج لے کر اس کی مدد کے لیے پہنچا۔ لڑائی شروع ہوئی تو التمش نے اپنی بہادری کے خوب خوب جوہر دکھائے۔ لشکر میں اس سے زیادہ دلیر اور بہادر فوجی کوئی اور نظر نہ آتا تھا۔ کھکھروں کی فوج دریائے جہلم کے اس پار تھی۔ شہاب الدین غوری کے لشکریوں کا کوئی قابو غنیم پر چل نہیں رہا تھا لیکن التمش نے برستوں اپنے اپنا گھوڑا مردانہ وار دریا میں ڈال دیا، اور دریا پار کرکے دشمنوں پر ٹوٹ پڑا، اور اس کی تلوار نے ہزاروں دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ التمش کی اس جرأت اور بہادری کا نظارہ شہاب الدین غوری نے بھی کیا۔ اور جب کھکھر پسپا ہو کر فرار ہو گئے تو شہاب الدین غوری نے التمش کو طلب کرکے شاہی انعامات عطا کیے اور قطب الدین ایبک کو مخاطب کرکے کہا

"التمش را نکو داری کہ او در کارے خواہد آمد"[1]

اور ایبک سے اس بات کی بھی سفارش کی کہ خط آزادی لکھ کر التمش کو آزاد کر دے۔ قطب الدین نے اپنے آقا کے حکم کی تعمیل کی۔ اسی کے بعد اس نے امیر الامراء کا خطاب پایا۔ ایبک نے اپنی لڑکی کو بھی اس سے

---

[1] طبقات ناصری ص ۱۷۰-۱۶۹

Marfat.com

حبالۂ عقد میں دیا، [1] تمام اعیان سلطنت اس کی دینداری سپہگری اور نظم و نسق میں اس کی بیدار مغزی کے معترف ہو گئے، اور جب قطب الدین کا انتقال ہوا، اور آرام شاہ حکمرانی کے لیے موزوں ثابت نہ ہوا تو ارباب حل و عقد نے التمش ہی کو تخت شاہی پر جلوہ افروز ہونے کی دعوت دی

بادشاہ بنا تو ایک نئی سلطنت کی جڑ مضبوط کرنے میں منہمک رہنے، مفتوحہ علاقہ کے نظم و نسق کو بہتر بنانے اور بڑی سی بڑی فوجی مہم کی رہنمائی کرنے کے باوجود صوفیہ، علماء، فضلاء اور شعراء کی مجلسیں بھی یکساں طور پر گرم رکھیں،

مشائخ سے عقیدت بادشاہت کے زمانے میں التمش درویشوں خصوصاً بزرگان چشت کا اور بھی زیادہ معتقد اور گرویدہ ہو گیا، تذکروں میں ہے کہ اس نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے ہاتھ پر بیعت بھی کی،

مراۃ الاسرار میں ہے،

"سلطان شمس الدین مرید پاک اعتقاد خواجہ قطب الاسلام بختیار اوشی بود"۔ [2]

خزینۃ الاصفیاء میں ہے

"از خلفائے نامدار و مریدان باوقار خواجہ قطب الدین بختیار است"۔ (ج ۱ ص ۲۷۶)

اسی تذکرہ میں یہ بھی ہے کہ

"او (یعنی سلطان التمش) از محبوبان و نظر منظورانی خواجہ معین الدین سجزی بود و کمال اعتقاد بخدمت اہل چشت نیک سرشت پیدا کرد"

التمش اور حضرت عثمان ہرونی اگر ہم گنج اسرار کو حضرت خواجہ معین الدین کی تصنیف تسلیم کر لیں تو پھر اس کی روایت کے مطابق یہ بھی ماننا پڑے گا کہ حضرت عثمان ہرونی نے ۶۱۲ھ میں جب دہلی میں

---

[1] فرشتہ ج ۱ ص ۶۵ [2] مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین، نیز دیکھو سبع سنابل ص ۴۴

نزول اجلال فرمایا تو التمش نسبت اعلیٰ حاصل کرنے کے لیے ان سے بھی بیعت ہونے کی درخواست کی حضرت خواجہ عثمان نے اس کو "طالب صادق" اور انسان کامل پایا، اور اس کو کلاہ ارادت عطا فرمائی۔ گنجِ اسرار میں ہے کہ التمش نے حضرت خواجہ عثمانی کی صحبت میں رہ کر علم لدنی اور معرفت باطن کے تمام رموز حاصل کیے، اصلی الفاظ ملاحظہ ہوں:

"خلیفہ دہلی مدت از صحبت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہ رموزات تلقین ارشادات وحروف ہائے لدنی واستقامت معرفت باطن واطاعت و پاسبانی عالم جبروت وملازمت عبادات خفیات و تلاوت حفظ قلوب باطن بدل وجان گرفت"۔

حضرت خواجہ عثمان ہرونی نے التمش کے دل کو غیر اللہ اور نفسانی خطرات سے محفوظ رکھنے کے لیے اپنے مرید کامل حضرت خواجہ معین الدینؒ کو ایک رسالہ لکھنے کا بھی حکم دیا، اسی حکم کی تعمیل میں حضرت خواجہ معین الدین نے گنجِ اسرار نامی رسالہ لکھکر شمس الدین التمش کے پاس بھجوایا۔[1] گنجِ اسرار کے دیباچہ میں ہے کہ

"مصنف بحکم فرمان خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہ مدتے برائے تصنیفات ملفوظات از تعبیرات معانی آیات واحادیث حضرت رسالت مآب و تعریفات و قول مشائخ در بیان معانی اسرار حقیقت بروایت صحیح از اسناد و چند نسخہائے سلوک برائے استفہام سالکان متعدد

[1] اسکو حضرت خواجہ کی تصنیف تسلیم کرنے میں اسلیے تامل ہے کہ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی خیر المجالس میں فرماتے ہیں:

میرے حضرت پیر و مرشد سلطان الاولیاء قدس سرہ العزیز فرماتے تھے کہ میں نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی، اس واسطے کہ حضرت شیخ الاسلام حضرت فرید الدین اور شیخ الاسلام حضرت مولانا قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ اور باقی خواجگان چشت وغیرہ مشائخ جو داخل ہمارے شجرہ میں ہیں کسی نے کوئی تصنیف نہیں کی۔ (اردو ترجمہ) ممکن ہے کہ گنجِ اسرار کا شمار تصنیفات میں نہ کیا گیا ہو، بلکہ پند و نصائح کا محض ایک مجموعہ تصور کیا گیا ہو۔

Marfat.com

طالبان راہ حقیقت آغاز بتاریخ دہم ماہ محرم احدی اثنین دستہ ماہ ۶۲۲ھ کردم، و این ملفوظات را بر بست و پنج معرفت جمع آوردم و گنج الاسرار (کنجل الاسرار) نام نہادم و بخدمت سلطان شمس الدین رسانیدم چنانچہ سلطان مذکور از دریافتن رموزات ملفوظات سالک راہ گشت و بہ عنایت اللہ تعالیٰ عنقریب الایام بکشف و کرامات کمالیت یافت و یکے از واصلان گشت۔"

التمش اور حضرت خواجہ معین الدینؒ سلطان شمس الدین التمش کو جو روحانی مدارج حاصل تھے، اور اس سے حضرت خواجہ کو جو روحانی لگاؤ تھا، شاید اسی بنا پر ایک بار ان کو اجمیر سے چل کر دہلی میں آکر سلطان سے ملنے میں تامل نہ ہوا۔ ان کے صاحبزادوں کے قبضہ میں اجمیر کے پاس ایک گاؤں تھا، وہاں کے مقطع نے لگان مقرر کرنے میں ان کو کچھ زیادہ تنگ کیا، تو انھوں نے اپنے والد بزرگوار سے عرض کیا کہ وہ دہلی جاکر سلطان سے ایک فرمان لے آئیں۔ حضرت خواجہ نے اپنے صاحبزادوں کی خاطر دہلی کا سفر کیا، اور جب وہ اپنے مرید حضرت خواجہ بختیار کاکی کے پاس پہنچے اور ان کو اپنے مرشد کی تشریف آوری کی وجہ معلوم ہوئی تو انھوں نے مرشد کو سلطان کے پاس جانے سے روک دیا، اور خود سلطان کے یہاں قدم رنجہ فرمایا، وہ کبھی سلطان کے پاس نہیں گئے تھے، حالانکہ سلطان اس کا برابر متمنی رہا، سلطان اپنے مرشد کو اپنے یہاں دیکھکر متعجب ہوا، اور جب اس کو معلوم ہوا کہ انھوں نے کس لیے زحمت فرمائی ہے تو اسی وقت ایک فرمان لکھا اور اشرفیوں کی ایک تھیلی بھی پیش کی۔[1]

[1] سیر الاولیا ص ۵۳۔ اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے عہد شاہجہانی کے تذکرہ مرأۃ الاسرار کے مولف نے لکھا ہے (ص ۲۹۷) "اس واقعہ کے ساتھ ایک بڑا نازک نکتہ ہے، اس پر اچھی طرح غور کرنا چاہیے۔ سلطان شمس الدین خواجہ قطب الاسلام کا مرید تھا، اگر خواجہ بزرگ کا کوئی خادم بھی اس کے پاس چلا جاتا تو سلطان اسی کو اپنے دونوں جہان کی سعادت مندی سمجھتا اور فرمان درست کر کے بھیج دیتا، لیکن کاملان اولیا، اللہ بشریت اور شیخیت کو ترک کرنے میں کوشاں رہے۔ اور اپنے کو لوگوں کی نظر میں حقیر دکھلاتے رہے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باوجود کمالات کے خوید دوزدحت (باقی ص ۶۹ پر)

اسی آمد کے موقع پر حضرت خواجہ کے دیدار سے مشرف ہونے کے لیے دہلی کے تمام خواص و عوام ان کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن ان کے پیر بھائی نجم الدین صغری ان سے ملنے نہ آئے جن کو التمش[1] نے شیخ الاسلام کے عہدہ پر مامور کر رکھا تھا، حضرت خواجہ خود ان سے ملنے گئے، اس کے باوجود نجم الدین صغری ان سے گرم جوشی کے بجائے سرد مہری سے ملے، حضرت خواجہ نے یہ محسوس کر کے ان سے وجہ پوچھی تو انھوں نے بتایا کہ جب سے ان کے حکم سے قطب صاحب دہلی میں مقیم ہیں، شیخ الاسلام کی عزت و وقعت باقی نہیں رہی ہے، حضرت خواجہ نے ان کے بار خاطر کو دور کر دینے کا یقین دلایا، اور قطب صاحب کے پاس آ کر ان کو اپنے ساتھ اجمیر چلنے کا حکم دیا، یہ حکم سن کر دہلی کے تمام باشندے ششدر رہ گئے،

خود التمش دم بخود تھا لیکن اپنے شیخ الاسلام سے باز پرس کرنے کے بجائے اس نے حضرت خواجہ سے اس حکم کو بدل دینے پر بڑی منت و زاری کی لیکن حضرت خواجہ نے اس کی بات نہ مانی، جب دونوں بزرگان دین دہلی سے رخصت ہونے لگے تو لوگوں کو ایسا معلوم ہوا کہ شہر دہلی معرفت کے آفتاب و ماہتاب کی تجلیوں سے محروم ہو رہا ہے، ہر طرف کہرام مچ گیا، تمام اہل شہر ان

(بقیہ حاشیہ ص ۶۸) ہمیشہ بے خود ہیں بازار تشریف لیجاتے ان کے علاوہ اولیاء اللہ کا امر راستی اور دیانت پر، اگر وہ کسی شخص سے ضرورت اور حاجت رکھتے ہوں تو وہ [illegible] کو اس لیے چھپائیں، اور اپنے ناموس کا لحاظ کس مصلحت سے کریں ابو بکر حق تعالیٰ ان کا [illegible] سے [illegible] ان کے نزدیک لوگوں کے ظاہری مراسم اور ان کا برا بھلا کہنا کوئی حقیقت نہیں رکھتا، خواجہ کا ابھی کے پاس حاجت لیکر جانا ان کے مریدوں کیلیے رحمت تھی تاکہ ان میں سے کوئی ایسے کام سے انکار نہ کرے اور شیخ بن جانے کے بعد پندار نہ کرے، اصل تو یہ ہے کہ یہ گروہ اپنے حال پر مامور ہوتے ہیں اور اپنے اختیار کو درمیان میں نہیں لاتے جیسا کہ حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ فرماتے ہیں:

عشق آمد چون خونم اندر رگ و پوست — تا کرد مرا تہی و پر کرد ز دوست

اجزائے وجودم ہمگی دوست گرفت — نامیست ز من بر من و باقی ہمہ اوست

---

[1] خزینۃ الاصفیا، ج ۱، ص ۲۷۳

Marfat.com

دونوں بزرگوں کے پیچھے پیچھے چلے۔ ان ہی کے جلو میں سلطان التمش بھی تھا۔ قطب صاحب کی ذات سے لوگوں کی شیفتگی و فریفتگی کا یہ حال تھا کہ جس جگہ وہ قدم مبارک رکھتے تھے، لوگ اس جگہ کی خاک کو تبرکاً اٹھا لیتے تھے، اور اس فراق پر عاشقِ زار کی طرح آہ و بکا کرتے تھے۔ حضرت خواجہ نے یہ منظر دیکھا تو ارشاد فرمایا بابا بختیار تم یہیں رہو، تمہارے جانے سے دہلی کے لوگوں کا دل خراب و کباب رہے گا، جو مجھکو پسند نہیں۔ اس فیصلہ سے دہلی کے لوگ خوشی میں پھولے نہ سمائے، خود سلطان التمش نے خوشی میں بڑھ کر حضرت خواجہ کے قدم چومے، اور قطب صاحب کے ساتھ خوش خوش دہلی واپس آیا۔[۱]

التمش اور حضرت بختیار کاکیؒ

قطب صاحب سلطان التمش سے قریب بھی رہے اور دور بھی اور یہ قربت و دوری کی عجیب و غریب مثال ہے، وہ التمش کو عزیز رکھتے تھے، لیکن اس کے جاہ و حشمت اور مال و منال سے رتی برابر بھی فائدہ اٹھانا شانِ درویشی کے خلاف سمجھتے تھے۔ ان کے گھر میں فاقہ پر فاقہ ہوتا، لیکن اس کی خبر التمش کو ہونے نہ پاتی۔ التمش نے اپنے حاجب اور وزیر کے ذریعہ کئی بار اس کی کوشش کی کہ وہ کچھ گاؤں قبول فرمالیں، لیکن ہر بار انھوں نے قبول کرنے سے انکار کیا، اور فرمایا کہ ہمارے خواجگان نے کسی سے گاؤں قبول کیا ہوتا تو ہم بھی قبول کر لیتے، اگر ہم یہ گاؤں لے لیں تو قیامت کے روز اپنے خواجگان کو کیا منہ دکھائیں گے۔[۲] التمش کو اپنے مرشد کی اس شانِ بے نیازی میں طرح طرح کے جلوے نظر آتے، اسی لیے اس نے اپنی شاہانہ شوکت و سطوت کے باوجود ان کے آستانہ کی جبیں سائی کرنے میں مطلق پس و پیش نہ کیا۔

مراۃ الاسرار میں ہے کہ

"خواجہ قطب الاسلام ...... چون در شہر دہلی رسید سلطان شمس الدین مقدم اورا

---

[۱] سیر الاولیاء ص ۵۵-۵۴؛ سیر العارفین اردو ترجمہ ص ۵۳-۵۰، خزینۃ الاصفیا ج ۱ ص ۲۷۳

[۲] راحت القلوب ص ۳۲، فوائد السالکین ص ۲۵، سیر الاولیاء ص ۵۳

Marfat.com

سعادت مندی دادین خود دانستہ از کمال اخلاص و ارادۂ صادق بخدمت پیوست. و در ہفتہ یک بار برائے زیارت خواجہ می آمد" (قلمی نسخہ دار المصنفین ج ا ص ۳۰۹)

سلطان ان سے عرفان و طریقت کی علمی و عملی تعلیم آخر عمر تک حاصل کرتا رہا۔[۱]

قطب صاحب کے ملفوظات فوائد السالکین میں بھی التتمش کا ذکر بار بار اچھے الفاظ میں کیا گیا ہے، ایک جگہ فرمایا

"آں مردیکے از واصلانِ حق بود" (ص ۲۷)

التتمش کو ان سے جو غیر معمولی عقیدت تھی، اس کے متعلق فرماتے ہیں۔

"ایک رات وہ (یعنی التتمش) میرے پاس آیا، اور میرا پاؤں پکڑ لیا۔ میں نے کہا کہ مجھکو کب تک تکلیف پہنچاتے رہوگے، جو ضرورت ہو بیان کرو، اس نے کہا اپنی عنایت سے آپ نے رب العزت سے مجھ کو مملکت تو دلادی ہے، لیکن قیامت کے روز جب مجھ سے اس کی بازپرس ہوگی اور اس کا حساب دینا ہوگا تو اس وقت آپ مجھے نہ چھوڑیں، وہ اس وقت واپس گیا جب کہ میں نے اس کی بات قبول کی" (فوائد السالکین ص ۲۹)

بزرگان دین کی دعاؤں اور خواجگان چشت کی تعلیمات کی وجہ سے التتمش ویسا ہی مسلمان فرمانروا ہوا جیسا اس کو ہونا چاہیے تھا، قطب صاحب خود ہی فرماتے ہیں۔

---

[۱] موجودہ دور کے اصحاب تحقیق نے یہ بھی بتایا ہے کہ التتمش نے اپنے مرشد سے انتہائی عقیدتمندی کا اظہار کرنے کی خاطر دہلی میں وہ مینار بنانا شروع کیا جو قطب صاحب کی لاٹ کے نام سے مشہور ہے، اور دنیا کا بلند ترین مینار سمجھا جاتا ہے۔ اس کی اونچائی ۲۳۸ فٹ ایک انچ ہے نیچے میں اس کا قطر ۴۷ فٹ ۳ انچ اور اوپر قطر تقریباً ۹ فٹ ہے۔

شاید حضرت خواجہ معین الدین ہی کا اظہار عقیدت ہی کی خاطر اجمیر میں سلطان نے سنگ سرخ کی ایک عالیشان مسجد بنوائی جو ڈھائی دن کے جھونپڑا کے نام کر مشہور ہو کر یہ مسجد ڈھائی دن میں بنائی گئی، اسی لیے اسکا یہ نام رکھا گیا لیکن یہ قرین قیاس نہیں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس مسجد میں ڈھائی دن آکر قیام کرتے ہیں، اس لیے اس نام سے مشہور ہوئی۔ یہ مسجد خود عارف کے اہتمام میں علی احمد معمار نے تیار کی۔ اس کی دائیں محراب پر ۵۹۶ھ تاریخ تعمیر مرقوم ہے۔ بدایوں اور قصبہ نندوار (ضلع بجنور) کی وسیع جامع مسجدیں التتمش ہی کی بنوائی ہوئی ہیں۔

Marfat.com

"اس کا یعنی التمش کا عقیدہ صحیح تھا، وہ راتوں کو جاگتا، کسی نے اس کو سوتے نہیں دیکھا، وہ بیدار رہ کر عالم تحیر میں کھڑا رہتا، اور اگر سو جاتا تو فوراً بیدار ہو جاتا، اٹھ کر وضو کرتا اور مصلیٰ پر جا بیٹھتا، اپنے نوکروں میں سے کسی کو نہ اٹھاتا، اور کہتا کہ آرام سے سونے والوں کو تکلیف کیوں دی جائے۔ رات کو وہ گدڑی پہن لیتا تاکہ اس کی کسی کو خبر نہ ہو، اور کسی شخص کو ساتھ لیکر باہر نکل جاتا، اسکے ہاتھ میں سونے کے ٹنکے کا ایک توشہ دان ہوتا، اور وہ ہر مسلمان کے دروازہ پر جاتا، اس کے حالات پوچھتا، اور اس کی مدد کرتا، وہاں سے واپس ہوتا تو مسجدوں، ویرانوں، خانقاہوں اور بازاروں میں گشت کرتا، اور ان مقامات کے رہنے والوں اور درویشوں کو مالی مدد پہنچاتا، طرح طرح سے معذرت کر کے کہتا کہ وہ لوگ اس کی مدد کا ذکر کسی سے نہ کریں، دن کو اس کے دربار میں عام اجازت تھی کہ جو مسلمان رات کو فاقہ کرتے ہوں اس کے پاس لائے جائیں، اور جب وہ آتے تو ان میں سے ہر ایک کو کچھ نہ کچھ دیتا، اور ان کو قسمیں دیکر تلقین کرتا کہ جب اس کے پاس کھانے پینے کو کچھ نہ رہے یا کوئی ان پر ظلم کرے تو وہ یہاں آکر عدل و انصاف کی زنجیر جو باہر لٹکی ہوئی ہے ہلائیں تاکہ وہ ان کے ساتھ انصاف کر سکے، ورنہ قیامت کے روز ان کی فریاد کا بار اس کی طاقت برداشت نہ کر سکے گی۔" (فوائد السالکین ص ۲۹-۲۸)

فوائد السالکین کے مذکورۂ بالا طویل اقتباسات کی تائید فوائد الفواد سے بھی ہوتی ہے جبکہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے سلطان التمش کا ذکر کرتے ہوئے اس کے مذہبی عقائد سے متعلق کوئی حکایت بیان فرمائی، مرتب فوائد الفواد نے یہ حکایت تو نقل نہیں کی ہے لیکن اسی کو مختصر مگر جامع جملہ میں اس طرح لکھا ہے۔

"بعد از ان عقیدہ او (یعنی التمش) حکایت فرمود کہ شبہا بیدار بودے و ہیچکس را بیدار نہ کردے" (ص ۲۱۳)

موزخوں میں عصامی نے اپنی منظوم تاریخ فتوح السلاطین میں بھی ان کو "صاحب ولایت"، "پارسا"، "صاحب شرع فرمانروا"، "غم خوار دین"، "خسرو دین پناہ"، "خسرو پاک دین" اور "خوش نفس" وغیرہ جیسے القاب سے یاد کیا ہے[1]۔ خواجہ نظام الدین احمد اور فرشتہ نے بھی لکھا ہے کہ

"سلطان شمس الدین بر طاعت و عبادت مولع بود، روزہائے جمعہ بمسجد رفتے و ادائے فرائض و نوافل قیام نمودے"[2]

بعد کے تذکرہ مراۃ الاسرار میں ہے

"سلطان شمس الدین کہ پاک نہاد بود کہ از آب مہربانی خواجہ قطب پرورش و زندگی داشت۔ بادشاہ عادل و رحم دل و یکے از اولیائے حق بود" (قلمی نسخہ دار المصنفین)

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے بھی سلطان التتمش کا ذکر جا بجا بہت ہی عزت و احترام اور لطف و محبت سے کیا ہے، بلکہ اس کے بعض قول اور فعل کو بطور نصیحت اپنے مریدوں کے سامنے نقل بھی کیا ہے[3]۔ اور جب سلطان کا انتقال ہوا تو انھوں نے حسب ذیل شعر میں اس کی وفات کی تاریخ قلمبند کی[4]۔

بہ سال شش صد و سی و سہ بود کہ از ہجرت	نماند شاہ جہان شمس دین عالمگیر

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء ہی کی روایت ہے کہ سلطان کی وفات کے بعد لوگوں نے اسکو

---

[1] فتوح السلاطین مدراس اڈیشن ص ۱۱۹ - ۱۱۷ [2] تاریخ فرشتہ ج اول ص ۶۷، طبقات اکبری ج ا ص ۶۳

[3] مثال کے لیے ملاحظہ ہو فوائد الفواد ص ۱۲ - ۲۱۱۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی یہ بھی روایت ہے کہ التتمش کے سامنے آم پیش کیے گئے تو ان کو کھا کر خوش ہوا، پوچھا کہ اس پھل کا نام کیا ہے، بتایا گیا "انب"، انب ترکی میں ایک بڑی چیز کو کہتے ہیں، اس لیے اس نے کہا اس کا نام نغزک رکھا جائے۔ اور یہی نام مشہور ہوا۔

[4] فوائد الفواد ص ۱۵۶، سیر الاولیاء ص ۵۷

Marfat.com

خواب میں دیکھا اور اس سے پوچھا کہ خداوند تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا کیا، تو اس نے جواب دیا کہ میری بخشایش میرے حوض کی بدولت ہوئی[1]، حوض سے مراد حوض شمسی ہے، جس کو سلطان نے ۶۲۷ھ میں تعمیر کیا تھا، یہ حوض دو پہاڑوں کے بیچ میں واقع تھا، تمام شہر کو میٹھا پانی یہیں سے دستیاب ہوتا تھا، حوض کے بیچ میں ایک چبوترہ بنا ہوا تھا، جس پر ایک عمارت بھی قائم تھی، شہر کے لوگ تفریح کیلئے اس پرفضا مقام پر جمع ہوا کرتے تھے۔ اسی حوض کے متعلق امیر خسرو قران السعدین میں رقمطراز ہیں:

دکمر سنگ میانِ دو کوہ — آب گہر صفوت و دریا شکوہ
ساختہ سلطان سکندر صفات — در سدِ کوہ آئینہ زآب حیات
تا خضر آب خوش او نوش کرد — آب خوش چشمہ فراموش کرد
شہر گرازوے بنود آب کش — کس نخورد در ہمہ شہر آب خوش
آب کہ علت ز برائے تری ست — تری آن آب ز علت بری ست
در نخورد آب وے اندر زمین — کے بزمین در خورد آبے چنین
در تہ آبش ز صفا ریگ خرد — کور تواند بہ دل شب شمرد
موج بلندش کہ رسد تا بماہ — باز دہد آب بابر سیاہ
سیل وے آہنگ بکہسار کرد — کوہ بہ تر دامنی اقرار کرد
چون دو حجر زش ورزنشیب و فراز — ز آب ز کوہ آمدہ در رفتہ باز
چوترہ در قصر بلندش در آب — گشت ازان ساغر صافی حباب
رودبے ز دو شدہ تا آب چون — چون ز پے آب از دجلہ عون
گرد وے از اہل تماشا گروہ — دامن خیمہ شدہ دامانِ کوہ[2]

---

[1] فوائد الفواد ص ۱۱۹ [2] قران السعدین، علی گڈھ اڈیشن ص ۳۳-۳۲

Marfat.com

فوائد السالکین میں قطب صاحب اس حوض کے متعلق فرماتے ہیں کہ جب سلطان شمس الدین نے اس کے بنوانے کا ارادہ کیا تو ارکان سلطنت کے ساتھ زمین تلاش کرنے کو نکلا، اور جب اس جگہ پہنچا جہاں پر کہ اب حوض ہے تو اسی سرزمین پر حوض کے کھدوانے کا ارادہ کیا، محل واپس آیا تو رات کو نماز پڑھ کر مصلے ہی پر سو گیا، خواب میں دیکھا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہیں گھوڑے پر سوار ہیں، وہ آپ کے سامنے جا کر گر پڑا، اور جب اٹھا تو گھوڑے نے زمین پر ٹھوکر ماری جس سے پانی نکلنے لگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی جگہ حوض بنواؤ، چنانچہ اس نے اسی حکم کی تعمیل میں اسی جگہ حوض کھدوایا، جس کا پانی بہت ہی شیریں نکلا[1]، قطب صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ اس حوض کو دو برکتیں حاصل ہوئیں، ایک تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کی برکت تھی، دوسری یہ کہ یہاں سے بڑے بزرگان دین محو خواب ابدی تھے اور پھر اشکبار ہو کر اس آرزو کا بھی اظہار کیا، کہ

---

[1] فوائد السالکین ص ۲۰۔ نظام الدین احمد نے طبقات اکبری اور فرشتہ نے تاریخ فرشتہ میں یہ روایت نقل کی ہے، اور دونوں مورخوں نے اس کی ابتداء ان جملوں سے کی ہے،

"در ملفوظ خواجہ قطب الدین بختیار رحمۃ اللہ علیہ کہ جامع آن شیخ فرید شکر گنج است قدس سرہما آوردہ کہ سلطان را ہوائے ساختن حوض در سر افتاد ......"

لیکن ان دونوں تاریخوں اور فوائد السالکین کے موجودہ نسخہ کی روایتوں میں کچھ جزوی اختلافات ہیں مثلاً طبقات اکبری اور تاریخ فرشتہ میں ہے کہ حوض کھدوانے سے پہلے شمس الدین نے قطب صاحب سے اجازت لی، طبقات اکبری اور تاریخ فرشتہ میں یہ بھی ہے کہ جب شمس الدین خواب سے بیدار ہوا تو کچھ رات باقی رہ گئی تھی لیکن وہ اسی وقت قطب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، اور انکو اپنے ساتھ اس جگہ لے گیا، اور دونوں نے تاریکی میں چراغ سے دیکھا کہ زمین سے پانی ابل رہا ہے، (طبقات اکبری ص ۶۲) فوائد السالکین کے موجودہ نسخہ میں ہے کہ سلطان نے صبح کو اس زمین کو جا کر دیکھا تو پانی بہ رہا تھا، فرشتہ نے اس روایت کو نقل کر کے آخر میں یہ بھی لکھا کہ یہ حکایت تھوڑے تغیر کے ساتھ اور مشائخ کے ملفوظات میں بھی مذکور ہے (جلد اول ص ۶۶)

Marfat.com

"انیز امید داریم کہ ہم بہ نزدیک این حوض مسکن خواہیم ساخت[1]" (ص ۳۸)

قطب صاحب کا وصال شمس الدین التمش سے چند ماہ پیشتر ہوا یعنی قطب صاحب نے ۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ میں رحلت فرمائی، اور التمش ۲۰ شعبان ۶۳۳ھ میں عالم جاودانی کو سدھارا، بعض تذکرہ نویس نے لکھا ہے کہ قطب صاحب نے وصال سے پہلے یہ وصیت کی تھی کہ ان کے جنازہ کی نماز ایسا شخص پڑھائے جو ہمیشہ عفیف رہا ہو، عصر کی سنتیں قضا نہ کی ہوں، اور ہمیشہ نماز باجماعت میں تکبیر اولی سے شریک رہا ہو، نماز جنازہ کے وقت جب اس وصیت کا اعلان کیا گیا تو التمش نے بھی اس کو سنا اور سنکر تھوڑی دیر خاموش رہا کہ شاید کسی بزرگ کو یہ سعادت حاصل ہو لیکن جب کسی نے امامت کے لیے سبقت نہیں کی تو یہ کہتا ہوا آگے بڑھا کہ میری خواہش تو یہی تھی کہ میرے حال سے کسی کو واقفیت نہ ہو، لیکن خواجہ کے حکم کے آگے کوئی چارہ نہیں، پھر جنازہ کی نماز پڑھائی اور ایک طرف تو انہوں کاندھے پر جنازہ اٹھایا اور بقیہ تین طرف اولیاء اللہ اپنے اپنے کاندھوں پر قطب صاحب کے جسد مبارک کو مدفن تک لے گئے،[2]

---

[1] ابن بطوطہ نے محمد تغلق کے عہد میں آکر اس حوض کو دیکھا تو اس کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ اہل شہر اس کا پانی پیتے ہیں اور اور شہر کی عیدگاہ بھی اسی کے قریب ہے، اس میں بارش کا پانی جمع ہوتا ہے، طول اس کا دو میل اور عرض ایک میل کے قریب ہے، اور اس کے غربی طرف عیدگاہ کی جانب پتھر کے گھاٹ بنے ہوئے ہیں، جو چبوتروں کی شکل میں ہیں، اور کئی چبوترے نیچے اوپر بنے ہوئے ہیں، چبوتروں سے پانی تک سیڑھیاں ہیں اور ہر ایک چبوترہ کے کونے پر گنبد بنا ہوا ہے جس میں تماشائی بیٹھکر سیر کرتے ہیں، اور حوض کے وسط میں منقش پتھروں کا گنبد بنا ہوا ہے، یہ گنبد دو منزلہ ہے، جب تالاب میں پانی بہت ہوتا ہے تو کشتیوں میں بیٹھکر اس گنبد تک پہنچ سکتے ہیں، جب پانی تھوڑا ہوتا ہے تو اکثر آدمی ویسے ہی چلے جاتے ہیں، اس کے اندر ایک مسجد ہے، اکثر زاہد اور متوکل وہاں جاکر رہتے ہیں، (سفرنامہ ابن بطوطہ اردو ترجمہ ص ۵۰)

[2] خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۲۷۵

Marfat.com

التمش اور دوسرے مشائخ

مصلحت خداوندی سے ہندوستان کو نور اسلام سے منور ہونا تھا اسلیے التمش کے عہد میں ممالک اسلامیہ سے بکثرت مشائخ و صلحا یہاں آئے، التمش ان میں سے ہر ایک سے غایت تعظیم و تکریم سے پیش آتا، جب حضرت جلال الدین تبریزی دہلی تشریف لائے تو التمش نے علماء و مشائخ کی ایک جماعت کے ساتھ شہر کے باہر جاکر ان کا استقبال کیا، اور ان کو دیکھتے ہی گھوڑے سے نیچے اتر آیا، اور ان کو آگے کر کے خود ان کے پیچھے پیچھے شہر کی طرف روانہ ہوا، دوسرے دن جب حضرت جلال الدین تبریزی قطب صاحب سے ملنے ان کی خانقاہ کو روانہ ہوئے، تو قطب صاحب بھی اپنی خانقاہ سے نکل کر گلیوں میں سے ہوتے ہوئے ان کے استقبال کو چلے، راستے میں قران السعدین ہوا۔[1] التمش نے حضرت جلال الدین تبریزی کے ساتھ مرشد کا یہ لگاؤ دیکھا تو ان کا اور بھی معتقد ہو گیا لیکن سلطان کی یہ عقیدت شیخ الاسلام کو پسند نہ آئی، اور انھوں[2] نے شہر کی ایک حسین و جمیل مطربہ کو لالچ دلا کر حضرت جلال الدین تبریزی پر فسق و زنا کا الزام لگوایا، اور سلطان کے یہاں فریاد کرائی، سلطان سن کر ششدر رہ گیا، وہ جانتا تھا کہ یہ جھوٹا الزام ہے لیکن بادشاہ ہونے کے باوجود اپنے کو شرعی قانون کے سامنے بے بس اور معذور پایا، مقدمہ سامنے آجانے کے بعد اس کی شرعی تحقیقات کرانا ضروری تھا، اس لیے سلطان نے مشورے کے بعد ایک محضر طلب کرنے کا فیصلہ کیا، اور اس محضر میں ہندوستان کے دو سو علما، و صلحا و ائمہ جمع ہوئے، حکم حضرت بہاء الدین زکریا بنائے گئے،[3] جب حضرت جلال الدین تبریزی محضر میں ملزم کی حیثیت سے آئے تو سارے

---

[1] سیر العارفین ج ۲ ص ۳۲ و ۳۱ [2] شیخ نجم الدین صغری نے حضرت جلال الدین تبریزی پر جو الزام لگائے ان کی تفصیل فوائد السالکین اور سیر العارفین میں تھوڑے سے اختلافات کے ساتھ درج ہے۔ سیر العارفین میں تفصیل زیادہ ہے۔

[3] فوائد السالکین ص ۲۰ میں اس جھوٹے الزام کی نوعیت ... [illegible] ... [4] فوائد السالکین میں ہے کہ حضرت بہاء الدین زکریا کو حضرت جلال الدین تبریزی نے حکم بنایا لیکن سیر العارفین میں ہے کہ نجم الدین صغری نے ان کو حکم بنایا۔

Marfat.com

علما، مشائخ اور ائمہ ان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوگئے۔ حضرت جلال تبریزی نے اپنی جوتیاں اتاریں تو شیخ بہاء الدین زکریا نے بڑھ کر ان کی جوتیاں اپنے ہاتھوں میں لے لیں۔[1] سلطان التتمش یہ دیکھ کر متاثر ہوا کہ ایک جلیل القدر رکن اپنے سامنے پیش ہونے والے ملزم کی ایسی تعظیم و توقیر کر رہا ہے، جو حضرت جلال الدین کے معصوم ہونے کی دلیل ہے، اور تحقیقات کی کارروائی روک دینی چاہی لیکن شیخ بہاء الدین زکریا نے فرمایا کہ میرے لیے فخر کی بات ہے کہ شیخ جلال الدین کے پاؤں کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بناؤں، کیوں کہ وہ میرے شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی کے ساتھ سات سال تک سفر و حضر میں رہے۔ لیکن یہ تعظیم کر کے ان کے عیب پر پردہ ڈالنا نہیں چاہتا، ان پر جو الزام ہے اس کی باضابطہ تحقیق ہوگی۔ جب مطربہ بلائی گئی تو اس نے اعتراف کیا کہ نجم الدین صغری کے ورغلانے پر اس نے یہ جھوٹا الزام رکھا تھا۔ حضرت جلال الدین کی معصومیت ثابت ہوگئی تو سلطان نے کذب و بہتان کے جرم میں نجم الدین صغری کو شیخ الاسلام کے عہدہ سے برطرف کر دیا اور حضرت شیخ بہاء الدین زکریا سے اس عہدہ کے قبول کرنے کی استدعا کی، انھوں نے قبول فرمایا، اور ایک بڑی مدت تک یہ عہدہ ان کے [illegible]ن میں رہا۔[2]

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے فوائد الفواد میں ایسی کئی روایتیں بیان کی ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلطان شمس الدین مشائخ و صلحاء کا خیر مقدم بڑے احترام سے کرتا۔ حضرت شیخ بدر الدین غزنوی

---

[1] [illegible] السالکین میں ہے کہ حضرت جلال الدین کے محضر میں آنے اور بیٹھ جانے کے بعد حضرت بہاء الدین زکریا تشریف لائے، اور ان کی نظر حضرت جلال الدین کی جوتیوں پر پڑی، تو ان کو زمین پر سے اٹھا کر چوما اور سر آنکھوں پر رکھا، سلطان شمس الدین نے یہ توقیر دیکھی تو حضرت جلال الدین سے معذرت کا خواہاں ہوا، اور محضر کی کارروائی روک دی لیکن سیر العارفین میں کچھ اور تفصیل ہے جس کو ہم اوپر نقل کر رہے ہیں۔ [2] سیر العارفین ص ۲۰۰، ۳۰۰ نیز دیکھو خزینۃ الاصفیا ج ص ۱۸ و ۲۷۹۔

Marfat.com

نے جو بعد میں قطب صاحب کے خلیفہ بھی ہوئے، دہلی آکر کسی کام سے التمش سے ملنا چاہا، تو اس نے اپنے محل سرا سے باہر نکل کر ان کی پیشوائی کی، ان سے بغل گیر ہوا محل کے اندر لے گیا۔ اور نذرانے بھی پیش کیے[1]

حضرت شیخ نظام الدین اولیاء ہی کی روایت ہے کہ قاضی قطب الدین کاشانی دہلی تشریف لائے تو ان کو سلطان شمس الدین نے شاہی محل میں قدم رنجہ فرمانے کی دعوت دی، وہ جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ نور الدین مبارک اور قاضی فخر الائمہ بھی موجود ہیں سلطان نے حضرت قطب الدین کاشانی کو دیکھتے ہی سلام کیا۔ اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ اور ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھایا۔[2]

عصامی نے فتوح السلاطین میں سلطان التمش اور قاضی حمید الدین ناگوری[3] کی ملاقاتوں کا ذکر عجیب و غریب لیکن دلچسپ پیرایہ میں کیا ہے۔ قاضی حمید الدین ناگوری سلطان التمش سے ملنے آئے تو

بہ تعظیم او شاہ برخاستے　　　نظر از جمالش بیاراستے

دربار کے مفتیوں کو سلطان کی یہ تعظیم پسند نہ آئی، کیونکہ ان کی نظروں میں قاضی حمید الدین ناگوری اس لیے کھٹکتے تھے کہ وہ سماع کے بڑے دلدادہ تھے، اور ان کی وجہ سے یہ بدعت شہر میں تیزی سے پھیلتی جا رہی تھی، مفتیوں نے سلطان سے اس فتنہ کا سدباب کرنے کی درخواست کی سلطان نے ان مفتیوں سے اس کے سدباب کی تدبیر پوچھی۔ انھوں نے قاضی حمید الدین کو محضر میں طلب کرنے کا مشورہ دیا، لیکن انھوں نے یہ بھی التجا کی کہ قاضی حمید الدین محضر میں آئیں تو بادشاہ اپنی طرف سے کسی تعظیم و تکریم کا اظہار نہ کرے، سلطان نے ان کی بات مان لی، یہ محضر دربار ہی میں منعقد ہوا

---

[1] فوائد الفواد ص ۳۰، سیر الاولیاء ص ۱۲۵ [2] فوائد الفواد ص ۲۳۶ [3] ان کے حالات اس خاکسار راقم کی حقیر تالیف "بزم صوفیہ" میں ملیں گے

اور جب قاضی حمید الدین تشریف لائے تو سلطان ان کے رخِ پرنور کو دیکھ کر بے تاب ہو گیا اور اس نے اپنے مفتیوں سے جو وعدہ کیا تھا، بھول گیا۔ پھر اس نے جس طرح حضرت حمید الدین کی تعظیم کی وہ عصامی کے اشعار ہی میں ملاحظہ ہو،

شہِ شرق چوں روئے قاضی بدید — فرود آمد از تخت واندر دوید

بصد عز و اکرام بنواختش — ابا خویشتن ہم نشین ساختش

بسے بوسہ بر دست قاضی بداد — زبان را بپوزش گری بر کشاد

مفتیوں نے یہ دیکھکر سمجھ لیا کہ اب بحث و مباحثہ میں قاضی حمید الدین مجرم قرار نہیں پا سکتے۔ پھر بھی انھوں نے غنا کے متعلق ان سے سوال کیا تو قاضی حمید الدین نے یہ جواب دیا:

حرام است بر سامع اہل قال — مباح است بر سامعِ اہل حال

اور اسی کے ساتھ انھوں نے سلطان کو اس کے بچپن کا زمانہ یاد دلایا کہ بغداد میں ایک بار چالیس درویش جمع ہوئے تھے اور اس موقع پر ایک مجلس سماع منعقد کیگئی تھی جس میں وہ (یعنی قاضی حمید الدین ناگوری بھی تھے، سلطان اس وقت ایک ادنی خادم کی حیثیت سے درویشوں کی خدمت میں لگا ہوا تھا، اور رات بھر شمع کی لو قینچی سے کاٹ کاٹ کر اس کو روشن کرتا رہا جس سے تمام درویش اس سے ایسے خوش ہوئے کہ ان ہی کی خوشی اور چاکری کی بدولت آج وہ ہندوستان کا بادشاہ بنا بیٹھا ہے، حضرت حمید الدین ناگوری کی اس گفتگو کو عصامی نے جس مؤثر انداز میں منظوم کیا ہے، وہ ملاحظہ ہو،

بگفتا کہ یک شب چہل مرد راہ — بہ بغداد اندر یکے خانقاہ

سماعے بکردند تا صبح دم — در آن جمع من بودم و شاہ ہم

ولیکن شہا من بہ رقص و سماع — ہمی کردم آن قوم را اتباع

Marfat.com

تو خود طفل بودی دراں روزگار | ولے آن شبت بود اقبال یار
ہمہ شب سر شمع بے گفت کس | بریدی بہ مقراض اے خوش نفس
در آن شب ترا ملک ہندوستان | بدادند زان چاکری عارفان

عصامی کا بیان ہے کہ حضرت حمید الدین ناگوری نے سلطان التمش کو یہ واقعہ یاد دلایا تو وہ اس قدر متاثر ہوا کہ حضرت حمید الدین کے پاؤں پر جا کر گر پڑا، عصامی نے اسی کے بعد کچھ ایسے واقعات قلمبند کیے ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس موقع پر حضرت حمید الدین کے تمام حریف متاثر ہو کر سماع کے قائل ہو گئے[1] تیموری دور کے مورخوں میں خواجہ نظام الدین احمد اور فرشتہ نے مذکورۂ بالا واقعہ کو اپنی اپنی تاریخوں میں ذکر کر کے لکھا ہے۔

"بعد ازان (سلطان التمش) از سماع لذت گرفتے۔ و نفس درویشان معتقد بود"[2]

سیر العارفین میں ہے کہ سلطان شمس الدین کے عہد میں ایک بار بارش نہیں ہوئی تو خشک سالی کی وجہ سے غلہ گران ہو گیا۔ سلطان نے اپنے ایک معتمد خاص کو دہلی کے تمام مشائخ کے پاس بھیجا کہ استسقاء کی نماز پڑھیں۔ قاضی حمید الدین نے یہ پیام سنا تو سلطان کو کہلا بھیجا کہ محفل سماع منعقد کرائے۔ اسی میں تمام درویش جمع ہو کر بارش کے لیے دعا کریں گے۔ سلطان نے ان کے کہنے کے بموجب ایک محفل منعقد کی جس میں تمام ممتاز مشائخ مثلاً شیخ علی سجزی، شیخ حمید الدین ناگوری، شیخ احمد نہروالی، شیخ بدر الدین سمرقندی، سید قطب الدین غزنوی، حضرت نظام الدین ابو المؤید غزنوی، شیخ محمود موینہ دوز وغیرہ شریک ہوئے۔ سلطان نے اس محفل کے لیے فرش و فروش کے عمدہ اور پاکیزہ سامان کیے، طرح طرح کے کھانے پکوائے اور خوش گلو قوالوں کو جمع کیا۔ جیسے ہی محفل سماع شروع ہوئی، ویسے ہی قدرت الٰہی سے

---

[1] فتوح السلاطین مدراس ایڈیشن ص ۱۱۵ - ۱۱۷ [2] تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۶۰، طبقات اکبری ج ۱ ص ۶۳

Marfat.com

زور شور کی بارش بھی ہونے لگی۔[1]

سبع سنابل کی ایک روایت ہے کہ ایک بار قاضی حمید الدین اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی دونوں ساتھ تشریف فرما تھے کہ سلطان ان کی خدمت میں پہنچا۔ کچھ اپنا مدعا ظاہر کر کے اثنائے گفتگو میں کہہ گیا

"من سگ درگاہ شما ہستم"

اسی روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ سلطان نے چھ ماہ تک قاضی حمید الدین ناگوری کے آستانہ کی ناصیہ سائی اس لیے کی کہ وہ اس کو اپنے حلقۂ ارادت میں قبول کر لیں، لیکن انھوں نے قبول نہیں فرمایا، حالانکہ اس کی سفارش پر اس کے بھانجے شیخ سعد الدین تنبولی کو اپنا مرید بنا لیا تھا۔ جب سلطان شمس الدین کو قاضی حمید الدین سے بیعت کا شرف حاصل نہ ہوا تو اس نے حضرت خواجہ قطب الدین کا دامن پکڑا۔[2] سبع سنابل کی یہ روایت کہاں تک صحیح ہے۔ اس پر ہم بحث کرنے سے گریز کرتے ہیں، لیکن یہ تسلیم کرنے میں تامل نہیں کہ التتمش کو اپنے مرشد کے "یار غار"[3] سے بڑی عقیدت اور محبت تھی۔ اور ان کی خدمت میں بار بار حاضر ہوتا۔ ایک بار ان کے یہاں پہنچا تو انھوں نے اس کو مخاطب کر کے فرمایا، اے شمس الدین! تم فقیروں، غریبوں، مسکینوں اور درویشوں کے ساتھ نیکی سے پیش آؤ، خلق اللہ سے اچھا برتاؤ رکھو۔ رعیت پروری کرو، جو اپنی رعایا کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے اور لوگوں سے اچھا برتاؤ رکھتا ہے، خداوند تعالیٰ اس کو دنیا میں دیر تک رکھتا ہے، اور اس کے دشمنوں کو دفع کرتا ہے۔ سلطان نے ان نصیحتوں کو سنکر قبول کیا۔[4]

سلطان التتمش مشائخ ہی کو عوام و خواص کے اخلاق کو سنوارنے کا اہل سمجھتا تھا۔ چنانچہ

---

[1] سیر العارفین ج ۲ ص ۲۱-۲۰ [2] سبع سنابل ص ۲۳۴ [3] قطب صاحب نے فوائد السالکین میں قاضی حمید الدین ناگوری کو اپنا "یار غار" ہی بتایا ہے (دیکھو فوائد السالکین مجلس اول) [4] سبع سنابل ص ۲۳۲

ان ہی میں سے بعض کو شیخ الاسلام کے عہدہ پر مامور کیا کرتا تھا، سیر العارفین میں ہے کہ شیخ جمال الدین کی وفات کے بعد سلطان التمتش نے شیخ الاسلام کا عہدہ قطب صاحب کی خدمت میں پیش کرنا چاہا، لیکن قطب صاحب نے عہدہ کو قبول کرنے سے انکار کیا، تو اس عہدہ پر شیخ نجم الدین صغری مامور کیے گئے، شیخ نجم الدین صغری حضرت عثمان ہرونی کے مرید اور خلیفہ تھے، شروع میں درویشی کے سارے اخلاق پسندیدہ اور اوصاف حسنہ رکھتے تھے، لیکن بعد میں انھوں نے اپنے جاہ و وقار کی خاطر کچھ ایسی غیر درویشانہ حرکتیں کیں کہ سلطان التمتش ان کو شیخ الاسلام کے عہدہ سے معزول کرنے پر مجبور ہوا، اور ان کی جگہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی[1] کو اس منصب پر مامور کیا، جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے، مولانا عبدالحق دہلوی نے اخبار الاخیار میں سید نور الدین مبارک غزنوی کے ذکر میں لکھا ہے کہ

"خلیفہ شیخ شہاب الدین سہروردی است، مقتداو شیخ الاسلام دہلی بود، در زمان سلطان شمس الدین، او را امیر دہلی می گفتند" (ص ۲۲)

سیر العارفین کے مؤلف نے شاید جمال الدین بسطامی[2] اور سید نور الدین مبارک غزنوی کے نام کو خلط ملط کر دیا ہو، تاریخ فیروز شاہی میں مولانا ضیاء الدین برنی نے سید نور الدین مبارک غزنوی کا جس طرح ذکر کیا ہے[3]، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ التمتش کے دربار میں ان کو بڑا درخور حاصل تھا، اس لیے گمان ہوتا ہے کہ نجم الدین صغری سے پہلے وہی شیخ الاسلام رہے ہوں، وہ شریعت اور طریقت دونوں کے رمز شناس تھے،

عہد شمسی کے مشائخ نے اس دور کے لوگوں کو خدا رسی، تقوی، تزکیہ نفس، عبادت اور ریاضت

---

[1] حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے حالات کے لیے اس عاجز راقم کی حقیر تالیف بزم صوفیہ ملاحظہ ہو [2] جمال الدین بسطامی ناصر الدین محمود کے زمانہ میں شیخ الاسلام رہے، جیسا کہ آگے ذکر آئیگا [3] تاریخ فیروز شاہی برنی ص

کی جو تعلیم دی اس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں لیکن یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ التمش کی صغر سنی میں اس کو دیکھ کر شیخ اوحد الدین کرمانی نے جو پیشین گوئی کی تھی، وہ بالکل صحیح ثابت ہوئی یعنی التمش کی برکت سے التمش کی دنیاوی سلطنت میں التمش کا دین بھی سلامت رہا، اس کا اعتراف طبقات ناصری کے مولف نے بھی کیا ہے،

"پشت دین محمدی بدولت او قوی و روے ملت احمدی بصولت اوبہی گشت (ص ۱۶۷)"

اور پھر التمش نے بچپن ہی میں ایک درویش سے فقرا اور اہل خیر کی تعظیم و تکریم کا جو وعدہ کیا تھا وہ آخر زندگی تک جس طرح قائم رہا اس کی نظیر ملنی مشکل ہے، چنانچہ مولانا منہاج سراج فرماتے ہیں،

"ہرگز بادشاہے بحسن اعتقاد و آب دیدہ و تعظیم علما، و مشائخ مثل او از مادر خلقت در قماط سلطنت نیامد ہ" (طبقات ناصری ص ۱۶۷)

علما سے عقیدت مشائخ کی صحبت میں رہ کر التمش نے نہ صرف علوم باطن و علوم طریقت حاصل کیے، بلکہ علما سے علوم ظاہری و علوم شریعت بھی حاصل کرنے کی کوشش میں برابر لگا رہا، قدرت کی طرف سے اس کو قوی حافظہ بھی ملا تھا، اس کے حافظہ کی تعریف خواجہ نظام الدین اولیا نے بھی کی ہے، فوائد الفواد میں ایک موقع پر فرمایا

"طبع حافظہ قوی داشت" (ص ۲۱۳)

ظاہر ہے کہ اس قوی حافظہ کے ساتھ مشائخ و علما کی صحبت میں اس کے علم و فضل کی جلا کس قدر ہوتی رہی ہوگی، اور اس کے اس وصف کی تعریف بعد کے عہد میں بھی کی گئی، محمد تغلق کے دور میں ابن بطوطہ آیا تو التمش کا ذکر کرتے ہوئے اس نے لکھا کہ "وہ نہ صرف نیک چلن اور انصاف پرور تھا بلکہ عالم فاضل بھی تھا"[1]

---

[1] سفرنامۂ ابن بطوطہ اردو ترجمہ ص ۵۵

Marfat.com

مذہبی مذاکرے | حضر، سفر اور حتیٰ کہ میدان جنگ میں بھی علماء التمش کے جلو میں ساتھ رہتے تھے۔ محل کے اندر ہفتہ میں تین روز علماء کی مجلس ہوتی، اور رمضان المبارک میں یہ مجلس روزانہ ہوتی۔ ذی الحجہ اور محرم کے عشرہ میں بھی علماء روزانہ جمع ہوتے، جمعہ کے روز نماز کے بعد مشائخ اور علماء دونوں خاص طور پر بلائے جاتے۔[1] بلبن اپنی ابتدائی زندگی میں ان مجلسوں میں شریک ہوا کرتا تھا۔ اور بادشاہت کے زمانے میں ان کو یاد کر کے کہا کرتا تھا کہ ان مجلسوں میں جو بزرگان دین شریک ہوا کرتے تھے، ان کے جیسے بزرگ پھر دیکھنے میں نہ آئے۔[2] بلبن ہی کی زبانی ضیاء الدین برنی نے اپنی تاریخ فیروز شاہی میں اس مجلس کا ایک وعظ نقل کیا ہے، جو گو طویل ہے، لیکن یہاں پر ہم اس کو اس لیے نقل کرنا چاہتے ہیں تاکہ ناظرین کو اندازہ ہو کہ ان مجلسوں کے مذاکرے کا رنگ کیا تھا۔ اور پھر یہ بھی معلوم ہو کہ اس زمانہ کے صلحاء و علماء سلطان وقت کو بادشاہت کے نقائص سے آگاہ کرنے میں کس طرح حق گوئی اور صاف گوئی سے کام لیتے تھے۔ یہ وعظ مولانا سید نور الدین مبارک غزنوی کا ہے جو غالباً[3] شیخ الاسلام اور ایک خدا رسیدہ بزرگ ہونے کی حیثیت سے التمش کی خلوت و جلوت میں برابر ساتھ رہتے تھے۔

مولانا سید نور الدین مبارک غزنوی نے اپنے وعظ میں فرمایا

"بادشاہوں کی زندگی کے جو لوازم ہیں جس طریقہ سے وہ کھاتے ہیں شراب پیتے ہیں جو کپڑے پہنتے ہیں، جس طرح وہ اٹھتے بیٹھتے اور سواری کرتے ہیں تخت پر بیٹھ کر لوگوں کو اپنے سامنے جھکاتے اور سجدے کراتے ہیں، خدا کے باغی حکمرانوں کے مراسم کی رعایت دل و جان سے کرتے ہیں، اور خدا کے بندوں کے معاملات میں جدت اختیار کرتے ہیں، تمام دین مصطفیٰ کے خلاف ہیں، شرک ہیں اور عقبیٰ میں موجب سزا ہیں۔ بادشاہوں کی نجات

---

[1] طبقات ناصری ص ۱۷۵، [2] تاریخ فیروز شاہی از ضیاء الدین برنی ص ۰۰

[3] اخبار الاخیار ص ۲۸

Marfat.com

مذکورہ بالا باتوں میں نہیں ہے، ان سے خداوند تعالیٰ کی رضا حاصل نہیں ہوتی، اور وہ سنت مصطفےٰ کے خلاف ہیں، بادشاہوں کی نجات ان چار چیزوں کے عمل پر ہے

(۱) وہ اسلام کی حمیت کو برقرار رکھیں، اور بادشاہت کے قہر و سطوت اور عز و ناز کو اعلائے کلمۂ حق اور شعار اسلام کو بلند کرنے، امر معروف و نہی منکر کے لیے احکام شرعی کو رواج دینے میں صرف کریں..........

(۲) دین کی حمایت ہی میں ایک بادشاہ کی نجات ہے، اور دین کی حمایت یہ ہے کہ وہ اہل اسلام اور اسلامی شہروں اور قصبوں کے درمیان سے فسق و فجور اور گناہ و معصیت کو قہر و سطوت کے ذریعہ بالکل ختم کر دے، اور فاسق و فاجر کو سخت سے سخت سزائیں دیکر ان کے کام و دہن کے لیے فسق و فجور کو زہر سے بھی زیادہ تلخ کر دے، اور ایسے پیشہ ور گنہگاروں کے لیے جو اسلام کے پیرو ہونے کے باوجود تمام عمر گناہ کبیرہ کرتے رہتے ہیں انکی دنیا انگوٹھی کے حلقہ سے بھی زیادہ تنگ کر دے، تاکہ وہ ہمیشہ کے لیے معصیت سے باز آجائیں، اور دوسرے کسب و حرفت کی طرف مائل ہوں، اور اگر کوئی بدکار عورت سزا کے باوجود اپنے پیشہ سے باز نہ آئے، اور پھر بھی پوشیدہ طور سے معصیت کی ذلت و خواری میں مبتلا رہے تو اس کو چھوڑ دینا چاہیے ہاں وہ اپنی بدکاری پر فخر نہ کرے، اور نہ اس کو جائز سمجھے، اگر اس قسم کی پیشہ ور عورتیں نہ ہوں تو بعض بدبخت اپنی نفسانی خواہشوں سے محرم عورتوں کو مغلوب کریں،

(۳) دین کی حمایت ہی میں بادشاہوں کی نجات ہے، اور یہ حمایت اس طرح ہوسکتی ہے کہ دین محمدی کے احکام کی اشاعت کے لیے اہل تقویٰ، زاہد، خدا ترس اور دیندار لوگ مقرر کیے جائیں، اور بد دیانتوں، دھوکے بازوں، حیلہ گروں، دنیا کے عاشقوں اور فریب دینے والوں کو مسند حکومت پر نہ بٹھایا جائے، اور نہ طریقت کی رہنمائی کے لیے ان سے کہا جائے

اور نہ ان کو فتاوے صادر کرنے کا حق دیا جائے اور نہ ان سے دینی علوم میں استفادہ کیا جائے
بادشاہ اپنے ملک میں فلسفہ، معقولات فلسفہ کے معتقدوں کو مطلق روا نہ رکھیں، اور نہ فلسفہ
پڑھنے اور پڑھانے کی اجازت کسی حال میں بھی دیں بلکہ مذہب کے گمراہوں، مذہب و سنت کے
دشمنوں اور بداعتقادوں کی تذلیل و توہین میں برابر کوشاں رہیں، اور بددینی، بداعتقادی اور
گمرہی کو مطلق جائز نہ سمجھیں،

(۴) دین کی حمایت ہی میں بادشاہ کی نجات ہے، اور یہ حمایت عدل گستری اور انصاف پروری
میں بھی ہے، بادشاہ عدل و انصاف میں انتہا پسند ہو، ظلم و تعدی اس کے ملک میں مطلق نہ ہو
جب تک پورے قہر، قوت اور سطوت سے ظالموں کو ظلم کو دور نہ کرے وہ عدل پروری
کا حق ادا نہیں کر سکتا ہے،

اور جب وہ ان چار چیزوں پر پورے عزم اور اعتقاد کے ساتھ عامل ہے اور اس
عمل درآمد ہونے میں اپنی شاہی سطوت کا مصرف پورے طور پر لیتا ہے اور بادشاہت
اور سنت کے لوازم کو پورا کرتا ہے تو اگرچہ اس میں نفسانی خواہشات موجود ہوں، پھر بھی
اس کا حشر انبیاء، اولیاء اور دیندار دن کے ساتھ ہوگا لیکن اگر بادشاہ دوزانہ ہزار رکعتیں
پڑھتا ہے، تمام عمر روزے رکھتا رہے، گناہوں سے بچتا رہے، خزانے کو راہ حق میں خرچ
کرتا رہے، مگر وہ دین کی حمایت نہ کرتا ہو، اپنی سطوت کو خدا اور رسول کے دشمنوں کو قلع قمع
کرنے میں صرف نہ کرتا ہو، شریعت کے احکام کو جاری نہ کرتا ہو، اپنے ملک میں امر معروف کو
جاری کرانے اور نہی منکر کو مٹانے میں کوشاں نہ رہتا ہو اور عدل و انصاف سے کام نہ لیتا ہو تو اس کی
جگہ دوزخ کے سوا اور کہیں نہ ہوگی [۱]

---

[۱] تاریخ فیروز شاہی از مولانا ضیاء الدین برنی ص ۴۴ - ۴۴ - فارسی عبارت کا آزاد ترجمہ کیا گیا ہے۔

(باقی ص ۸۸ پر)

Marfat.com

ان مواعظ کے جو اثرات التمش کے دل و دماغ پر مترتب ہوئے ہوں گے ان کو ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مواعظ ایک عرصۂ دراز تک دہلی کے حکمرانوں کے لیے مشعلِ ہدایت بنے رہے، کیونکہ بلبن ان کو اپنے لڑکوں، بھتیجوں اور خاص خاص لوگوں کے سامنے بار بار دہراتا اور زار زار رونے لگتا۔ مولانا ضیاء الدین برنی نے سوا سو سال کے بعد فیروز شاہ تغلق کے عہد میں اپنی تاریخ فیروز شاہی لکھی تو اس میں یہ مواعظ غالباً اس خیال سے نقل کیے تاکہ ان پر اگر بادشاہوں کی نظر پڑے تو ان ہی نصائح کے مطابق وہ اپنی زندگی بنائیں، اور اگر خواص و عوام پڑھیں تو اپنے حکمرانوں سے ان ہی مواعظ کے مطابق زندگی بنانے کی توقع رکھیں۔

حکمرانی کے نظریے التمش کی مجلسوں میں بادشاہت کے نظری اور عملی دونوں پہلوؤں پر باضابطہ مذاکرے ہوتے تھے، اور پھر ان مذاکروں سے جو نظریے قائم ہوئے ان کو برنی نے بلبن کی زبانی اپنی تاریخ میں قلمبند بھی کر دیا ہے[۱] ان کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) حکمرانی کوئی سہل کام نہیں، ایک حکمران خدا کا نائب ہے، اس کا دل منظرِ ربانی (یعنی خدا کا جلوہ گاہ) ہے۔ ایک معمولی انسان کا دل بھی منظرِ ربانی ہوتا ہے لیکن معمولی انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ القا نہیں کرتا، لیکن ایک حکمران کے دل میں یہ القا دائمی رہتا ہے، اسی لیے مملکت کے تمام

(بقیہ حاشیہ ص ۸۷) التمش کی ان مجلسوں میں کبھی کبھی سخت نوک جھونک بھی ہو جایا کرتی تھی۔ اس زمانہ کے مشہور عالم اور صوفی شیخ نظام الدین اولیاؒ کی زبانی فوائد الفواد میں یہ روایت درج ہے:

"وقتے مارا با سید نور الدین مبارک نور اللہ مرقدہٗ در پیش سلطان شمس الدین برائے زیر دست و زبر دست نشستن نزاعی رفتہ بود، من سخن گفتہ بودم کہ او کوفتہ شدہ بود" (ص ۱۹۳)

[۱] تاریخ فیروز شاہی از مولانا ضیاء الدین برنی ص ۰،

کاروبار اس کے ذریعہ انجام پاتے ہین. اس کو جو عزت وعظمت حاصل ہوئی ہے اس کا تقاضا ہے کہ وہ خدا کا شکر بھیجے. اپنے کو گوناگون فضائل سے آراستہ کرے. اپنے قول فعل اور حرکات و سکنات کو ایسا پسندیدہ بنائے کہ اہل اسلام مین اس کا اعتبار قائم ہو. اور آخرت مین اس کی نجات ہو. وہ اس طرح حکومت کرے کہ لوگون کے اوصاف واخلاق شریعت کے مطابق ہون، ان کے معاملات صحیح ہون. فسق وفجور ملک مین نہ ہون. وہ اپنے قہر، سطوت. قوت. شوکت. حشم. خدم اور خزانے کو کفر، شرک فسق وفجور اور بدعات کے قلع قمع کرنے مین استعمال کرے. خدا اور رسول کے دشمنون کو ذلیل وخوار رکھے، عدل واحسان کے ذریعہ ملک کو ظلم وتعدی سے پاک کر دے، لوگون مین ایسے اخلاقی فضائل پیدا کر دے کہ ساری برائیان دور ہو جائین.

وہ خدا ترس متقی. اور متدین قاضی، محتسب اور حکام مقرر کرے تاکہ رعایا انصاف اور دینداری سے مستفید ہوتی رہے اور امر معروف اور نہی منکر کی ایسی رونق ہو کہ قبہ آسمان تک صرف شعار اسلام ہی ظاہر ہو.

رعایا مین دینداری اور حسن اعتقاد ایسا ہو کہ ان مین غداری، مکاری، فریب، نفاق، بد دیانتی نفع خوری اور احتکار کے بجائے سچائی اور حق پرستی ہی پائی جائے.

ایک حکمران کو نیک، سچا، خدا ترس، دیندار اور عبادت گذار ہونا چاہیے، کیونکہ الناس علی دین ملوکہم. اگر اس مین خدا ترسی. دینداری، عبادت گذاری ہے تو اس کی مملکت کے تمام چھوٹے بڑے لوگ. عورت. مرد. بوڑھے جوان ان ہی اوصاف حسنہ کے حامل ہو جائین گے. اور اگر بادشاہ اور اس کے حکام مین اوصاف ذمیمہ ہین. اور وہ فسق وفجور مین مبتلا رہتے ہین تو رعایا بھی فاسق وفاجر ہو جاتی ہے.

ایک حکمران اور اس کے تمام حکام وعمال کو باطن کی آرائش مین لگا رہنا چاہیے تاکہ ان تو سب ہی کہتے ہین باطن کی آرائش ہی حکمرانی اور بادشاہت کا ایک بڑا فرض ہے.

Marfat.com

اگر مذکورۂ بالا تمام باتوں پر ایک حکمران عمل کرتا ہو تو پھر وہ صحیح معنوں میں بادشاہت اور حکمرانی کی نعمت کا شکر گذار ہے،

ان اصولوں کا پابند ہونا آسان کام نہیں، چنانچہ سلطان بلبن نے شہزادوں کو ان تمام باتوں پر عمل کرنے کی تلقین تو کی لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہا:

"می دانم کہ عمل کردن بدان وصیت با اندازہ من و تو نیست"[1]

مگر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ التتمش نے ان اصولوں کو عملی جامہ پہنایا، اس پر بادشاہ ہونے کے باوجود جو خشیت الٰہی طاری رہتی، وہ اس بات کی دلیل ہے کہ بادشاہت کی عزت و عظمت کا شکر گذار رہا، اس نے خدا ترس متقی اور متدین بن کر اپنے اور شاہی حکام کو گوناگوں فضائل سے آراستہ کرنے کی کوشش کی اور اپنی دینداری سے نہ صرف اپنے باطن کو سنوارا بلکہ مسلمانوں کے اخلاق کو درست کرکے شعار اسلام کی بھی رونق بڑھائی، چنانچہ طبقات ناصری کے مؤلف نے التتمش کے عہد کے دہلی کو "مرکز دائرۂ اسلام" "مہبط اوامر و نواہی شریعت" "حوزۂ دین محمدی" "بیضۂ ملت اسلامی" اور "قبۃ الاسلام مشارق گیتی" کہا ہے[2]، اور اس کی وجہ سے اسلام کی رفعت و شوکت بڑھی تو وہ "غیاث الاسلام والمسلمین" اور "ناصر الاسلام علی الدولۃ القاہرہ والملۃ الباہرہ" کے القاب سے بھی یاد کیا گیا۔[3]

مذہبی مجلسیں | التتمش مذہبی مجلسیں میدان جنگ اور محاصرہ میں بھی منعقد کرتا۔ ۶۲۹ھ میں التتمش نے قلعہ گوالیار کا محاصرہ کیا، تو گیارہ مہینے تک جاری رہا، طبقات ناصری کے مؤلف مولانا منہاج الدین عثمان بن سراج الدین جوزجانی جن کا ذکر ہم پہلے بھی کر چکے ہیں، شاہی لشکر کے ساتھ تھے۔ ناصر الدین قباچہ کی شکست کے بعد مولانا منہاج الدین شمس الدین التتمش سے وابستہ ہوکر ۶۲۵ھ میں دہلی آئے

---

[1] تاریخ فیروز شاہی از مولانا ضیاء الدین برنی ص ۷۰ [2] طبقات ناصری ص ۱۶۶ [3] یہ القاب اس کتبہ میں ہیں جو اجمیر کی ایک مسجد المعروف بہ ڈھائی دن کا جھونپڑا کے ذیلی محراب پر بخط طغرا جلی کندہ ہے۔

Marfat.com

جہاں سنہ ۶۲۹ھ تک مقیم رہے، اور جب التمش گوالیار کی مہم پر چلا تو مولانا منہاج بھی اس کی معیت میں روانہ ہوئے، محاصرہ کے دوران میں جب مجلسیں منعقد ہوتیں تو مولانا منہاج ہی ان میں وعظ کہتے ان کا خود بیان ہے کہ اس محاصرہ میں شاہی خیمہ کے سامنے ۹۵ مجلسیں ہوئیں، عید اضحیٰ کے موقع پر مولانا ہی نے التمش کے حکم سے لشکر میں نماز کی امامت کی اور خطبہ پڑھا جس کے صلہ میں ان کو خلعت عطا ہوا، ۲۶ صفر سنہ ۶۳۰ھ کو قلعہ گوالیار فتح ہوا تو مولانا منہاج وہاں کے قاضی خطیب، امام محتسب اور تمام امور شرعی کے نگران مقرر ہوئے، اور مزید خلعت اور انعامات سے سرفراز کیے گئے[۱]

علمی تحفے بیرونی ممالک سے جو علماء آتے تو سلطان التمش کے لیے تحفے میں ایسی علمی چیزیں لاتے جو اس کے مذاق کے مطابق ہوتیں، قاضی جلال عروس بغداد سے دہلی آئے، تو سلطان کے لیے خلیفہ مامون کے ہاتھ کی ایک ایسی تحریر لائے جو اس نے سفینۃ الخلفاء میں لکھی تھی، اس تحریر کا خلاصہ یہ تھا۔

"میرے والد امیر المومنین ہارون رشید اپنے جلالت و رتبہ کے باوجود چند خادموں کے ساتھ پا پیادہ داؤد طائی اور محمد بن سماک کے گھر گئے، جو بغداد کے زاہدوں میں سے تھے ان کے گھر کے پاس پہنچ کر ان کے دروازہ کے سامنے زمین پر بیٹھ گئے لیکن انھوں نے دروازہ نہیں کھولا، اور نہ میرے والد کو اندر بلایا، ان درویشوں کے پاس خلیفۂ وقت بار بار گئے اور ان کے ہاں جانے میں کوئی عار اور شرمندگی محسوس نہیں کی، بلکہ ان سے نزدیک تر ہوتے گئے، اور ان سے ان کا (یعنی والد کا) اعتقاد بڑھتا گیا، ان کی بڑی آرزو رہی کہ کوئی ان سے ملاقات کرا دیتا، اس کے لیے انھوں نے لوگوں سے بڑے بڑے وعدے بھی کیے، مجھکو اور دوسرے خاص خاص لوگوں کو علمدکان درویشوں کے پاس جانا اور ان کا

[۱] طبقات ناصری ص ۱۸۵

خلیفہ سے نہ ملنا بھلا نہ معلوم ہوتا۔ یہ درویش فقیروں اور مسکینوں کو اندر بلاتے لیکن امرا کو نہیں
کو طلب نہ کرتے۔ میں ایک روز خلیفہ کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ ابو یوسف قاضی آئے۔ امیر المومنین
نے ان سے کہا کہ ہو سکے تو آپ داؤد طائی سے میری ملاقات کرا دیں۔ میں نے سنا ہے کہ آپ
دونوں نے ایک ہی ساتھ ابو حنیفہ سے تعلیم پائی ہے۔ ابو یوسف قاضی نے جواب دیا کہ جب
میں ادنیٰ آدمی تھا تو وہ مجھکو اپنے گھر کے اندر بلاتے تھے۔ لیکن جب سے قاضی ہوا ہوں میں بار
ان کی زیارت کے لیے ان کے دروازہ پر گیا ہوں لیکن مجھکو اندر طلب نہیں فرماتے خلیفہ
نے فرمایا۔ یہ سنکر میں ان سے اور بھی زیادہ قریب تر ہو گیا۔ اور ان سے میرا اعتقاد اور بھی بڑھ گیا۔
ابو یوسف قاضی نے عرض کیا کہ علما و مشائخ ربع مسکون سے آپ کی بارگاہ میں آتے
رہتے ہیں۔ اور آپ سے ملاقات کرکے نہ صرف خلیفۂ وقت بلکہ ابن عم مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم
سے بھی ملتے ہیں۔ اگر یہ درویش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت اور خلیفہ کی بزرگی کا خیال
نہیں کرتے تو خلیفہ ان کے دروازہ پر جانا کیوں پسند کرتے ہیں۔ اور یہ خبر تمام بغداد میں پھیلی
ہوئی ہے کہ رات خلیفہ ان درویشوں کے دروازے پر گئے تھے لیکن انھوں نے ان کو اندر
نہیں بلایا۔ خلیفہ نے کہا کہ محض اسی وجہ سے کہ یہ دونوں مجھکو اندر نہیں بلاتے اور میری طرف
التفات نہیں کرتے۔ میں ان کا معتقد ہو گیا ہوں اور ان کو اپنا دوست سمجھتا ہوں۔ ان
بزرگوں کے معاملات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ظاہراً اور باطناً دنیا کی طرف اپنی
پشت کر دی ہے۔ اور خدا ے تعالیٰ کی محبت میں دنیا کو اپنا دشمن سمجھ لیا ہے۔ اور میں
اس وقت دنیا ہی دنیا ہوں۔ دنیا کی جاہ میرے گرد جمع ہے اور یہ بزرگ جب دنیا کو
صدق دل سے اپنا دشمن سمجھتے ہیں تو پھر مجھ سے کیوں ملتے۔ میں تو ظاہر اور باطن دونوں
میں سراسر دنیا ہی دنیا ہوں۔ پس وہ مجھکو اپنا دشمن کیوں نہ تصور کریں۔ پھر وہ مجھکو کیوں

Marfat.com

اندر بلاہین اور تردد مین مبتلا ہون، مجھکو انھون نے خدا کی محبت مین دشمن سمجھ رکھا ہے لیکن م
ین ان کو اس لیے کہ وہ دنیا کو اپنا دشمن سمجھتے ہین، اور خدا سے قریب ترین، ان کو خدا ہی
کی خاطر دوست سمجھتا ہون۔ ان کے لیے مجھکو دشمن ہی سمجھنے مین نجات ہے، اور میرے لیے
ان کو دوست ہی تصور کرنے مین رستگاری ہے۔ اور مین سمجھتا ہون کہ اگر اس قسم کے تارکانِ دنیا
میری حمایت کرین تو دنیاداری کی دشواریون سے چھٹکارا حاصل ہو جائے۔ اور وہ جو دنیا کی
خاطر دنیاوی جاہ کی خاطر، دنیاوی لالچ اور دنیاوی انعام کی خاطر میرے پاس آتے ہین
اور دنیا ہی مین اپنے دین کو فروخت کر دیتے ہین تو قیامت کے روز وہ مجھ سے زیادہ مفلس
ہون گے۔ اور مین ایسے لوگون سے اپنی التجا کیا بیان کرون۔ ایسے لوگ میری پناہ مین تو آجاتے
ہین لیکن میری حمایت سے ان کو کوئی فائدہ نہین پہنچتا۔ ہان میرے لیے دنیا کی جاہ طلبی مین
اس سے کچھ اور اضافہ ضرور ہو جاتا ہے۔ یہ کہکر امیرالمومنین رونے لگے۔ اور پھر فرمایا کہ اپنے
قول و فعل، حرکات و سکنات کو سنت نبوی کے خلاف پاتا ہون، معلوم نہین کہ قیامت کے
روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا منہ دکھاؤن گا۔ اور اس دنیاداری کی وجہ سے قیامت
مین کیسے چھٹکارا ہوگا۔ ابو یوسف قاضی نے یہ باتین سنین تو انھون نے اٹھ کر خلیفہ کے زانو
پر بوسہ دیا۔ اور کہا کہ بہت سے علوم پڑھے تھے، لیکن آج خلیفہ کی خدمت ہی مین خدا تعالےٰ
کی معرفت کا علم حاصل ہوا[1]"

سلطان التتمش نے یہ تحریر پڑھی تو وہ قاضی جلال عروس کے اس تحفہ سے اتنا خوش ہوا کہ اس نے
کہا۔ اس کے صلہ میں تو قاضی جلال کو آدھی مملکت دیدینی چاہیے۔ تاریخ فیروز شاہی مین ہے
سلطان ازین موعظت جنان بر قاضی جلال عروس خوش شد کہ خواست نیمے ملک

---

[1] تاریخ فیروز شاہی از ضیاء الدین برنی ص ۱۰۲ - ۱۰۳

خود بدو انتہا رسانند"

علماء کی فیاضانہ سرپرستی | علماء کے ساتھ التمش کی یہ فیاضی اور داد و دہش بے پایان تھی۔ اس کا اعتراف مولانا منہاج نے بھی کیا ہے، وہ لکھتے ہین:

"از اول عہد دولت و طلوع صبح مملکت در استجلاب علمائے با نام و سادات کرام و ملوک و امراء و صدور و کبراء زیادت از ہزار لک ہر سال بذل فرمود"[1]

التمش کے جود و سخا کو ذرا اور بھی واضح طور پر خزینۃ الاصفیا کے مؤلف نے اس طرح لکھا ہے:

"وہ رات کے آخری حصہ مین گدڑی اوڑھ لیتا، اور رعایا کی خبرگیری کے لیے شہر کا گشت کرتا۔ علماء، صلحا اور اصفیا کو بڑی دولت عطا کی، اس طرح کہ مٹی کے برتن مین اشرفیان بھر دیتا، ان کے اوپر گیہوں رکھ دیتا، اور مسلمانون کو دیتا، تاکہ اس کی سخاوت پردہ ہی مین ظاہر ہو اور ریا کا اظہار نہ ہو"[2]

اس فیاضی کی شہرت سن کر بیرونی ممالک سے علماء و سادات دہلی بکثرت کھنچ کر آگئے تھے، اور یہ شہر علماء و فضلاء کا بہت بڑا مرکز بن گیا تھا۔ طبقات ناصری مین ہے

"این شہر بکثرت انعامات و شمول کرامات آن بادشاہ دین دار محط رجال آفاق گشت"[3]

فتوح السلاطین مین عصامی اس عہد کے دہلی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

بہ دہلی چنان تخت گاہے بساخت	سپاہش در اقصائے آن ملک تاخت
در آن شہر گشت رونقے شد پدید	بسے لذتے باشد اند رحسد ید
بسے سید ان صحیح النسب	رسیدند در وے ز ملک عرب
بسے کاسبان خراسان زمین	بسے نقشبند ان اقلیم چین

[1] طبقات ناصری ص ۱۶۶ [2] خزینۃ الاصفیاء ج ا ص ۲۷۷ [3] طبقات ناصری ص ۱۶۶

Marfat.com

بے عالمان بخارا نژاد — بے زاہد و عابد از ہر بلاد
ز ہر ملک و ہر جنس صنعت گران — ز ہر شہر و ہر اصل سیمیں بران
بے ناقدان جواہر شناس — جواہر فروشان بیرون از قیاس
حکیمان یونان، طبیبان روم — بے اہل دانش ز ہر مرز و بوم
در آن شہر فرخندہ جمع آمدند — چو پروانہ بر نور شمع آمدند
یکے کعبۂ ہفت اقلیم شد — دیارش ہمہ دار اسلام شد[1]

مولانا ضیاء الدین برنی بھی رقمطراز ہیں کہ چنگیز خانیوں کے فتنہ سے عاجز و پریشان ہو کر ارباب فضل و کمال عہد شمسی میں اس قدر زیادہ جمع ہو گئے تھے کہ ربع مسکون میں اس کی مثال نہ تھی، اور سلطان شمس الدین التتمش کا دربار محمود و سنجر کا دربار معلوم ہوتا تھا۔[2]

افسوس ہے کہ اس عہد کے مورخوں نے ان علماء کے حالات قلمبند کرنے کی کوشش نہیں کی، اگر ان تمام علماء و فضلاء کے علمی کارنامے معلوم ہو جاتے تو اس عہد کی علمی تاریخ کس قدر روشن نظر آتی۔

درسگاہیں ان میں سے بعض علماء درس و تدریس کے لیے بہت مشہور تھے۔ التتمش نے ان کے لیے دہلی میں متعدد مدارس قائم کیے۔ دہلی کا مشہور و معروف مدرسہ معزی[3] اسی معارف نواز سلطان کی یادگار ہے، کیونکہ بدایوں میں بھی اس نے اپنی اقطاع داری کے زمانہ میں اسی نام سے ایک مدرسہ قائم کیا تھا جس کے متصل ایک بڑی جامع مسجد بھی تھی۔ ان مدرسوں کا نام معزی سلطان معز الدین سام المعروف بہ شہاب الدین غوری کی یاد تازہ رکھنے کے لیے رکھا گیا۔ شاید [illegible] التتمش کے نام سے بھی موسوم تھا کیونکہ جب اس کی عمارت فیروز شاہ تغلق کے عہد میں منہدم ہو گئی

[1] فتوح السلاطین، مدراس ایڈیشن ص ۱۱۵-۱۱۴ [2] تاریخ فیروز شاہی ص ۲۷ [3] طبقات [illegible]

تو فیروز شاہ نے اس کو پھر سے بنوایا۔ اور اس میں صندل کی لکڑیوں کے دروازے لگوائے۔ فتوحات فیروز شاہی میں ہے۔

دہم ہچنین مدرسہ سلطان شمس الدنیا والدین التمش رضی اللہ عنہ ما محلات کرالمدام پذیرفتہ بود، عمارات کردہ در ہا از چوب صندل نہادیم (مطبوعۂ علی گڈھ ص ۱۷)

شعرا | تاتاریوں کے فتنہ سے ماوراءالنہر اور ایران پر جو قیامت صغریٰ گزر رہی تھی، اس کی بنا پر علماء کی طرح بہت سے شعراء نے بھی ہندوستان میں آکر پناہ لی۔ اور جس کی رسائی التمش کے دربار تک ہوئی وہ اس کے جود و کرم سے اچھی طرح سیراب ہوا۔ افسوس ہے کہ معاصر مورخوں اور تذکرہ نویسوں نے ان شعراء کے نام و حالات کو بھی بالکل نظر انداز کر دیا ہے، پھر بھی ہم کو ادھر اُدھر سے دو چار شعراء کی تھوڑی بہت جو تفصیل ملی ہے۔ اس کو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

ناصری | نام خواجہ ابو نصر، اور تخلص ناصری تھا، مہنہ (خراسان) کا رہنے والا تھا، اور مشہور صوفی شاعر شیخ ابو سعید ابو الخیر کے خاندان سے تھا، وطن سے دہلی آیا تو پہلے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے آستانہ پر حاضر ہوا اور ان کی دعائیں لیں۔ ان کی دعائیں لیکر قسمت آزمائی کیلئے التمش کے دربار میں پہنچا۔ اور اس کی مدح میں ایک قصیدہ پیش کیا، جب قصیدہ پڑھنے کی اجازت دی گئی تو اس نے مطلع پڑھا۔

اے فتنہ از نہیب تو زنہار خواستہ   تیغ تو مال دخیل زکفار خواستہ

سلطان التمش یہ مطلع سنکر دوسری طرف متوجہ ہو گیا، ناصری بد دل ہوا لیکن سلطان نے فوراً متوجہ ہو کر کہا ناصری پڑھو اور اس کا مطلع دہرایا، ناصری کو سلطان کے حافظہ پر تعجب ہوا۔ اور پھر اس نے قصیدہ کے اور اشعار پڑھنے شروع کیے۔ اور جب وہ ختم کر چکا تو سلطان نے قصیدہ کو دوبارہ پڑھنے کو کہا، اور جب اس نے اس کو ختم کیا تو سلطان نے پوچھا کہ اس میں کتنے اشعار ہیں، ناصری نے

Marfat.com

کہا تھا[1]۔ سلطان نے اسی وقت حکم دیا کہ اس کو ترپن ہزار چاندی کے تنکے انعام میں دیے جائیں۔

ناصری اس غیر متوقع انعام سے بے حد خوش ہوا[2]۔ یہ رقم لیکر حضرت قطب صاحب کے پاس حاضر ہوا۔ اور ان کی خدمت میں گذرانی لیکن قطب صاحب نے لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اس سے تم اپنی ضروریات پوری کرتے رہو۔ ناصری کے کلام کے نمونے کہیں اور نہیں ملتے۔ آتشکدہ میں اس کا صرف ایک حسب ذیل قطعہ منقول ہے[3]۔

ازدو د رفتنت ہمہ روز است ماتمم — وزدیدن آمدن ہمہ شب ماتمے دگر

ترسم اگر حکایت غمہائے خود کنم — غمگین شوی ازین غم و این ہم غمے دگر

روحانی تذکرہ نویسوں نے حکیم روحانی اور امیر روحانی دونوں کو ایک ہی تخلص کی وجہ سے ایسا خلط ملط کر دیا ہے کہ بظاہر دونوں میں امتیاز کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ حکیم روحانی، سلطان عین الدین بہرام شاہ بن مسعود غزنوی کے دربار کا شاعر تھا، اور امیر روحانی سلطان شمس الدین التتمش کے عہد میں ہندوستان آیا۔ لیکن بعض تذکرہ نویس مثلاً مظفر حسین روز روشن میں لکھتے ہیں

"روحانی سمرقندی۔ نامش۔ ابوبکر۔ از تلامذۂ رشید وطواط وستایش گران بہرام شاہ غزنوی ست۔ وبعدش در سرکار خوارزم شاہ۔ شاہ بکار کتابت ملازم گشت۔ و در سنہ ثلث وعشرین وستمائہ ہنگامیکہ سلطان شمس الدین التتمش رنتھنبور را فتح کردہ شہر ہا را بحیم جاہ وجلال ساخت روحانی از نجا بحضور سلطان رسیدہ قصیدہ فتح گذرانیدہ جائزہ جزیلہ یافتہ" (ص ۲۵۶)

[1] فوائد الفواد ص ۲۱۱، سیر العارفین اردو ترجمہ ص ۹۰ [2] منتخب التواریخ از عبد القادر بدایونی ج ا ص ۹۵ کسی نے اس قصیدہ کو نقل نہیں کیا ہے۔ خزن الغرائب کے مؤلف صرف مطلع نقل کر کے لکھا ہے کہ چون قصیدہ مذکور مولانا بود ہمیں قدر اکتفا کردہ شد۔ [3] آتشکدہ، ص

اب اس عبارت کے تضاد کو ملاحظہ فرمائیں ۔ اگر ابوبکر روحانی کو بہرام شاہ غزنوی کے دربار کا مدح خوان تسلیم کرلیں ، تو اس کا ہندوستان میں ۶۲۳ھ میں آنا ممکن نہیں ، کیونکہ مسعود غزنوی کی موت ۵۴۷ھ میں ، اور جلال الدین خوارزم شاہ کی ۶۱۵ھ میں ہوئی ، ۶۲ برس کے بعد روحانی کا التمش کے دربار میں پہنچنا ایک فضول سی بات ہے۔[۵] پھر ابوبکر روحانی رشید وطواط کا شاگرد نہیں بلکہ استاد رشیدی کے شاگردوں میں سے تھا۔[۲]

---

[۱] تحفۃ الکرام ج ۲ (ص ۱۱۳) میں اسی قسم کے خلط ملط بیانات ہیں

"افصح الکلام امیر روحانی از سارکان ما ٔ النہر ، اکثر غزنوی بسر بردہ ، بعد از ان ملازم آتسز خوارزم شاہ ملازم گرفتہ ، یام کتابے مشغول داشتہ تا در گذشت در تاریخ صبح صادق نوشتہ کہ در ثلث وعشرین وستمایہ سلطان شمس الدین التمش صاحب دہلی تعقیب کرد دیگر فت پس بہند در رفت واستیلا یافت حکیم روحانی از بخارا بخدمت او پیوست وقصیدہ گذرانید وصلہ جزیل یافت۔

[۲] مجمع الفصحاء میں ہے

"حکیم ابوبکر بن محمد علی روحانی در غزنی وبخارا نشو ونما کردہ شاگرد رشیدی سمرقندی معروف بہ رشیدی ست در زمان سلطان بہرام شاہ غزنوی بعرصہ آمدہ شاعری کردہ ..... مداحی دیگر سلاطین نیز نمودہ۔

ریاض الشعراء میں ہے

"حکیم ابوبکر محمد علی الروحانی ولادت وی در غزنی شدہ و توطنش در بخارا ونشو ونما تتمہ دیگر بودہ از شاگردان استاد رشیدی ومداح بہرام شاہ ہست"

مخزن الغرائب میں بھی ہے

"حکیم ابوبکر محمد علی الروحانی ۔ تاج الحکما ، ارشد القدما رست ، از سمرقند بودہ ، مثل خواجہ رشیدی از دامن تربیت او برخاستہ ، ہمین بزرگے اولیند است ۔ ملا عوفی ذکر وی نمودہ۔"

Marfat.com

عوفی نے بھی اپنے تذکرہ لباب الالباب جلد دوم مین روحانی کا ذکر الاجل الافضل تاج العلماء، عطار الثانی ابو بکر بن علی الروحانی کی سرخی کے تحت کیا ہے۔ اور پھر بہرام شاہ کی شان مین اس کا ایک قصیدہ نقل کرنے کے بعد اس کے کچھ اور اشعار بھی درج کیے ہین۔ ظاہر ہے کہ یہ روحانی غزنوی سلطان بہرام شاہی کے دربار کا شاعر تھا جیسا کہ بعض اور تذکرہ نویسون نے بھی لکھا ہے۔ التمش کے عہد مین ہندوستان مین آنے والے شاعر امیر روحانی کا ذکر طبقات اکبری، منتخب التواریخ اور تاریخ فرشتہ مین ہے۔ ان مورخون کے بیان کے مطابق چنگیز خانیون کی یورش سے تنگ اور پریشان ہو کر امیر روحانی بخارا سے دہلی آیا، اور ۶۲۴ھ مین سلطان شمس الدین التمش کے دربار مین پہنچا۔ جبکہ سلطان رنتھنبور اور مندور کی تسخیر کے بعد دہلی مراجعت کرتا ہے۔ ان فتوحات کی تقریب مین امیر روحانی نے ایک قصیدہ شاہی خدمت مین پیش کیا، جس کے چند اشعار یہ ہین:

خبر بہ اہل سما برد جبرئیل امین	ز فتح نامۂ سلطان عہد شمس الدین
کہ اے ملائکۂ قدس آسمانہا را	بدین بشارت بندید کلمۂ آمین
کہ از بلاد ملاحد شہنشہ اسلام	کشاد بار دگر قلعۂ سپہر آئین
شہ مجاہد غازی کہ دست و تیغش را	روان حیدر کرار می کند تحسین[1]

اس قصیدہ کے صلہ مین سلطان نے روحانی کو بڑے انعام و اکرام سے سرفراز کیا،

---

[1] منتخب التواریخ جلد اول ص ۶۶-۶۵، طبقات اکبری جلد اول ص ۷۰، پر دوسرے شعر کے پہلے مصرع مین آسمانہا کے بجائے آسمان برین اور دوسرے مصرع مین کلمۂ امین کے بجائے کلمۂ آمین ہے۔ تاریخ فرشتہ مین بھی دوسرے شعر کے دوسرے مصرع کلمۂ آمین ہی ہے اور اس مین تیسرے شعر کے پہلے مصرع مین از بلاد ملاحد کے بجائے "بلاد سوالک" ہے۔

Marfat.com

ملا عبدالقادر بدایونی نے مندرجۂ بالا اشعار روحانی کے کلام پر ایک عام تبصرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

"ونیز او را غیر ازین اشعار دلپذیر بسیار است۔"

اور پھر اس کے کلام کے نمونے میں حسب ذیل اشعار نقل کیے ہیں:

قصۂ خویش از زبان قلم — کردہ ام یاد در بیان قلم
رقم رنج گوئیا بوداست — خط عمر من نشان قلم
با قلم تا قرین شدم بجہان — روز من گشت چون جہان قلم
ناگہان با نگار دفتر من — زان درشتی کند سنان قلم
کہ بر آواز نرم من ماند — نالۂ زار ناگہان قلم
گرچہ پیوستہ درمیان خطر — دارم تیغ بیکران قلم
آخر احوال من نگوید کس — پیش صاحب ہنر زبان قلم
خواجہ منصور بن سعید کزوست — تیز بازار امتحان قلم
آن بزرگی کہ دارد از لفظش — بار انصاف کاروان قلم
چون بنان را سوار کردہ بود — مرکب او خجستہ ران قلم
در کفایت کند رکاب گران — پس بگیرد سبک عنان قلم
بر ہنر عقل را چو بگمارد — آشکارا کند ہمان قلم

اس عہد کا ایک دوسرا ممتاز شاعر تاج الدین ریزہ تھا جس کا ذکر ہم ذرا تفصیل کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں۔

ریزہ: تاج الدین نام تھا، لیکن عام طور سے تاج الدین ریزہ کہلاتا تھا، اس کے قد کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے ریزہ اس کے نام کا جزو ہو گیا۔ تحفۃ الکرام میں ہے:

Marfat.com

"مرد حقیر الجثہ بود۔ لہذا این لقب یافتہ" (جلد ۲ ص ۱۰۵)

گل رعنا کے مؤلف لچھمی نراین شفیق کا بیان ہے:

"چون حقیر الجثہ بود، او را ریزہ می گفتند۔ بعضے گویند: بمقابلہ تاج الدین بزہ او را تاج الدین ریزہ می گفتند۔ بزہ بزبان ہندی کلان را گویند۔ تاج الدین بزہ شمس الملک کہ از فضلائے عصر بود، سلطان المشائخ نظام الدین بدارتی از دستانات حریری سند کردہ آخر مستوفی الممالک شدہ۔ می گوید

اے مرحبا بکام دل دوستان شدی مستوفی الممالک ہندوستان شدی"

گل رعنا کے مؤلف کی یہ توجیہ صحیح نہیں۔ اس نے حضرت نظام الدین اولیا کے استاد اور سلطان غیاث الدین بلبن کے مستوفی الممالک مولانا شمس الملک کے نام کو تاج الدین بزہ کہکر خلط ملط کر دیا ہے۔ حضرت نظام الدین اولیا کے استاد اور بلبن کے مستوفی الممالک کا نام شمس الدین خوارزمی تھا۔ اسی لیے ان کو شمس الملک کا خطاب ملا۔ چنانچہ لچھمی نراین شفیق نے جو مذکورہ بالا شعر لکھا ہے اس میں بعض نسخوں کے مطابق "اے مرحبا" کے بجائے "شما کنون" ہونا چاہیے۔ اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے، کیونکہ یہ شعر تاج الدین نے مولانا شمس الدین کے مستوفی الملک ہونے پر کہا ہے[1]۔ عرفات العاشقین کے مؤلف کا خیال ہے کہ تاج الدین نشاپوری سے میز کرنے کی خاطر تاج الدین کے نام کے ساتھ ریزہ بڑھا یا گیا۔ سیر العارفین میں اس کے نام کے ساتھ سنگ ریزہ لکھا ہوا ہے[2]۔ پروفیسر عبد الغنی نے اپنی انگریزی کتاب پری مغل پرشین ان ہندوستان" (ص ۳۲۸) میں تاج الدین دبیر اور تاج الدین سنگریزہ کو دو علیحدہ علیحدہ شاعر بتایا ہے جو صحیح نہیں۔ تاج الدین دبیر کے بارہ میں لکھتے ہیں کہ وہ دہلی کا باشندہ تھا۔ اس کا ۱۰ اخسرو بن ملک شاہ کے عہد میں ہندوستان آیا۔

---

[1] دیکھو سیر العارفین اردو ترجمہ ص ۱۱۵ ۔ ۱۱۴ ایضاً نیز دیکھو اورینٹل کالج میگزین لاہور نومبر ۱۹۳۴ء

اور شاہی فوج مین نوکر ہوا، تاج الدین کا باپ دہلی مین سنہ ۵ ھ مین پیدا ہوا، اس کے آبا و اجداد مین کوئی شعر و شاعری کا ذوق نہین رکھتا تھا، پھر ص ۸۰۳ پر لکھتے ہین کہ تاج الدین سنگریزہ ایک خراسانی شاعر تھا، جو سلطان شمس الدین التتمش کے عہد حکومت اور اپنے بچپن کے زمانہ مین ہندوستان آیا پروفیسر موصوف کو تاج الدین سنگریزہ اور تاج الدین دبیر کو علحدہ علحدہ شاعر سمجھنے مین غلط فہمی ہوئی ہے، جیسا کہ آگے ذکر آئے گا،

تاج الدین ریزہ کی صحیح جائے پیدائش تو معلوم نہین ہو سکی لیکن وہ ہندی نژاد تھا، اپنے ایک قصیدہ مین خود ہی کہتا ہے۔

مولد و منشا مبین در خاک ہندستان مرا | نظم و نثرم بین کہ از آبِ خراسان آمدہ[1]

عرفات العاشقین کے مؤلف تقی اوحدی نے اس کو دہلی کا باشندہ لکھا ہے۔

"ملک تاج الدین ریزہ ساکن دہلی بود"

لچھمی نرائن شفیق نے گل رعنا مین اس کے نام کے ساتھ دہلوی ہی تحریر کیا ہے

شاید پروفیسر محمود شیرانی مرحوم کی نظران تذکرہ نویسون کے مذکورۂ بالا بیانات پر نہین پڑی، اس لیے وہ تاج الدین کو دہلوی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہین، اور تاج الدین کے ایک قصیدہ کے حسب ذیل اشعار کی بنا پر لکھتے ہین کہ تاج ریزہ یقیناً دہلوی نہین ہے۔

سالہا شد بندہ را کز لطف ہر آزادۂ | در حریم این حمالک حصہ حرمان آمدہ است
خانمان بگذاشتہ بر سمت شہرے رفتہ کو | از علو قدر شاہش چون قدر خان آمدہ است
بے خیانت ہست مقناطیس ورباب ہنر | بندہ سوے این دیار از جذبۂ آن آمدہ است

یہ اشعار اس قصیدہ سے لیے گئے ہین جو کلیات انوری کے مطبوعہ نسخہ مین ہے، لیکن پروفیسر

[1] دیوان انوری ص ۸۹، نولکشور پریس، لاہور، بنزد کمیو اسلامک کلچر حیدر آباد دکن، جولائی سنہ ۱۹۴۲ء

Marfat.com

محمود شیرانی کی تحقیق کے مطابق تاج الدین ریزہ ہے۔ یہ قصیدہ نظام الملک قوام الدین جنیدی کی شان مین کہا گیا ہے۔ پروفیسر محمود شیرانی نے مذکورۂ بالا اشعار مین "این ممالک" سے مراد دہلی لیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہین کہ اس قصیدہ کے بعض اشعار سے پایا جاتا ہے کہ شاعر اپنا گھر بار چھوڑ کر ان ممالک (مراد دہلی) مین ایک مدت سے پڑا ہے۔ مگر ابھی تک اس کو کامیابی نصیب نہین ہوئی ہو لیکن مذکورۂ بالا تذکرہ نویسون کے بیان کو ہم صحیح سمجھ کر تاج الدین کو دہلوی ہی تسلیم کر لین تو پھر یہی کہا جا سکتا ہے کہ اوپر کے اشعار مین تاج الدین ریزہ نے جو کچھ کہا ہو وہ اسکا محض ایک پیرایہ بیان ہے، یا نہین تو پھر ہم یہ گمان کرین کہ یہ قصیدہ تاج الدین ریزہ نے اس زمانہ مین کہا جب نظام الملک دہلی سے کہین باہر رہا ہو، اسلامک کلچر (جولائی ۱۹۲۸ء) کے مضمون نگار نے بھی تاج الدین ریزہ کے ایک قصیدہ کے حسب ذیل اشعار کی بنا پر لکھا ہے کہ وہ دہلی کے لیے اجنبی تھا۔

عندلیب آسا سرائے خسروانی می زنم ۔۔۔ خاصہ کاکنون روئے سخن سوئے بوستان آوردہ ام

پیل بالا ازرفتانہ بر پے اسپم فلک ۔۔۔ رخ چو سوئے حضرت شاہ جہان آوردہ ام

یہ اشعار اس قصیدہ سے لیے گئے ہین جو سلطان رکن الدین کے لیے کہا گیا تھا۔ فاضل مضمون نگار کا یہ بھی خیال ہے کہ تاج الدین ریزہ کا تعلق لاہور اور ملتان سے بھی نہین تھا جو اس زمانہ مین اہل علم کے مرکز تھے، تو پھر آخر وہ کہان کا باشندہ تھا جب یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ وہ ہندوستان ہی مین پیدا ہوا تو پھر اس کو کہین نہ کہین کا باشندہ ماننا ہی پڑے گا۔ ڈاکٹر اقبال حسین اپنی کتاب "ہندوستان کے قدیم فارسی شعراء" مین تحریر کرتے ہین کہ تاج الدین ریزہ کے متعلق تمام تذکرہ نویس لکھتے ہین کہ وہ دہلی مین پیدا ہوا اور یہین تربیت پائی، جو اس زمانہ مین لاہور کے بجائے علم کا خاص مرکز بن گیا تھا۔ پروفیسر محمود شیرانی مرحوم نے ڈاکٹر اقبال حسین کی اس کتاب پر جب اورینٹل کالج میگزین (مئی ۱۹۳۸ء) مین ایک طویل ریویو لکھا تو ڈاکٹر صاحب کے اس بیان پر کسی قسم کی تنقید نہین کی۔

Marfat.com

لیکن انھوں نے جب پروفیسر عبدالغنی کی کتاب "پری موغل پرشین ان ہندوستان" پر تبصرہ کیا تو تاج الدین کو دہلوی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا (رسالہ اردو جنوری ۱۹۴۲ء) مگر جب پروفیسر محمود شیرانی مرحوم اور ان کے ہمنوا اسلامک کلچر کے مضمون نگار درزون کا یہ خیال ہو کہ تاج الدین ریزہ کا خاندان شاہی دربار سے وابستہ رہا[۱] جیسا کہ اس نے شہزادی رضیہ کے ایک قصیدہ میں کہا ہے۔

بود پدرم مجلس تو — یار سرہ و حریف محرم

تو پھر ہم کو عرفات العاشقین اور گل رعنا کی سند پر تاج الدین کو دہلوی ماننے میں لیطہر کوئی قباحت نہیں معلوم ہوتی۔

تاج الدین ریزہ سن شعور کو پہنچا تو سلطان شمس الدین التمش کے دامن دولت میں پناہ گزین ہوا، اور اپنی خداداد ذہانت اور شاعرانہ کمال کی بنا پر سلطان کی نظروں میں محبوب بنا رہا، تاج الدین ریزہ نے بھی اپنی ممنونیت کا اظہار سلطان کی شان میں قصائد لکھ کر کیا ہے۔ ۶۲۶ھ میں سلطان التمش کو خلیفہ ابو جعفر منصور المستنصر نے اس کی حکومت کے استقلال و خود مختاری کو تسلیم کر کے خلعت بھیجا تو سلطان نے نہایت ادب و احترام کے ساتھ خلعت لانے والے سفیر کا خیر مقدم کیا، تمام دار السلطنت کو آراستہ کیا گیا، شہر میں قبے بنائے گئے۔ شادیانے بجائے گئے۔ امرا کو خلعت دیے گئے، اور جب سلطان نے خلیفہ بغداد کا بھیجا ہوا خلعت پہنا تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔

تاج الدین ریزہ نے اس طرب و شادمانی کے موقع پر حسب ذیل قصیدہ تہنیت لکھ کر پیش کیا:

مژدہ عالم را زعالم آفرین آوردہ اند — زانکہ شہ را از خلیفہ آفرین آوردہ اند

ناصر الاسلام مستنصر[۲] کہ طوق طاعتش — ز آسمان در گردن اہل زمین آوردہ اند

جبہ افلاک را گرچہ سراسر دامنست — ز آستین پوشش طراز آستین آوردہ اند

---

[۱] دیکھو اورینٹل کالج میگزین مئی ۱۹۲۳ء اور اسلامک کلچر جولائی ۱۹۲۷ء جلد ۱ اور کن[؟] [۲] مورخوں نے خلیفہ بغداد کا نام نہیں لکھا لیکن ابو جعفر منصور المستنصر باللہ کا نام اسی قصیدہ سے واضح ہوتا ہے۔

Marfat.com

شادی عامست در شہر انکہ بہر شہریار
خلعت خاصِ امیر المومنین آوردہ اند

خلعتے یارب چگونہ چون عروس آراستہ
راست بر بالاے شاہ زآستین آوردہ اند

مرکبے کاندر روانی آب را ماند روان
تا مگر باد صبا را زیر زین آوردہ اند

قصہ کوتہ زبراقست آنکہ بالش را شکال
از سر زلف دراز حور عین آوردہ اند

مرکبے زین سان مبارک خلعتے میمون چنین[1]
از برائے ظلِ یزدان شمس دین آوردہ اند

شاہ شمس الدین والدنیا آنکہ روز رزم و بزم
آفرین بروے ز عالم آفرین آوردہ اند

حامی آفاق ایلتتمش کہ عزم و حزم او
گرد بر گرد جہان حصن حصین آوردہ اند

تاج بخشِ خسروان صاحبقرانِ عہد آنکہ
بخت را با تخت میمونش قرین آوردہ اند

چتر لعلش را ز بحر اخضر گردون نثار
از کواکب بیکران درثمین آوردہ اند

ہم چو رائے پیر او نزدیک اربابِ خرد
دیدۂ بخت جوانش دوربین آوردہ اند

طینت پاکش ز آب خضر ہمچون کردہ اند
خاک رزم از خون خصمانش عجین آوردہ اند

دست در پیشانی شیران چو لرزد در وغا
سروران زین رو بپایش جبین آوردہ اند

پیش درگاہش کمر فغفور و قیصر بستہ اند
بہر دربانش زر از جان نگین آوردہ اند

با یمینش بحر کے یارد زدن لاف از یسار
چون یسار اہل عالم زان یمین آوردہ اند

نفع و ضر بدسگال و نیک خواہش را بہم
در سر زنبور زہر و انگبین آوردہ اند

بیضۂ ملک ترا از امن پنداری مگر
جاے زیر شہپر روح الامین آوردہ اند

راستی برائے بدخواہت چو صاحب خاتمی
در کژی مانند نقش از نگین آوردہ اند

[1] اس قصیدے سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ خلعت کے ساتھ ایک گھوڑا بھی تھا۔ طبقات ناصری میں گھوڑے کا ذکر نہیں، البتہ اس میں یہ ہے کہ خلیفہ نے اس موقع پر سلطان کے علاوہ شہزادوں، امرا، خدام اور غلاموں کے لیے بھی خلعت بھیجے۔ (ص ۱۷۴)

Marfat.com

یا چو مرغ زیرک آوبیزه و بد اندیشت خلق | موے را بر گردنش حبل المتین آوردہ اند
نقرہ خنگ چرخ بازین دستا نوبتے آست | لاجرم داغ ہلالش بر سرین آوردہ اند
با مثال ملک از طغراے او زینت گرفت | نامۂ فتح تو حیثاً بعد چین آوردہ اند
تیر تو مرغیست کز سہمش عقاب فتنہ را | راست چون زاغ کمان گوشہ نشین آوردہ اند
صحن درگاہت بہ نزہت گلستانے شد کزو | خار خارے در دل خلد برین آوردہ اند
شہر را[1] از شش جہت در روز یو ر بستہ اند | قبہا سر بر سپہر ہفتمین آوردہ اند
چرخ را با آنکہ دارد قرص زرین در کنار | در میان خوان جشنت ریزہ چین آوردہ اند
الطرب کز جنگ غم دریدہ تقدیر حق | خصم را زہ زہ نواہاے حزین آوردہ اند
بر سماع خسروانی جام مے مینوش از انکہ | نیست مے کز کوثرت ماء معین آوردہ اند
وز بقاے جسم بے مثلت کہ در نہاد دنست | روح تو در جسم خلق عالمین آوردہ اند
نازنیکی و بدی در عالم کون و فساد | در دل احباب و اعدا مہر و کین آوردہ اند
خستہ ساز د خصم سوز و از دہ و کشورستان | زانکہ آئین جہانداری چنین آوردہ اند[2]

یہ طویل قصیدہ ہم نے اس لیے بھی نقل کیا ہے کہ تاج الدین ریزہ کی زبان دانی و شاعری کا اندازہ ہو، مذکورہ بالا قصیدہ کی زبان میں سلاست و شگفتگی، طرز ادا میں روانی و برجستگی ہے کہیں آورد کا پتہ نہیں، غیر ضروری تکلفات سے معانی و مطالب کو پیچیدہ نہیں بنایا گیا ہے، عرفات العاشقین میں اسکے جو حسب ذیل اشعار منقول ہیں ان سے بھی اسکے اسی قسم کے محاسن کا اندازہ ہوتا ہے۔

---

[1] شہر کے آراستہ و پیراستہ کرنے کا ذکر تاج المآثر، طبقات ناصری، طبقات اکبری اور منتخب التواریخ میں بھی ہے۔

[2] یہ قصیدہ کلیات انوری مطبوعہ منشی نولکشور پریس لکھنؤ کے ص ۱۸۰ پر سے نقل کیا گیا ہے جو غلطی سے انوری کیطرف منسوب ہو گیا ہے یہ قصیدہ خلاصۃ الاشعار و زبدۃ الافکار از تقی الدین محمد الحسینی الکاشانی میں بھی ملے گا جو تاج الدین ریزہ ہی کی طرف منسوب ہے

چو زلف تست آن بہ بین بروئے جانان	کز و گردد پریشانی پریشان
بمہر و ماہ می خواہد کند جنگ	رخش پوشیدہ است از زلف خفتان
خوشا رنجا خوشا درد اخوشا عشق	کسے کو را نسب شد نیست انسان
چو شمشیرش بخندد خصم گرید	بلے از برق بید اگشت باران
کند مہرش نبات النعش را جمع	کند قہرش ثریا را پریشان
ہر آنکو بر خلافش دم برآرد	نفس گردد بمغز اندرش پیکان
بود بے مدح تو تیغ معانی	چو محراق فقیران کند دندان[1]

تاج الدین کی شاعری کے ان ہی دو چار نمونوں کو سامنے رکھ کر بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ اس کا کلام بہت سادہ اور سلیس ہوتا تھا۔ ڈاکٹر اقبال حسین بھی لکھتے ہین کہ اسکی زبان کی پاکیزگی و سلاست اور موسیقیت کے غیر معمولی امتزاج کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت تک ہندوستان مین تکلفات اور تصنعات کا رواج نہین ہونے پایا تھا لیکن آگے چلکر ہم اس کے جو مختلف قصائد پیش کرین گے، ان کو دیکھ کر اس رائے کو تسلیم کرنے مین کچھ تامل ہے۔[2]

تاج الدین ریزہ التمش کی بزم مین ساتھ رہنے کے علاوہ اس کی معیت مین میدان رزم مین بھی رہتا تھا۔ ۶۲۹ھ مین التمش گوالیار کی مہم پر گیا تو اس کے جلو مین تاج الدین ریزہ بھی تھا۔ اور جب گوالیار کا قلعہ ایک سال کے محاصرہ کے بعد فتح ہوا تو تاج الدین ریزہ نے حسب ذیل رباعی کہی جس کو سلطان التمش نے بہت پسند کیا، اور قلعہ کے پھاٹک پر اس کو کندہ کرادیا۔

ہر قلعہ کہ سلطان سلاطین بگرفت	از عون خدا و نصرت دین بگرفت

---

[1] عرفات العاشقین، قلمی نسخہ، خدابخش خان لائبریری، ورق ۱۶۰، و Early Persian

Poets of India از ڈاکٹر اقبال حسین ص ۱۵۰، ۱۵۱

آن قلعہ کالیور روان حصن حصین		در ستماۃ سنۂ ثلثین بگرفت

یہ رباعی طبقات اکبری جلد اول (ص ۶۱۔۶۰) مین اس بیان کے ساتھ نقل کی گئی ہے۔

"و ملک تاج الدین ریزہ کہ دبیر مملکت بود. در فتح قلعہ این رباعی گفت و بر سنگ دروازہ قلعہ کندہ اند"

یہی عبارت تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ منتخب التواریخ مین اس طرح درج ہے

"و در سنہ تسع وعشرین وستمایہ (۶۲۹) قلعہ گوالیار بکشاد و ملک تاج الدین دبیر مملکت در فتح آن قلعہ این رباعی گفتہ و بر سنگ نقش کردہ اند" (جلد اول ص ۶۷)

طبقات اکبری کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ تاج الدین ریزہ دبیر مملکت بھی تھا، لیکن منتخب التواریخ مین تاج الدین کے ساتھ ریزہ نہین ہے۔ ڈاکٹر اقبال حسین مولف "ہندوستان کے قدیم فارسی شعرا" اور اورنٹیل کالج میگزین کے ایک مقالہ نگار نے ان مورخون کے حوالہ سے لکھا ہے کہ تاج الدین ریزہ التمش کے عہد مین دبیر مملکت تھا لیکن اسلامک کلچر حیدرآباد دکن (جولائی ۱۹۳۸ء) کے ایک فاضل مقالہ نگار نے یہ بتایا ہے کہ تاج الدین ریزہ اور تاج الدین دبیر مملکت دو علحدہ علحدہ شخصیتین ہین۔ تاج الدین محض ایک شاعر تھا، جو ہاتھی کے پاؤن سے کچلوا کر مروا دیا گیا، اور تاج الدین دبیر مملکت ۶۳۲ھ مین التمش کی ایک فوجی مہم مین مارا گیا۔ اب مذکورہ بالا رباعی تاج الدین دبیر مملکت کی ہے تو تاج الدین ریزہ کی نہین ہو سکتی، اور اگر تاج الدین ریزہ کی ہے تو اس کو دبیر مملکت لکھنا صحیح نہین، لیکن اس عاجز راقم کا خیال ہے کہ یہ رباعی تاج الدین ریزہ ہی کی ہے، جو التمش کے عہد مین دبیر مملکت تو نہیں تھا، لیکن سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے عہد مین اس کا دبیر تھا۔ طبقات اکبری (جلد اول ص ۶۲) میں سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے ذکر مین ہے،

Marfat.com

"از جملہ ملک تاج الدین ریزہ کہ دبیر سلطان بود، قصیدہ طویل گذرانید بانعام وصلہ معزز شد۔"

طبقاتِ اکبری کے مؤلف نے تاج الدین کو التتمش کے عہد میں دبیر مملکت کی حیثیت سے پیش کیا ہے، اور سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے دور میں اس کو سلطان کا دبیر کہا ہے۔ طبقاتِ اکبری کے اسی خلط ملط بیان کی وجہ سے ساری غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے۔ یہ تو ضرور ہے کہ تاج الدین ریزہ سلطان رکن الدین فیروز شاہ کا دبیر رہا ہے، جیسا کہ آگے ذکر آئے گا۔

تاج الدین ریزہ کے قصائد سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی رسائی شہزادوں اور امرا کی بارگاہوں میں بھی تھی، اور وہ اس کی سخندانی اور سخن سنجی سے محظوظ ہونے کے لیے اپنے دربار میں بھی طلب کیا کرتے تھے۔ التتمش کے لڑکے غیاث الدین کی شان میں اس نے دو قصیدے[1] پیش کیے، پہلا قصیدہ ملاحظہ ہو۔

ساقی بیا کہ مے لعل روشن ست — میدان خاک تیرہ کنوں سبز گلشن ست
از تیغ آفتاب ہمہ جوشن غدیر — شد رخنہ چوں تراہوس تیغ و جوشن ست
ہر جز در خیال من از گل بہ بوستان — گوئی کہ کارگاہ حریر ملون ست

اس بہاریہ تشبیب کے اگلے اشعار میں رعایت لفظی کا بڑا خیال رکھا گیا ہے۔ مثلاً "سوری" کے معنی خوشی کے بھی ہیں، اور ایک پھول کا نام بھی ہے، خانۂ تن کے ساتھ "جائے تن تن" (یعنی تن تن کی جگہ) لایا گیا ہے، "قدیم" کے ساتھ "حدیث" اور سیر (بمعنی آسودہ) کے ساتھ یکساں دکمین

---

[1] یہ قصیدے کلیات انوری مطبوعہ نولکشور پریس میں ہیں۔ پروفیسر محمود شیرانی نے اپنی دقت نظر سے کام لے کر تنقید شعر العجم میں بتایا ہے کہ کلیات انوری میں تاج الدین ریزہ کے قصائد بھی خلط ملط ہو گئے ہیں، اور اس کلیات میں سے تاج الدین ریزہ کے دس قصیدوں کو ممیز کیا ہے (دیکھو تنقید شعر العجم ص ۲۹۰ - ۲۹۱ شائع کردہ انجمن ترقی اردو دہلی) ہم نے اس حقیر تالیف میں تاج الدین ریزہ کے قصائد اسی کلیات انوری سے نقل کیے ہیں۔

Marfat.com

(ہندوستانی وزن) بھی استعمال ہوا ہے، مطرا اور طرہ کی تجنیس لفظی بھی قابل غور ہے،

سوری گرفت باغ زدور فلک ولیک — قمری نگر کہ شیوۂ او باز شیون ست

شاخ درخت خود مطرا شد از صبا — زان بادہ کہ طرۂ گریوی چندن ست

در خانۂ تن ہزن کردستان عندلیب — در ہر بدشت دباغچہ صدجاتن تن ست

خیر از مے قدیم مرا سیر کن بر طل — بگذر ازین حدیث کہ یک سیر و یک من ست

آخری شعر میں "یک سیر و یک من" ہندی الفاظ ہیں، پروفیسر محمود شیرانی مرحوم کا خیال ہے کہ ان الفاظ سے انوری کا واقف ہونا مشکل ہے، اسی لیے وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ قصیدہ گو کلیات انوری کے نولکشور پریس اڈیشن میں شامل کردیا گیا ہے، لیکن یہ انوری کے بجائے کسی ہندی نژاد شاعر یعنی تاج الدین ریزہ کا ہو آگے کے اشعار میں گریز ہے، پھر مدح شروع ہوتی ہے، قصیدہ کے اشعار یہ ہیں

رود دستگانی اعلی رغم دشمنان — کان دوست را کہ مے نخورد عقل دشمن ست

جانت بادہ در تن جامش رہا مکن — در جان من فرست کہ در خورد این تن ست

ہمچو گذشت بہارست گلفشان — بر خسروے کہ خاک درش تاج بہمن ست

چون گل بساز برگ چمن باز بہر آنکہ — بلبل بیاد مجلس عالی نوازن ست

عادل غیاث دین کہ بیک تن گروغا — از بہر قصد جان عدو تہمتن ست

فرمان دہ زمانہ محمد شہ آنکہ ملک — از رائے او چو روئے عروسان مزین ست

ہر شی سخن شہی کہ ز زبان جاہ او — ہر خوان خاص و عام کنون سلوی و من ست

مذکورۂ بالا اشعار سے اندازہ ہوگا کہ شاعر کے ممدوح کا نام غیاث الدین محمد شاہ ہے۔

کلیات انوری کے مطبوعہ نسخہ میں اس قصیدہ کو دیکھ کر پروفیسر محمود شیرانی نے لکھا ہے کہ

Marfat.com

"انوری کے عہد میں دو غیاث الدین گذرے ہیں، پہلا غیاث الدین محمد سلجوقی المتوفی ۵۵۴ھ، دوسرا غیاث الدین محمد غوری برادر معظم شہاب الدین غوری لیکن میں ان دونوں سے اعراض کرکے التتمش کے فرزند غیاث الدین کے نام یہ قصیدہ مانتا ہوں" یہ رائے تسلیم کرلی جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تاج الدین ریزہ نے یہ قصیدہ غیاث الدین محمد شاہ[1] کی شان میں اس وقت کہا جب کہ وہ اودھ کا حاکم تھا[2]۔ اس لیے کہ قصیدہ میں ممدوح محض ایک شہزادہ کی حیثیت سے ظاہر نہیں ہوتا، بلکہ وہ کہیں کا فرمانروا معلوم ہوتا ہے جس کی عدل پروری اور تیغ آزمائی کی تعریف کی گئی ہے۔

افراسیابِ عہد کہ این عالمِ فراخ | بر دشمنانش تنگ تر از چاہ بیژن است
عدلش گواہ ملکت و محبش | با آن گواہ عدل جہان را مبرہن است
از حزمِ شہ بگلبن مشکین لگر از انکہ | با سیم و زر میان بیابانش مسکن است
در جائے ساخت در دلِ بدخواہ تیغ او | نشگفت از آنکہ جائے گہر سنگ و آہن است
اے کردہ مومنان بجنابِ تو التجا | کان جانب از حوادث ایام ایمن است
شہباز دولتے و سلاطین کبوترت | وز طوق طاعتت ہمہ را زیب گردن است
تا طعمۂ عقاب عنایت بود برزم | پرور دو دشمن تو چو مرغ مسمن است
شمشیرِ تو زخون عدو در اندرون نیل | لیک آب نیل نیست کہ و آب رادن است
زیر زمین ز بیم چو قارون فرو رود | گر در نبرد خصم تو بازو رتارن است
ہرکس کہ سرکشید چو مد از امر حزم تو | برسر زدہ ہمہ چو حروف منون است
در چاک جیب صبح چو بینی لون او | کز خون حاسدت فلک آلودہ دامن است

---

[1] طبقات ناصری (ص ۱۸۳) میں غیاث الدین محمد شاہ کو رکن الدین فیروز شاہ سے چھوٹا بتایا گیا ہے، مورخانہ رکنت دہلی پر بیٹھا جیسا کہ آگے ذکر آئیگا۔ جانشینی کی جنگ میں غیاث الدین محمد شاہ اپنے بھائی رکن الدین کے خلاف صف آرا بھی ہوا لیکن فتح رکن الدین ہی کی ہوئی

از اعتماد عدل تو در راہ کہکشان — بازے بہ بین ماہ کہ او را چہ خرمن ست

ایوان تو چو منزل کیوانست بنگر این — شعرے کہ بر صحیفۂ شعری مدون ست

ہر ذرہ بہر گفت و شنود ثنائے تو — دہ گوش و دہ زبان چو بنفشہ ست سوسن ست

سوسن سخن نگفت گر از رشک من چہ شد — من بندۂ توام نہ ہر آزادہ چون من ست

ہر فن کہ بندہ را تو در ان امتحان کنی — پنداری از کمال مگر ہم درین فن ست

گر از دعا بسوے دعایت روم رواست — کان مرز آزمودۂ ہر مرد و ہر زن ست

پایندہ باد سایۂ تو بر جہانیان — کز آفتاب رائے تو آفاق روشن ست

اگر یہ قصیدہ واقعی ریزہ کا ہے تو اس کا رنگ اس قصیدہ سے کچھ جدا ہے جو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں اس میں لفظی صفت گری، تلمیحات، مضمون آفرینی، ترکیب، بندش اور طرز ادا میں انوری کی پوری جھلک ہے، اتفاق سے انوری کا بھی ایک قصیدہ اسی قافیہ اور ردیف میں ہے، جس کی تشبیب ملاحظہ ہو۔

اے ترک بلے بیار کہ عیداست و بہمن ست — ہنگام بادہ خوردن و شادی بر زن ست

ایام خز و خرگہ گرم ست، ازین سبب — خرگاہ آسمان ہمہ در خز ادکن ست

خالی مدار خرمن آتش ز دود عود — تا در چمن ز بیضۂ کافور خرمن ست

آن عہد نیست این کہ ز الوان گل چمن — گوئی کہ کارگاہ حریر ملون ست

سلطان دے بہ لشکر صرصر جہان بکند — بینی کہ جور صرصرے چون جہان کن ست

در خفیہ گر بہ عزم خروج ست باغ را — چون آب گیر ہمہ پر تیغ و جوشن ست

نفس بنانی آذر بہ غریب خانہ باشد — ہیبش مکن کہ مادر بستان سترون ست

باد صبا کہ حمل نبات نب بود — مردم گیاہ شد کہ نہ مرد ست و نہ زن ست

Marfat.com

از جوش نشو، دیگ نماتا فرو نشست | از دود تیرہ بر سر گیتی تہبن؟ ست[1]

انوری اور ریزہ کے مذکورۂ بالا قصائد ایک دوسرے سے کس قدر مشابہ ہیں۔ ان دونوں کے ایک شعر کا دوسرا مصرع تو بالکل یکسان ہی ہے۔

انوری	ریزہ
آن عہد نیست این کہ زالوان گل چمن	ہر جزو در خیال من از گل بہ بوستان
گوئی کہ کارگاہِ حریر ملوّن ست	گوئی کہ کارگاہ حریر ملون ست

اب ریزہ کے اس شعر کے دوسرے مصرع کو یا تو توارد یا سرقہ کہا جاسکتا ہے یا یہ کہ کاتب نے غلطی سے دونوں کے مصرعوں کو خلط ملط کردیا ہے۔ اگر واقعی خلط ملط ہوگیا ہے تو ریزہ تعریف کا مستحق ہے کہ اس نے انوری کے طرز کا خوب چربہ اتارا ہے۔ ممکن ہے کہ اور شعراء کی طرح اس نے بھی انوری کے رنگ مین قصیدہ کہہ کر اپنی طباعی اور زبان آوری کا ثبوت دینے کی کوشش کی ہو۔

تاج الدین ریزہ کا ایک اور قصیدہ بھی غیاث الدین محمد کی شان مین ہے۔ اس مین وہ تکلف اور دقت آفرینی نہین جو مذکورۂ بالا قصیدہ میں ہے۔ یہ قصیدہ بھی ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہین۔ ان طویل قصیدوں کو نقل کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ تاج الدین ریزہ کا گم شدہ اور منتشر کلام اکٹھا ہو جائے۔ گو ان قصیدون سے مفید تاریخی معلومات حاصل نہیں ہوتے۔ عام قصیدہ نگارون کی طرح تاج الدین ریزہ کے قصائد مین بھی محض غلو اور لفاظی ہے لیکن یہ مبالغہ آمیز مداحی کسی خوشامد یا تملق کی دلیل نہ تھی۔ اس زمانہ مین عام طور سے شعراء کے سامنے

---

[1] یہ اشعار تنقید شعر العجم (ص ۳۰۔ ۲۷۲) سے نقل کیے گیے ہین۔ میرے پیش نظر قصائد انوری کا ایک قلمی نسخہ بھی ہے۔ لیکن یہ قصیدہ اس مین نہین ہے۔

Marfat.com

قصیدہ سی کا میدان تھا، اور اسی سرزمین مین وہ اپنے جوش طبیعت کی جولانیان دکھاتے تھے، اور ان جولانیون کے دکھانے مین آسمان و زمین کے قلابے ملایا کرتے تھے۔ اس سے مراد ممدوح کی چاپلوسی نہین ہوتی تھی، بلکہ اس زمانہ کے مذاق کے مطابق زور طبع اور شاعرانہ کمال کا اظہار ہوتا تھا جس سے شاعر کی عزت و توقیر بڑھتی تھی۔ تاج الدین ریزہ اپنے ممدوح سلطان رکن الدین کو مخاطب کر کے کہتا ہے۔

روے بر خاک درت کان کحل چشم اختر ست — بہر آب روے خود از بہر نان اوردہ ام

چشم آن دارم کہ یابم آبروے از دولتت — چو بیان خلق جودت را ضمان اوردہ ام

اس لیے قصیدہ نگارون کی مبالغہ آرائی کوئی عیب نہین، بلکہ ان کے لیے مایہ ناز ہے۔ بعض شعرا خصوصاً متاخرین نے تو مبالغہ کو اس قدر ترقی دی کہ اس سے زیادہ وہم و خیال مین بھی نہین آ سکتا، اور یہ مستقل ایک فن بن گیا، چنانچہ ایسے لوگون کی بھی مدح کی جاتی جو اس کے مطلق مستحق نہ ہوتے لیکن ان کے اوصاف بھی بیان کرنے مین قصیدہ نگار اپنا پورا زور صرف کر دیتے۔ مادح اور ممدوح دونون سمجھتے تھے کہ مدح مین جو خیالات ادا کیے جاتے ہین، ان کا تعلق حقیقت سے نہین بلکہ محض تفریح اور فن شاعری سے ہے، تاج الدین ریزہ کی مداحی کو بھی اسی نقطہ نظر سے دیکھنا چاہیے، گو اس کے قصیدے مین وہ غلو نہین جو بعد کے شعرا مین پیدا ہوا۔ ہان تو وہ قصیدہ ملاحظہ ہو، اس کی تشبیب مین تو ایک غزل ہی کہہ دی گئی ہے جس مین صنائع و بدائع کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے۔ مثلاً "مرغزار" اور "مرغ زار" مین تجنیس تام ہے "خسروانی" "بلبل" اور "شیرین لقا"، تلمیح [illegible] لائے گئے ہین، "عارض" اور "عارضی"، "قمر" "معاصر" اور [illegible] "زندہ حیات" اور "زندہ کن"، "جہان کہنہ" اور "نو بہار گل"

[illegible] کی صحت نمایان ہے۔

افزود باز رونق ہر مرغزار گل ۔۔۔ چون زیر یافت نالہ ہر مرغزار گل

دوراه خسروانی بلبل بزن ازانکہ ۔۔۔ شیرین لقا نمود زہر مرغزار گل

چون گشت از نسیم سحرگہ عبیر بار ۔۔۔ ہیچ از گلاب گر نگرفت اعتبار گل

تا باد سیم برکت آرد بر دن کشید ۔۔۔ از غنچہ دست بر زر خالص عیار گل

چون عرض کرد عارض اکافور دام خویش ۔۔۔ افگندہ چین برابر دست مشک تتار گل

تا شد قمر مقابل گل بر بساط لعبت ۔۔۔ دست ندید مرد زکوه و قمار گل

در موسمی کہ مست طرب شد جہان چنانکہ ۔۔۔ جز خرم شد ندید دگر ہوشیار گل

لہ عرفات العاشقین کے مؤلف تقی اوحدی اور صاحب مجمع الفصحا رضا قلی خان نے اس قصیدہ کو تاج الدین ریزہ کی طرف منسوب کیا ہے لیکن ڈاکٹر اقبال حسین اپنے مقالہ Early Persian Poets of India میں لکھتے ہیں تقی اوحدی اور رضا قلی خان نے غلطی سے انوری کے بعض قصائد کو تاج الدین ہی کی طرف منسوب کر دیا ہے، دونوں اپنے تذکرہ میں ایک قصیدہ نقل کرتے ہیں جس کو تاج الدین کا قصیدہ بتاتے ہیں، اس کا مطلع یہ ہے۔

افزود باز رونق ہر مرغزار گل ۔۔۔ چون زیر یافت نالہ ہر مرغزار گل

یہ قصیدہ انوری کا ہے جو اس کے دیوان میں موجود ہے (دیوان انوری ص ۲۲۳-۲۲۴) اس غلطی سے تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ تاج الدین اور انوری کے اشعار اتنے ہم وزن ہیں۔ انداز بیان اور طرز ادا میں انوری سے اس قدر مشابہ ہیں کہ تقی اوحدی اور رضا قلی خان جیسے صاحب نظر تذکرہ نویسوں کو بھی ایک دوسرے کے اشعار کو ممیز کرنے میں دھوکا ہو گیا، یہ تاج الدین کے شاعرانہ محاسن کی دلیل ہے۔ ان سطور کو قلمبند کرتے وقت ڈاکٹر اقبال حسین کی نظر محمود شیرانی مرحوم کے اس مضمون پر نہیں پڑی جو انھوں نے اپریل ۱۹۲۴ء کے رسالہ اردو میں لکھا تھا۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ کلیات انوری میں آٹھ دس قصیدے تاج الدین ریزہ کے ہیں، محمود شیرانی مرحوم نے ڈاکٹر اقبال حسین کی کتاب پر ریویو لکھتے ہوئے بھی ان کی اس غلطی کی طرف توجہ دلائی ہے (اورینٹل کالج میگزین، مئی ۱۹۳۸ء ص ۶۹-۷۰)

Marfat.com

براعتماد دولت بیدار شہریار | باسیم و زر بجفت بدست آشکار گل
نوبادۂ حیات شمر بادۂ کہن | کافشاند بر جہان کہن نوبہار گل
پژمردہ چو بنفشہ چہ باشی بنوش مے | کامسال تازہ کرد بن راجوبار گل
آن لالہ گون مے کہ چیابانش چو بشگفد | بشگفت اگر بجان طلبد زینہار گل
زان مے دماغ خشک مرامایہ دہ نخست | پس بر سماع این غزل تربیار گل

اس غزل کے بعد بھی ایک مختصر سی تشبیب ہے جس کے بعد مدح شروع ہوتی ہے لیکن اس مدح مین کوئی خاص بات نہین، نہ اور قصیدون کی طرح سلاست ہے، نہ صفائی، نہ حسن بندش اور نہ قوت تخیل کی دلفریبی، البتہ گریز مین کچھ دلآویزی ضرور ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کا سارا زور تشبیب کی غزل ہی مین صرف ہو کر رہ گیا ہے۔

کاے ناشگفتہ چون تو درین روزگار گل | مانند من زعشق تو در خار خار گل
از استماع شرح مقامات حسن تو | قانون عمر خویش کند اختصار گل
تا آفتاب تافتہ مانند زغم چو من | زین بیش زیر سایۂ سنبل مدار گل
از رخ نقاب شعر بر انداز تا ز رشک | پیراہن حریر کند تار تار گل
در گردن تو تا نشود چون گل زمن | بشنو سخن منہ ز پس گوشوار گل
تا نیلگون چو وسمہ شود گل زغرتت | بردست و پاے خود زحنا زنگار گل
بر چشم من گذارند م از زر و کرم | زیرا کہ در خوراست درین جوبار گل
نوروز سے دگر چہ نداری براے شاہ | باری چو من ز گلشن خاطر بیار گل
زیرا کہ از شگوفہ پر دین ملائکہ | آرند پیش تخت شہ نامدار گل
عادل غیاث دین کہ حقیقت ز خلق او ست | نزدیک زیرکان جہان مستعار گل

Marfat.com

جمشید روزگار محمد شه آنکه کرد　　بر ذات او خدای ز دولت نثار گل
شاهی که در حمایت شمشیر تیز او　　از هیچ تند باد نشد خاکسار گل
با غیبت معرکه ز خار سنان او　　در یک نفس شگفت ز نصرت هزار گل
ابری است دست او که ز فیض سخاوتش　　بر داد امید را ز زمین و بهار گل
شاها به پیش رای تو خورشید نوربخش　　بی آب شد چنانکه ز تاثیر نار گل
سازنده نیست خصم ترا مملکت چنانکه　　اهل زکام را نبود سازگار گل
در رزم تو که خون عدو کف کند چو بحر　　کوهی که هست ریخته بر لاله زار گل
از بس بخار خون که رود سوی آسمان　　در چشم آفتاب کند زان بخار گل
پیکان برگ بید تو بر خاک افگند　　از شاخ عمر خصم نیاورده بار گل
دشمن ز حملهٔ تو شود بی قرار از آنکه　　با صرصر خزان نپذیرد قرار گل
پرکار کرد خنجر نیلوفری تو　　افشاند آن زمان ز ظفر کردگار گل
باد از غبار جنگ تو سوی چمن برد　　گیرد مزاج عنبر تر زان غبار گل
عیسی دمم از گلستان مدح تو　　می شد برای تقویت دل بکار گل
در ذوق ناطقه چو شکر بود لفظ من　　از مدحت تو با شکرم گشت بار گل
گر من ردیف شعر خود از گل نکردمی　　هرگز سخن بری نکردی شعار گل
نی نی اگر ز مدح تو عزت نیافتی　　بودی چو خار سوخته همواره خوار گل
بر جادهٔ دعا قدمی می نهم کنون　　شاید که دست باز کند چون خیار گل
بشمار سال خویش در اقبال آن قدر　　کارد زمانه باز بر ایشان شمار گل
گل ریز کن موسم نوروز تا کند　　بر نرگس فلک ز ثبات انتثار گل

Marfat.com

گر جام را دہن لب جوئے بوسہ زن   گرد میان سبزہ کش اندر کنار گل

اگر پروفیسر محمود شیرانی مرحوم کی قیاس آرائی صحیح تسلیم کر لی جائے تو پھر یہ کہا جا سکتا ہے کہ تاج الدین ریزہ نے ایک قصیدہ سلطان شمس الدین التتمش کی لڑکی شہزادی رضیہ کی خدمت میں گذرانا جس کا مطلع یہ تھا،

اے فخر ہمہ نژاد آدم   وی سیدۂ زنان عالم

یہ قصیدہ کلیات انوری مطبوعہ نولکشور پریس میں درج ہے، کلیات انوری میں اس قصیدہ کو دیکھ کر پروفیسر محمود شیرانی نے انوری کے حالات قلمبند کرتے وقت شروع میں یہ لکھا ہے کہ اوحد الدین انوری کا باپ محمد ایک شہزادی کریمۃ النساء رضیۃ الدین کی سرکار میں ایک قابل اعتماد منصب پر سرفراز تھا، سرکار شعرا کی قدردان تھی، انوری اپنے باپ کی وفات کے بعد اسی سرکار میں توسل قائم کرنا چاہتا تھا، اسی لیے مذکورۂ بالا قصیدہ لکھا، لیکن انوری کے حالات وشاعری پر تبصرہ ختم کر کے "کلیات انوری طبع نولکشور" کی ایک علیحدہ سرخی قائم کی ہے، اور اس کے آخر میں یہ لکھا ہے کہ "میں ایک مدت تک اس قصیدہ کو سلطان رضیۃ الدین بنت سلطان شمس الدین التتمش کی مدح میں مانتا رہا، لیکن انوری کے ایک قلمی کلیات میں جس سے گذشتہ بالا الحاقی قصائد ترک کر دیے گئے ہیں، یہ قصیدہ داخل ہے، اس شہادت کی بنا پر میں اپنے نظریے سے دست کش ہو گیا ہوں، اگرچہ مطمئن نہیں ہوں"، دار المصنفین کے کتب خانہ میں بھی قصائد انوری کا ایک قلمی نسخہ ہے، اس میں بھی یہ قصیدہ موجود ہے لیکن قصیدہ کی سرخی "در مدح صفوت الدین مریم گوید" ہے، معلوم نہیں صفوت الدین مریم سے کون خاتون مراد ہے، پروفیسر محمود شیرانی نے اپنی مذکورۂ بالا رائے رسالہ اردو (اپریل ۱۹۲۲ء) میں ظاہر کی تھی، لیکن ان کا شبہ کچھ یقین کے درجہ پر سنہ ۱۹۳۸ء میں پہنچ گیا جب کہ انھوں نے

Marfat.com

ڈاکٹر اقبال حسین کی کتاب Early Persian poets of India پر ریویو کرتے ہوئے اورنٹیل کالج میگزین (مئی ۱۹۳۸ء) میں لکھا کہ تاج الدین ریزہ نے ایک اور قصیدہ غالباً شہزادی رضیہ سلطانہ کی شان میں لکھا ہے جب التمش زندہ ہے۔ اسلامک کلچر (جولائی ۱۹۳۸ء) کے ایک مضمون نگار نے بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ یہ قصیدہ رضیہ بنت سلطان شمس الدین التمش ہی کی شان میں کہا گیا ہے۔ اس منتخبہ قصیدہ کے چند اشعار یہ ہیں:

اے فخر ہمہ نژاد آدم — وی سیدۂ زمان عالم
روح القدس از پے تفاخر — مہر تو نہادہ مہر خاتم
سلطانت کریمۃ النسا خواند — شد ذات شریف تو مکرم
راضی ز تو اے رضیۃ الدین — حق قادر و ذوالجلال اکرم

جن اشعار سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قصیدہ کی مخاطب کسی بادشاہ کی لڑکی ہے، یہ ہیں

اقبال تو برفزونست ہر روز — از دولت خسرو معظم
آں پادشہے کہ خسروان را — از ہیبت او فرو شود دم

اسی قصیدہ کے کچھ اور اشعار سن لیں،

در خدمت طالع تو دارد — سعد فلکی دو دست برہم
بر خستگی نیازمندان — پیوستہ ز لطف تست مرہم
اعدائے ترا ز دو گریبان — طوفیدت التکل مادرغم
ازجو کر سے شود بہ مدحت — ہر لحظہ بہ دمان مقدم
بادات بقائے عز و اقبال — بیش از زر و روزنت بہم
ما در مضمان خجستہ بادت — تا بیش عمر و خسرو

ان ہی قوافی میں ظہیر فاریابی کا بھی ایک قصیدہ ہے جو اس نے ملک نصرۃ الدین کی مدح میں کہا تھا، اس کے بھی دو چار اشعار ملاحظہ ہوں:

اے حکم تو چوں قضائے مبرم — در زیر نگین گرفتہ عالم
تاریخ اساس بادشاہیت — بر فطرت آسمان مقدم
ہر جا کہ زدی بہ عنف زخمے — لطف تو بر نہاد مرہم
عفو سخطت مزاج زنبور — آمیختہ با لعاب ارقم
با گوہر پاکت از خجالت — بر خاک نشستہ آب زمزم

اگر پہلا قصیدہ انوری کا تسلیم کر لیا جائے تو یہ بہت ممکن ہے کہ ظہیر نے انوری کی تقلید میں اپنا قصیدہ کہا ہو، کیونکہ پروفیسر شیرانی کا بھی بیان ہے کہ ظہیر کے قصائد دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ظہیر انوری کا مقلد ہے، اور انوری کے جواب میں اس نے چند قصائد بھی لکھے ہیں، گو ان میں کوئی ترقی نہیں دکھائی ہے[1]، اور اگر پہلا قصیدہ انوری کے بجائے تاج الدین ریزہ ہی کا تصور کر لیا جائے تو پھر بھی کہا جا سکتا ہے کہ ریزہ نے ظہیر فاریابی کی تقلید میں یہ قصیدہ کہہ کر اپنا استادانہ رنگ دکھلانے کی کوشش کی ہے۔ اس نے ایک اور قصیدہ ظہیر کے طرز پر کہا ہے جس کا ذکر آگے آئے گا، اب اگر یہ قصیدہ تاج الدین ریزہ ہی کا ہے تو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس کا باپ رضیہ کی سرکار میں کسی معزز منصب پر مامور تھا۔ کیونکہ وہ کہتا ہے

بودہ پدرم بمجلس تو — یار سرہ و حریف محرم

تاج الدین ریزہ کی شاعری کے نغمے التمش کے وزیر نظام الملک قوام الدین محمد جنیدی کے دربار میں بھی سنے گئے، جو اپنے تدبر، علم و فضل کے علاوہ علم دوستی اور علم پروری کے لیے بھی اس عہد میں امتیازی حیثیت رکھتا تھا پہلے ذکر آچکا ہے کہ اس کا دربار بھی علماء، فضلا اور شعراء سے

[1] تنقید شعر العجم ص ۲۶۰

Marfat.com

سے مزین رہا، شعرا اس کی شان مین بھی قصیدے کہہ کر اس کے جود و کرم سے فیضیاب ہوتے تھے،
معلوم نہین تاج الدین ریزہ نے اس کی تعریف و توصیف مین کتنے قصیدے کہے تھے لیکن ہم کو اس کے
صرف دو تین قصائد ملے ہین جن کو ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہین، ان قصیدون کے متعلق یہ بتانا مشکل ہے کہ
ان مین سے پہلے کون سا قصیدہ کہا گیا، اسی لیے ہم ترتیب زمانی کا خیال کیے بغیر یہان پر ان کا ذکر
کرتے ہین۔ ایک قصیدہ کا مطلع یہ ہے۔

بیدلان را روئے تو آئینۂ جان آمدہ است　　　وز لب و دندان تو لولو و مرجان آمدہ است

یہ ایک طویل قصیدہ ہے جس مین ۵۳ اشعار ہین۔ خاقانی کے بھی دو طویل قصیدے اسی
قافیہ مین ہین، گو ردیف کچھ مختلف ہے لیکن بحر ایک ہی ہے، ایک کا مطلع یہ ہے۔

صبح خیزان بین بصد رکعبہ مہمان آمدہ　　　جان عالم دیدہ و ز رعالم جان آمدہ

گو معنوی حیثیت سے خاقانی اور تاج الدین ریزہ کے قصیدون مین کوئی موازنہ نہین ہو سکتا لیکن
ممکن ہے کہ خاقانی کے ان ہی قصیدون سے متاثر ہو کر تاج الدین ریزہ نے یہ قصیدہ لکھکر اپنے
زور طبع کا اظہار کیا ہو،

تاج الدین ریزہ کا یہ قصیدہ الفاظ کی فصاحت، ترتیب اور تناسب اور ساتھ ہی ساتھ
خیالات و تشبیہات کی لطافت کے لحاظ سے ایک اعلیٰ معیار کا قصیدہ کہا جا سکتا ہے، اس کو اپنے
اس قصیدہ کی خوبیوں، خصوصاً اس کی زبان کا غالباً خود بھی احساس ہے۔ چنانچہ اسی قصیدہ میں کہتا ہے

مولد و منشا ہمیں دہلی ہندوستان مرا　　　نظم و نثرم بین کہ بر آب خراسان آمدہ است

قصیدہ میں رنگینی کے ساتھ موسیقیت بھی ہے، اور گو بعض وسیع خیالات چند
الفاظ ہی مین پیش کیے گئے ہیں۔ لیکن اس سے اثر اور بلند آہنگی مین فرق نہین آنے
پایا ہے۔ اب پورا قصیدہ ملاحظہ ہو۔

Marfat.com

بیدلان را روی تو آیینهٔ جان آمده است وز لب و دندان تو لولو و مرجان آمده است

چون نسیم زلف تو بوید گویند از فرح مژده ای کیهان که ما را مژدهٔ جان آمده است

گرچه خوان حسن روئے تست بهر ملح را زان لب شکرفشان بر سے نمکدان آمده است

از گل رخسار تو اے خار عشقت سینه را خار خار در دل گلهاے بستان آمده است

صوفی سرمست سیارات یعنی مشتری بهر تو چون زهرهٔ مطرب غزل خوان آمده است

زادهٔ خورشید در تابست از رخسار تو تا چه از زلفت بران گلگون بجولان آمده است

روئے تو ماه است و دل از مهر خاک کوئے تو همچو عکس مهر و مه در آب لرزان آمده است

عارض من زمان زمانی یا ز آبی گو نشد تا لب لعل تو چون یاقوت و رمان آمده است

خون دل بر خاک می افشانم از دولاب چشم تا مرا سوداے آن چاه زنخدان آمده است

گرد زلف را زنخدان تو سرگردان چو گوے گرچه گردان حال گوے از زخم چوگان آمده است

کلبهٔ دل ست معمور فلک را طعنه زد تا خیالت اندران ویرانه مهمان آمده است

بے خیالت گنج بود و گر در گنج آنجا مقام زانکه مسکن گنج را در کنج ویران آمده است

... چون تیر تو ... کمان تمثال کرد چون کمان وقت کشادی تیر نالان آمده است

چرخ ... از عشق لعلت ... باده رنگ چون ... آمده است

آصف ثانی نظام الملک دستور جهان کز کمال کامگاری چون سلیمان آمده است

صاحب اعظم قوام الدین محمد کز شرف چون محمد بهر ترکیب ارکان آمده است

... دولت چون انس هم سلامت لازم ... چو سلمان آمده است

اس کے بعد نظام الملک قوام الدین کی عقل و دانش اور تدبیر و سیاست کی تعریف ایک خاص پیرایہ میں کی ہے۔

Marfat.com

قطرهٔ از جام نقلش حصهٔ قطران رسید
لقمهٔ از خوان عقلش قسم لقمان آمده است

فقه دولت اندر الفاظ کلامش مضمر است
گوئی آن الفاظ را اعجاز قرآن آمده است

نظام الملک بڑا صاحب علم بھی تھا، جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ رشید اس کے خط و انشا کی تعریف میں کہتا ہے۔

مرغ کلکش را گذر بر بحر ظلمت می رفته
تا جرم منقار او پر آب حیوان آمده است

تا رقاع مکرمت گشت از خط ثلثش روان
ربع مسکون جهانش زیر فرمان آمده است

اس کے بعد اس کے خلق کی تعریف ایک اچھوتے انداز میں کی ہے۔

تا نسیم عنبر افشانی کز خلق خواجه راست
از غلامانش یکی در باغ ریحان آمده است

پھر اس کی سپہگری اور دشمنوں پر فتح و کامرانی اور بہادری کا ذکر کیا ہے

پیش چشم همت عالیش از روی قیاس
هیئت چرخ مدا یلے چون سپیدال آمده است

از تن دشمن بزخم تیغ گوهر دار را
خاک هیجا غیرت لعل بدخشان آمده است

گرچه رمحش اژدهیجان است لیکن از بیم آن
دشمنش بر خویشتن چون مار پیچان آمده است

ابر نصرت خوان کمانش را که از تاثیر آن
روز و شب بر فرق دشمن تیرباران آمده است

عرصهٔ دل دشمنان را تنگ تا رگیست لیک
تیر او بی راهبر آنجا چه پیکان آمده است

صاحبا آن شه نشانی کز دبیرستان
نام تو بر نامهٔ اقبال عنوان آمده است

گوهر آل جنیدی و ز کرامت بای تو
مالک دنیا رشد هر کو سخندان آمده است

هر که سر بر خاک ایوانت نهد از روی تو
بالش از تخت الثری اوج کیوان آمده است

وانکه سر بر آستانت باز ننهد دولتش
چون سر گیسوی مه رویان بپایان آمده است

تا ترا کند گرد سر پا سنه جو بستن
دو مزاج خلقت افلاک دوران آمده است

چون فشاند دامنِ پرنور بر چرخ آفتاب — گر نہ بار آئی سیرت ہم گریبان آمدہ است

دشمنت از غایت سروے کرد افعال اوست — پوستینہا را فراخور چون زمستان آمدہ است

با تو اے پیمانۂ عمر حسود دت پر شد — باز گویم چرخ را با من چہ پیمان آمدہ است

تا مخالف گشت بخت ساز دارم کار من — راست چون زلف نگارستان پریشان آمدہ است

شکل طالع سعد و عالم نحس مشکل حالتست — تا مگر نہب کواکب جملہ پنہان آمدہ است

سالہا شد بندہ را گر لطف ہر آزادہ — در حریم این ممالک حصہ حرمان آمدہ است

خان و مان بگذاشتہ بر سمت شہرے رفتہ کو — از علو قدر شاہش چون قدر خان آمدہ است

اس کے بعد نظام الملک کے جود و کرم کی مدح و ستائش ہے بعض اشعار سے شاعر کے کچھ ذاتی حالات کا بھی اندازہ ہوتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھائیوں کا ستایا ہوا تھا، اسی لیے نظام الملک کے دامن میں آکر پناہ لینا چاہتا ہے۔ اسی سلسلہ میں اپنی نظم و نثر کی خوبی و فضیلت کا بھی اظہار کرتا ہے، شاید اس لیے کہ اس کے ممدوح کی ہنر پروری کا جذبہ اچھی طرح بیدار ہو، اور آخر میں ممدوح کے لیے دعائیں کر کے قصیدہ ختم کر دیتا ہے۔

خوان جودش زیر چرخ کاسہ شکل آراستست — این ثنا خوان بے نصیب از جور اخوان آمدہ است

یوسف احسان چو در چاہ جفا محبوس شد — بندہ چون یعقوب سوے بیتِ احزان آمدہ است

کشتی نوحست درگاہت چہ باک آید مرا — گر ز بیدادی بر اہل فضل طوفان آمدہ است

قسم دونان است گر یکجا دونان بینی بچشم — گوش دار این نکتہ کز دانائے یونان آمدہ است

کاین گردان روئے گردون نبودے حاسم — نے ستم زین از زین گردون گردان آمدہ است

از کمال خود مرا دحاسدم را درزن کن — تا بمیزان ہنر سوئے کہ نقصان آمدہ است

مولد و منشا مین در خاک ہندوستان مرا — نظم و نثرم بین کہ بر آب خراسان آمدہ است

Marfat.com

تا چو نعل نقرہ خنگ سپہرم زرین ہلال — ہر شبی بر صحن این فیروزہ میدان آمدہ است

ماہ ایوان تو تابان باد از اوج ظفر — کز فروغش نور بر خورشید تابان آمدہ است

باد چون لالہ ز خون خصم تیغت سرخ رو — کز تو سر سبزی اہل شرع سلطان آمدہ است

عمر نوحت باد و شغلت فارغ از طوفان عزل — گرچہ اخلاق ترا اخلاق کنعان آمدہ است

رغم بدخواہان نکو باد بعونت کار من — گرچہ نیکی و بدی از حکم یزدان آمدہ است

عرفات العاشقین کے مولف نے بھی تاج الدین ریزہ کے ایک ایسے قصیدہ کے کچھ اشعار نقل کیے ہیں، جو اس نے نظام الملک کے لیے کہا تھا۔ ان اشعار کی زبان بھی سادہ، شگفتہ اور ساتھ ہی ساتھ رنگین بھی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

اے صاحبے کہ چون اثر رحمت خدائے — باران جود تو بہ مین از زمن رسد

بر خاک آستان تو چون بگذرد صبا — اندر مشام چرخ نسیم سمن رسد

در فصل نو بہار ز تاثیر دست تست — ہر سر عد دمبدم تیغ من رسد

گر چہ فرشتہ روے دانا بحکم تست — ہر شحنہ کز فلک سوے اہرمن رسد

از فر رائے روشن گیتی فروز تست — از تیرگی ہرا نچہ بروے سمن رسد

موسی صفت مشیرے و ہارون صفت وزیر — زان تو ... از ... تو ... رسد

سیم سخن بمدح تو سنجیدہ جو بہ جو — لیکن زر از تر از وجود تو کمن رسد

نظام الملک کی مدح میں ایک اور قصیدہ بھی تاج الدین ریزہ کی طرف منسوب ہے ... جس کو ابھی ہم نقل کریں گے لیکن اس کی زبان کچھ مختلف یعنی مشکل اور مغلق ہے ... ریزہ ہی کا تسلیم کر لیا جائے ... مرحوم کی ...

لہ عرفات العاشقین، ورق ۱۷۱-۲۰۰

Marfat.com

کے قصائد کی زبان میں سلاست اور سادگی ہے[۱]، نظرثانی کے قابل ہے۔ اس کے اور قصیدے سلیس اور سادے ضرور ہیں لیکن اس قصیدہ میں اس نے ایک مختلف رنگ اختیار کر کے اپنے علم و کمال کا اظہار کرنے کی زیادہ کوشش کی ہے۔ اس قصیدہ میں شانِ علمیت کی وجہ یہ بھی ہے کہ اس کے قوافی بہت ہی سنگلاخ اور دشوار ہیں، اور شاید ان قوافی میں تاج الدین ریزہ نے قصیدہ کہہ کر اپنی جودتِ طبع کا اس لیے بھی اظہار کیا ہے کہ ابوالفرج رونی اور انوری کا بھی ایک ایک قصیدہ ان ہی قوافی میں ہے، گو ردیف مختلف ہے۔ ناظرین کی ضیافت کے لیے ہم ابوالفرج رونی کے قصائد کے بعض اشعار یہاں پر نقل کرتے ہیں۔

بحرے کہ تیغ زن تو دش مظہر گشتہ ست   صدرے کہ سطح ملک بہ رایش ممہد است

ہر قصد از عزمش رحشہ است باد پائے   ہر حصار از حزمش درعی مزرد است

شمشیرہائے ظلم شیاطین روزگار   یک یک ز بیم ذرۂ عدلش مغمد است[۲]

انوری کے قصیدہ کے بھی دو شعر ملاحظہ ہوں۔

تیغ فلک ز تیغ تو اندر نیام باد   تا بر فلک مجرہ چو تیغ مہند است

چشم بد از تو دور کہ در روزگار تو   چشم بلاد فتنۂ ایام ارمد است

ان ہی مشکل قوافی میں تاج الدین ریزہ کا پورا قصیدہ ملاحظہ ہو۔

صبح خیز انکہ وصف آن خط و خد کردہ اند   در رہ فکرت نوشتن جہد بیجد کردہ اند

بہر حل و عقد باب معنی و لفظ جان فزائے   خون دل صد بار محلول و منعقد کردہ اند

تا آتش اندیشہ خود را بہ آسا سوختند   آن جوانمردان کہ نعمت ترک امرد کردہ اند

تا دل کار و نفس لعبت مشکین نقاب   روح را بر صحن کافوری مجسد کردہ اند

---

۱ ادبیات [illegible] تاریخ [illegible] ۲ دیوان استاد ابوالفرج رونی مرتبہ پروفیسر چایکن ص ۳۰

Marfat.com

شعر باد است و چراغی از سلیمان نبی — سحر مطلق بین که با دے را مقید کرده اند

پس برسم من بر اطلاق کهن از نظم تو — عهد یاران قدیمے را مجدد کرده اند

نیستم از ایشان و هستم پرتو شید اگر از ایشان — قصر عشقت در دل ویران مشید کرده اند

اے بلا شوریست که کویت کربلائے دیگر است — کز شهیدانت در او هر جائے مشهد کرده اند

نرگس بستان حسن آن چشم خواب آلوده است — از چه روان چشم پر خونم مشهد کرده اند

رشتهٔ دو موئے تست از بهر تیر عاشقان — خنجر و در عکه مصقول و مزرد کرده اند

زان صلیب زلف کافر نشانی دیده اند — مومنان هم صلیب نام خویش مرتد کرده اند

وان نبات رسته گرد چشمهٔ حیوان تو — بهر نفس اطفئ مشتاق لاجورد کرده اند

باز ده جانان دلم بند بر این بند سره — زانکه در سودا ازین سان تلب [illegible] کرده اند

قامتت را اگر الف خوانم بیان مقصود نیست — نیز مد دوستت کاه بر سرعه قد [illegible] کرده اند

هم بمعبود یکے مایلش نیست لیکن کعبه را — خانه و خوانده و محراب و [illegible] کرده اند

گرچه در تکبیر ذکرش را شنیده گفته اند — لیکن از تنزیه و صفش را موحد کرده اند

ناله دشمنا و رامشا طوطیان شنع او — بار [illegible] زیبا [illegible] عجب کرده اند

هفت مینا خانه بر شحن میر اختران — در سر [illegible] روز از [illegible] کرده اند

کز کمر شمشیر جوزا گوهر حست نثار — بر سر [illegible] الدین [illegible] کرده اند

قاصدے را که نظام حال من جوید چو — راه [illegible] کرده [illegible]

آن سلیمان فر و آصف کز پس مرتبت — [illegible] کرده [illegible]

ظل ممدود است حالے در پناه خلق را — [illegible]

خسروان از گوش از لطفش منفرط داده اند — [illegible] کرده اند

Marfat.com

[illegible] روح می آید ز خاک درگهش — روح آن عطر یکی نامش عنبر ومد کرده اند

صورت اقبال زان ذات یگانه تا ابد — فرق نتوان کرد کایشان را دو فرقد کرده اند

در مقامی کز بخار خون دواز گرد نبرد — چشم مینای سپهر از کحل ارمد کرده اند

جان سپار آتش بدان خار سنان آبدار — خاک از خون دل مردان مورد کرده اند

[illegible]ش را از برای نصرت انصار حق — دائما تایید یزدانی موید کرده اند

دین غازی را ز بیم ترکتاز چینیان — چون حریم ایمن بدان تیغ مهند کرده اند

هر کرا تیغش ز فعل عناصر آمده است — در سواران سپاهش اسم مفرد کرده اند

دشمنش مطرود و نازیباست از سر تا بپای — لیک در هیجا سرش را زیب مطرد کرده اند

صاحبا از سهم اقدام تو تیغ فتنه را — در اقالیم جهان مغلول و مغمد کرده اند

گر کسی [illegible] مرکب خود خلاف امر تو — قول او را اهل این دوران مردود کرده اند

رخ دهد بهر تو بخت ضیا بخشی رواست — شاه انجم را که چارم چرخ مسند کرده اند

عدل و احسان ترا جائیکه افتاد اجتماع — ظلم و فقر آنجا طریق خویش مسند کرده اند

گر قلم پیش تو از اخبار ملک رانده اند — پیش قرآن یاد کردن لوح ابجد کرده اند

از برای [illegible] خصم بد [illegible] وزیت را — عهد شادی با تو هر روزی موکد کرده اند

[illegible] نکته مدح ترا — اهل معنی در ازای صد مجلد کرده اند

شعر من [illegible] کرده اند — نثر من بر جبهه نثر و مجلد کرده اند

عرض می دارم بعد زبان تو بر شاهان نظم — این عروسی کز دل داناش مرقد کرده اند

گر قبول افتد از اقبالت قد ربانند رواست — بیشتر زین رشته ابیات ممد کرده اند

تا زرین فیروز جامه سبز پوشان هر سحر — خط ابیض را جدا از خط اسود کرده اند

Marfat.com

تا ابد دولت طراز جامۂ عمر تو باد — کانتظام ملک از جا بہت موتد کردہ اند

چون جراد منتشر با دبعزت آن گروہ — کاصل ایمان از پے قولے مجد دکردہ اند

مذکورۂ بالا قصیدہ میں تاج الدین ریزہ نے ایک اچھے شاعر ہونے کے ساتھ ایک اعلیٰ نثر نگار ہونے کا بھی دعویٰ کیا ہے۔

شعر من بر صفحۂ شعرے مدون کردہ اند — نثر من بر جبہ نثرہ مجلد کردہ اند

اسی قسم کا دعویٰ اس نے ایک اور قصیدہ میں بھی کیا ہے جس کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

مولد و منشا مین در خاک ہندستان مرا — نظم و نثرم بین کہ با آب خراسان آمدہ است

اس کی نثر نگاری کا نمونہ تو کہیں نہیں مل سکا لیکن بعض تذکرہ نویسوں نے اس کو شاعر کے ساتھ فاضلِ کامل بھی لکھا ہے، مثلاً عرفات العاشقین میں ہے:

"از صنادید قدما، و افاضل حکماست"

لچھمی نرائن شفیق نے گل رعنا میں لکھا ہے:

"تاج الدین از فضلاء و شعراء ہندوستان است"

تحفۃ الکرام کے مؤلف کا بیان ہے کہ

"فاضل کامل و شاعر نامی است"

یہ بیانات اس بات کے ثبوت میں ہیں کہ تاج الدین ریزہ کی اعلیٰ نثر نگاری کا دعویٰ محض شاعرانہ تعلی نہیں، بلکہ واقعہ ہے۔

اس شاعر کا ذکر سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے سلسلہ میں بھی آئے گا۔

بہاء الدین علی

التتمش کے امراء میں بہاء الدین علی کا بھی شمار اہل علم اور اہل ذوق میں ہوتا تھا۔ عوفی نے اس کا ذکر لباب الالباب میں کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صدر کے عہدہ پر

Marfat.com

ممتاز تھا. عوفی نے اس کا لقب اور نام الصدر الاجل مجد الملک بہاء الدولۃ والدین علی بن احمد الجامی لکھا ہے. اس کے باپ کا بھی ذکر ایک مستقل عنوان کے ساتھ کیا ہے، اور اس کو صاحب الکبیر علاء الملک الامراء ضیاء الدولۃ والدین والوزراء ابوبکر احمد امجامجی رحمۃ اللہ علیہ کے لقب اور اعزاز سے یاد کرتا ہے، ابوبکر احمد امجامجی پہلے دہلی مین تھا، پھر اسفزار چلا گیا، جہان وزارت کے عہدہ پر مامور ہوا، وہ علماء و فضلاء کا بڑا قدردان تھا. اور ان کے ساتھ اس کی فیاضی کی انتہا نہ تھی، عوفی لکھتا ہے:۔

"ہمگی ہمت او تربیت فضلاء، و تقویت علماء و دستگیری افتادگان و پایمردی آزادگان بود، و در نوبت امارت در دہلی آنچہ از بذل و احسان او کرد، تاریخ روزگار گشت و کرم حاتم و معن زایدہ را آں برمک را یک ساعۃ بذل او منسوخ گردانید" (لباب الالباب ج ا ص ۱۱۱)

عوفی نے ابوبکر احمد الجامجی کی سخن سنجی کے نمونے بھی درج کیے ہین. اسی اہل ذوق کا فرزند ارجمند بہاء الدین علی تھا جس نے عوفی کے بیان کے مطابق جاجنگر کو کل ڈیڑھ سو سوارون کے دستہ کے ساتھ فتح کیا. حالانکہ اس کے دشمنون کی صف مین ایک لاکھ سوار، دس لاکھ پیادے اور ۰۰، ہاتھی تھے. لیکن بعض اسباب کی بنا پر بہاء الدین علی قید مین ڈالدیا گیا، ۶۱۲ھ مین التمش نے تاج الدین یلدز پر غلبہ حاصل کیا، تو بہاء الدین نے اس فتح کی تقریب مین التمش کی خدمت مین یہ رباعی گذرانی،

چون ملکِ تو شد یکے بلصد بخش مرا   امید تو حق بکرد رد بخش مرا
ہرچند شفاعتم کسے می نکند   شکرانۂ این فتح بخود بخش مرا

التمش نے یہ رباعی سنی تو خوش ہوکر بہاء الدین کو آزاد کرکے ایک خلعت عنایت کیا. اس کے بعد وہ بداؤن کا امیرداد مقرر ہوا. عوفی اس کے بعد اس کے مختلف فتوحات کا ذکر کرتا ہے. عوفی کے بیان کے مطابق بہاء الدین علی آخر مین ناصر الدین قباچہ کے

Marfat.com

کے ساتھ اظہار وفاداری کرکے اس کے ساتھ منسلک ہو جاتا ہے. یہاں پر ہم کو اس کی سیاسی زندگی سے مطلب نہیں، بلکہ اس کے شعر و شاعری کا ذکر کرنا ہے، وہ جہاں بھی رہا، شعراء کی سرپرستی کرتا رہا، اور شعراء اس کے جود و کرم سے متمتع ہونے کے لیے اسکی خدمت میں برابر حاضر ہوتے رہے، ایک شاعر حمید قہندزی اس وقت اس کے دربار میں آیا جبکہ اس کی مالی حالت اچھی نہ تھی، اور اس کا خزانہ خالی ہو چکا تھا، چنانچہ قہندزی اس کی فیاضی سے سیراب نہ ہو سکا، پھر بھی وہ مایوس نہ ہوا، ایک روز بہاء الدین علی کو مست و مخمور دیکھا تو یہ رباعی پیش کی،

اے قاعدهٔ دست تو زر بخشیدن چو زر کہ بگنجا گہر بخشیدن

روزے صد راه چو آب گردد خورشید از شرم کف دست تو در بخشیدن

بہاء الدین علی نے بھی اسکے جواب میں فی البدیہہ یہ رباعی کہی،

زین پیش زما بود اگر بخشیدن ہر بیتے را خاید زر بخشیدن

اکنون چو دل و خزینہ برگشت تہی مائیم و زبان و کبر خر بخشیدن[1]

---

[1] لباب الالباب ج اول ص ۱۱۱-۱۱۲، عوفی نے بہاء الدین علی کی دو رباعیاں اور نقل کی ہیں، ایک روز اس کے تین حسین و جمیل ترکی غلام شکار سے واپس آ رہے تھے، تو ان کو دیکھ کر یہ رباعی کہی،

میران ز شکار گہ چنان می آیند چو ماه دو ہفتہ ہر سہ بس رعنایند

رخشان رخ شان بروز چون نیمہ شب گوئی کہ نگین کمر جوزا اینہ

بنارس کا رانا، اور امیر حاجب ابو بکر مبشر اس کے دشمن ہو گئے تھے، تو اس نے قطب الدین ایبک کے حضور میں یہ رباعی لکھ کر پیش کی،

پیش کار تو اے مبارک ایام اے مقبل روزگار شادی فرجام

مپسند کہ رانا و مبشر باشند کز تیغ تو صد را مبشر شد نام

فخر مدبر سلطان التتمش کی شاہانہ فیاضیوں سے متمتع ہونے کے لیے اس عہد کا ممتاز اہل علم اور اہل قلم مبارک شاہ فخر مدبر نے اپنی کتاب آداب الحرب والشجاعۃ اس کے نام پر معنون کی، اس کا ذکر ہم قطب الدین ایبک کے سلسلہ میں کر چکے ہیں۔ اس کی یہ کتاب جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، جنگ کے آئین وضوابط پر ہے جس میں سلاطین و وزراء کے فرائض سے لے کر گھوڑوں کی شناخت، ان کی بیماری اور علاج کا ذکر، ہر قسم کے اسلحہ لشکر کی خصوصیات، عرض لشکر، لشکر کی نقل وحرکت، فوجی کیمپ کے آئین، میدان جنگ کے طریقے، اس میں فوجوں کی صف آرائی، مقابلہ مبارزت، جنگ حصار کے قواعد، فتح وظفر کے آداب، جزیہ، خراج، فوجوں کی خطا وسزا، ان کے حقوق اور ان کی ورزش وغیرہ کی تفصیلات ہیں۔ جہاں فن کی اصطلاحات کثرت سے استعمال ہوئی ہیں، وہاں تو اس کتاب کی عبارت مشکل ضرور ہو گئی ہے، ورنہ عام طور سے پیرایۂ بیان دلچسپ ہے اور یہ دلچسپی تاریخوں، قصوں اور حکایتوں سے اور بھی زیادہ بڑھ گئی ہے۔ ہندوستان میں فارسی زبان میں اس نوعیت کی کتاب شاید کوئی اور نہیں لکھی گئی۔

موید جاجرمی اس عہد کے ایک اور اہل قلم موید جاجرمی نے امام غزالی کی مشہور تصنیف احیاء العلوم کا فارسی میں ترجمہ کیا، اور اس کو سلطان التمش کے نام معنون کیا۔ اس ترجمہ کا ایک قدیم نسخہ جناب محمد شفیع صاحب سابق پرنسپل اورینٹل کالج لاہور کے ذاتی کتبخانہ میں ہے۔[1]

گذشتہ اوراق سے اندازہ ہوا ہوگا کہ معارف نواز اور علم پرور التمش کے دربار میں مشائخ، علماء، فضلا، اور شعراء کی وجہ سے بڑی رونق رہی۔ مورخین التمش کی سیاسی عظمت کے معترف ہیں اور اس کا شمار تخت دہلی کے کامیاب ترین حکمرانوں میں ہوتا ہے، لیکن اس نے اپنی سیاسی سرگرمیوں

[1] یہ کتاب ابتک شائع نہیں ہوئی ہے۔ اس کے کچھ حصے اورینٹل کالج میگزین نومبر ۱۹۳۷ء و مئی ۱۹۳۸ء میں شائع ہوئے تھے۔ پروفیسر محمود شیرانی نے اگست ۱۹۳۲ء کے اورینٹل کالج میگزین میں اس کتاب پر بہت کچھ روشنی ڈالی ہے۔[2] رسالہ اردو جنوری ۱۹۳۲ء ص ۹۵

Marfat.com

کے باوجود علم وفضل کی بھی پوری قدر دانی کی، اور علم وادب کے ارباب کمال پیدا ہوئے جو اس کی داد رپاشیاں ہوئیں وہ آگے چل کر نظیر بن گئیں۔ طبقات ناصری کے مولف مولانا منہاج سراج اس کے جود وسخا کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اگرچہ سلطان کریم قطب الدین علیہ الرحمہ بخشش لکھا در زمان خود ظاہر می کرد

اما سلطان سعید کریم شمس الدین طاب ثراہ بعوض ہر یک لک صد لک بخشید"

ایسے حاتم وقت کے دور حکومت میں علم وادب کی جو ترقی شروع ہوئی تو وہ آئندہ بڑھتی ہی گئی۔

Marfat.com

رکنُ الدّین فیروز شاہ

۶۳۳ھ - ۶۳۴ھ

۱۲۳۶ء

سلطان التمش کی وفات پر اس کی اولاد میں خانہ جنگی ہوئی لیکن اس کا منجھلا لڑکا رکن الدین حریفوں پر غالب آیا، اور تخت پر رکن الدین فیروز شاہ کا لقب اختیار کرکے بیٹھا، گو اس کی حکومت کل سات مہینے تک رہی لیکن تخت نشینی کے موقع پر حسب روایات تمام شاہانہ مراسم ادا کیے گئے، شعرا نے قصیدے پیش کیے، جن میں تاج الدین ریزہ بھی تھا، اس نے ایک طویل قصیدہ پیش کیا جس کے صرف حسب ذیل دو اشعار فرشتہ[1] اور ملا عبد القادر بدایونی نے نقل کیے ہیں،

مبارک باد ملک جاودانی | ملک را خاصہ در عہد جوانی
یمین الدولہ رکن الدین کہ آمد | درش از میں چون رکن یمانی

افسوس ہے کہ یہ پورا قصیدہ کہیں نظر سے نہیں گذرا، ان دو اشعار کو دیکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس چھوٹی بحر کے دونوں اشعار میں شعریت بھی ہے اور موسیقیت بھی، سلطان نے اس قصیدہ

---

[1] فرشتہ نے ان اشعار کو نقل کرتے وقت شاعر کا نام ملک تاج الدین ریزہ دبیر لکھا ہے، اور ملا عبد القادر نے ملک تاج الدین دبیر تحریر کیا ہے، منتخب التواریخ کے انگریزی مترجم رین کنگ نے اپنے ترجمہ میں یہ بتایا ہے کہ ایک نسخہ میں تاج الدین دبیر کے بجائے تاج الدین دبیر ہے، اس لیے مترجم نے دبیر سے مراد سلطان رکن الدین کا سکریٹری لیا ہے۔

Marfat.com

کو پسند کیا، اور اپنے مادح کو انعام و اکرام سے سرفراز کیا، فرشتہ میں ہے :-

"ملک تاج الدین ریزہ دبیر قصیدہ طویل گذرانیدہ، انعام بادشاہانہ یافت"۔ (ج ۱ ص ۱)

دوسرے شعراء نے بھی جلوس شاہی کے موقع پر کافی انعامات حاصل کیے، فرشتہ رکن الدین فیروز شاہ کی تخت نشینی کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہے :

"روز سہ شنبہ ثلث و ثلثین وستمایہ بر تخت دہلی جلوس فرمود وارکان دولت نثار وایثار بعمل آوردہ شعراء قصائد و غزل در مدح تہنیت او گفتند و بصلات و انعام نوازش یافتند"۔ (ج ۱ ص ۶۷)

مورخین نے رکن الدین فیروز شاہ کی رندی و سرمستی کا ذکر زیادہ کیا ہے، لیکن ان باتوں سے قطع نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ فطری طور پر شعر و سخن کا قدردان تھا، ممکن ہے اس کے علمی و ادبی ذوق کا نشو و نما ناصر الدین قباچہ کے وزیر عین الملک اشعری کی صحبت میں ہوا ہو، جو اس کے ساتھ بدایون کی اقطاع داری کے زمانہ میں اس کا وزیر بن کر رہا[1]، وزیر عین الملک کا ذکر ہم ناصر الدین قباچہ کے سلسلہ میں کر چکے ہیں، شعراء کے ساتھ سلطان رکن الدین کی شیفتگی کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ تاج الدین ریزہ نے اس کی مختصر سی حکومت کے زمانے میں اس کی شان میں کئی قصیدے کہے، اور مولانا شہاب الدین مہمرہ نے بھی جنھوں نے زیادہ تر حمد اور نعت کہی ہے، اس کی مدح میں قصیدہ کہنا کوئی عار نہ سمجھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلطان رکن الدین کے مزاج میں سب سے زیادہ درخور تاج الدین ریزہ ہی کو حاصل تھا، اور وہ بات بات پر اس کی خدمت میں قصیدہ پیش کرتا تھا، درخور کی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ سلطان کا دبیر (یعنی سکریٹری) تھا، سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے ذکر میں طبقات اکبری کے مؤلف کا بیان ہے :

[1] طبقات ناصری ص ۱۸۲

Marfat.com

"ملک تاج الدین ریزہ کہ دبیر سلطان بود ...." (جلد اول ص ۲۶)

قصائد ریزہ یہاں پر ہم اس کے چار قصیدوں کا ذکر کرتے ہیں۔

مندرجہ ذیل قصیدہ میں اس نے تشبیب میں ایک پوری غزل ہی لکھ دی ہے، اور اس بہاریہ تشبیب میں وہ بلبل کی طرح نغمہ سرا ہے۔ شاید اس کی اسی قسم کی نغمہ سرائی سے متاثر ہو کر محمد نواز تن شفیق نے اس کے اشعار کی خصوصیت یہ بتائی ہے کہ یہ دور از کار تشبیہات سے خالی ہوتے ہیں۔

یہ رائے اس کے ہر قصیدہ پر صادق نہیں آتی، جہاں اس نے ابوالفرج رونی، انوری، اور خاقانی کی تقلید میں قصائد کہنے کی کوشش کی ہے، وہاں اس نے دور از کار استعارات و تشبیہات سے بھی کام لیا ہے۔ البتہ ذیل کے قصیدہ میں اس نے تشبیہ بعید کے بجائے تشبیہ قریب ہی سے اپنے کلام میں اثر، جوش، رنگینی اور بلند آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

این راستی کہ ورد دل لیل و نہار یافت	تا کز اعتدال مزاج بہار یافت
بار روزگار کج روش این طبع معتدل	از راستی معدلت روزگار یافت
از دست شاہ ابر تو سرمایہ گرفت	اطراف خاک از آن گہر آبدار یافت
در موسمی کہ از گل زرد و سپید باغ	سیم قراری نذر کامل عیار یافت
جانم نوائے باربدے کاصل خوشنودیست	بر شاخسار باز الحان سار یافت
بر ریدہ پیرہن گل سوری و نوحہ کرد	بلبل بنفشہ را چو زغم سوگوار یافت
از ترکتاز باد صبا گشتہ دشتم	کین خاک تیرہ نافہ مشک تتار یافت
نرگس نشد گر از جام ابر مست	چشمش سراسر از چہ نشان خمار یافت
مانند بندہ سوسن آزاد دہ زبان	بہر ستایش ملک کامگار یافت
کان مشتری لقا کہ در انشاد این غزل	رادی بزم او نظر زہرہ وار یافت

Marfat.com

چشم ز روی خوب تو چون لاله‌زار یافت　　جانم ز تو چو حالِ گل و لاله‌زار یافت
تو ماه گل رخی و ز سودای تو چو من　　ماهی درون آب سینه پر از خار خار یافت
را بیست عشق تو که دل شوربخت من　　آنجا قطار بختی غم بر قطار یافت
باشد خیال قد تو در چشم من مقیم　　زیرا که سرو تازگی از جویبار یافت
پر شد دلم ز خونِ جگر چون انار لیک　　پیوسته دستم از تو تهی چون چنار یافت
پیش از هزار بار در خواب زد خیال　　تا در سرای وصلِ تو یک بار بار یافت
با دام تو بجز نِ دلم سعی کرد لیک　　از لطف پستهٔ تو بجان زینهار یافت
با زلف تو خوش است سرم زانکه بوی مشک　　از خاک پای شاه جهان یادگار یافت
ماحی کفر حامی اسلام رکنِ دین　　کایام دشمن ملکش استوار یافت
فیروزشاه شاه که فیروزه گون سپهر　　همواره بر سبیل مرادش مدار یافت
آن خسروی که زآتش شمشیر آبدار　　چون باد خصم را بوغا خاکسار یافت
اختر زگرد موکبِ او کحل چشم یافت　　گردون ز نعلِ مرکب او گوشوار یافت
از نیزه چو مار و سیاه چو مور او　　ایام خان و مان عدو تار یافت
اسفند دار شد دل بدخواه سوخته　　زین غم که شاه قوت اسفندیار یافت
بر بست دستِ او که نهالِ امید خلق　　در بوستان دل ز نمش برگ و بار یافت
برقیست تیغ او که سنانش بروز حرب　　بر فرق خصم بدگهر الماس بار یافت
بازیست تیر او که به منقار آهنین　　در رزم جان شیردلان را شکار یافت
ای شاه تاج بخش که بر تخت مملکت　　گیتی ترا عروسِ ظفر در کنار یافت
اندیشه در [illegible] اهل و دریای جاه تو　　بسیار غوطه خورد ولی کم گذار یافت

Marfat.com

در خواب دیدہ خصم تو خود را بلندی　　　　تعبیر آن بدیدۂ بیدار دار یافت

شاہا جوان پیر چو بخت جوانِ نو　　　　زیب و فر از عنایت پروردگار یافت

اکنوں مے طلب کہ دل آبِ حیات را　　　　در عالم حقیقت ازان مستعار یافت

بہر عروس مدح تو چرخ زبرجدے　　　　از نظم بندہ عقد در شاہوار یافت

فخر است از ثنائے توام گرچہ کلکِ من　　　　دیر است کز نوشتن اشعار عار یافت

خود در دمن ز نهایت اخلاص مدح تو　　　　زین شیوہ عقل فاتحۂ روزگار یافت

از حکم تو گریز مبادا زمانہ را　　　　زیرا زمانہ حکم ترا حق گزار یافت

از طلعت تو دیدۂ عالم قرار باد　　　　کز خنجر تو عرصۂ عالم قرار یافت

تاج الدین ریزہ نے فیروز شاہ کی شان میں ایک قصیدہ اُس بحر، قافیہ اور ردیف میں کہا ہے، جس میں ظہیر فاریابی نے صدر جہان شرف الملک تاج الدین کے لیے ایک مدح کہی تھی، تھوڑی سی طوالت ضرور ہوگی لیکن ناظرین پہلے ظہیر فاریابی کے اس قصیدہ کے چند اشعار پر ایک نظر ڈال لیں:

شاہا در تو قبلۂ شاہان عالم ست　　　　گردون ترا مسخر و گیتی مسلّم ست

ہم چشم مہر دا دہ بروے تو روشن ست　　　　ہم جان جن و انس بیاد تو خرم ست

ہرگز نزاید از تو گرانمایہ تر گہر　　　　زان آب و گل کہ مایۂ ترکیب آدم ست

بنمود خنجر تو در احیاے ملک و دین　　　　آن خاصیت کہ در دم عیسیٰ مریم ست

از دین مصطفیٰ رمقے ماندہ بود لیک　　　　امروز زندہ کردۂ شاہ معظم ست[1]

صد کاسہ انگبین ز یک ذرہ بس بود　　　　زان تلخی کہ در بن دندان ارقم ست[1]

له منقول از قصائد ظہیر فاریابی، نولکشور [illegible] ص ۱۰۰-۱۰۱

Marfat.com

ظہیر کے پیشرو انوری نے بھی اپنے ممدوح عماد الدین فیروز شاہ فاتح بلخ کی مدح میں اس بحر قافیہ اور ردیف میں ایک قصیدہ کہا ہے۔ اس کے بھی دو چار اشعار ناظرین ملاحظہ فرمائیں۔

کز ولائے پنج گردون دہ یکے زان خاصیت | مشتری را در عدد وسی گز عامہ معظم است
تا کہ از دوران دایم در خم سقف فلک | آن سعادت بادکش ہیزم بران این خم است
می ندانم گفت خورم باد عیدت کو چرا | زانکہ خود عید دیدہ گیتی از وجودت خورم است
ذایت عمر تو بر بام بقا بادا گذر | طرۂ شب نیزہ و فرج زمان را پرچم است[1]

یہ قافیہ، ردیف اور بحر قصیدہ نگاروں میں غالباً بہت مقبول اور مرغوب تھی۔ اس لیے تاج الدین ریزہ نے بھی اس میں قصیدہ کہکر اپنی جولانی طبع کا ثبوت دیا ہے۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ وہ انوری اور ظہیر فاریابی کے تتبع میں پورے طور پر کامیاب ہوا ہے لیکن یہ کہنا بھی بیجا نہ ہوگا کہ اس کو الفاظ کی بندش میں ترکیب میں اور خیال آرائی میں ان دونوں اساتذۂ فن کے کلام سے بڑی مدد ملی ہے۔ اب اس کا پورا قصیدہ ملاحظہ ہو۔

ساقی بیار بادہ کہ نوروز عالم است | روز خجستہ چون رخ شاہ معظم است
در جسم خاک تعبیہ کردہ است باد روح | گوئی کہ باد چون دم عیسی مریم است
شد مشک بوئے صحن چمن از دم صبا | آرے در اصل مشک چو سنگریزہ خون است
قوت گرفتہ نامیہ از نم عجب مدار | زیرا کہ طفل نامیہ را شیر از نم است
جام جہان نمائے شمر تحفہ لالہ را | کاطراف بوستان زخوشی مجلس جم است
در نوبت چنین کہ قدوم ربیع را | در روز بان خلق ہمہ خیر مقدم است
بر خستگان پنجۂ زخم سمن بران | در چار سوئے یاسمن تازہ مرہم است

[1] منقول از قصائد انوری قلمی۔ ملوکہ دار المصنفین اعظم گڈھ۔

گر ظلم چرخ نیست بر آزادگان چرا — هم سرو پای بسته و هم سوسن ابکم است
از فصل گل چو موسم سور است باغ را — آخر چرا بنفشه نشسته بماتم است
بگذار این حدیث درین باب دم مزن — کین فصل وقت رطل شراب مدام است
آن لعل می ز خاک سیه درده و مگوی — کین ست آن کسی ست که از نسل او جم است
می اشک چشم دختر تاکست یا مگر — خون پسر چکیده ز شمشیر رستم است
ماه است جام باده که دورش مدام باد — در ماه نیست از چه خطابش محرم است
هنگام خرمیست نه از اعتدال طبع — از عدل شاه عرصهٔ آفاق خرم است
فیروز شاه کعبهٔ اقبال رکن دین — کز خاکپای او اثر آب زمزم است
شاه فرشته خوی که نامش زمانه را — از بهر دفع دیو ستم حرز اعظم است
نالنده نیست هیچ در ایام عدل او — در نیز هست پرده که زیر است با بم است
گفتم زمانه را که زمین زیر حکم اوست — گفتا برو چه جای زمین آسمان هم است
بر پیل و اسپ نوبتی بارگاه او — از مهر آینه است وز مه طاس قرقم است
در زیر طوق طاعت او سیر آسمان — گردون نهاده راست چو کلب معلم است
مگر تعلیم یافته
اندر حریم پردهٔ دوشیزگان غیب — رایش ز راه آگهی گاه محرم است
کار جهان بواسطهٔ تیغ گوهرش — پیوسته مثل عقد ثریا منظم است
زخم زبان نیزهٔ خطیش روز جنگ — در کام بدسگال چو دندان ارقم است
ای خسروی که قاعدهٔ کبریای تو — چونانکه قصر پیشش افلاک محکم است
در پیش خدمت تو چو ابروی دلبران — پشت ملوک روی زمین جمله در خم است
چون کار نسیم باد سر زلف نیکوان — بدخواه خاکسار ز بیم تو در هم است

Marfat.com

اندر ہوائے جود ہمائی است ہمتت — کش آشیانہ برتر ازین سبز طارم است

بحر و کف تو ہر دو ز یک جنس آمدند — زان روے بحر در کف را د تو مدغم است

از رشک چتر لعل تو در تاب می شود — خورشید کو نگینہ فیروزہ خاتم است

قدرت برا ختران چو برفعت جدل زند — گویند جملہ مجلس عالی مسلم است

نزدیک من زغایت اخلاص مدح تو — چون فاتحہ ہمیشہ عزیز و مکرم است

خواہم کہ بیشتر سپرم راہ بندگی — با آنکہ التفات تو سوی رہی کم است

تو شاد زی مقیم کہ از فرد دولتت — قسم حسود قسمت اگر در جہان کم است

فرمان تو چو آب روان باد در جہان — تا جرم خاک را شرف از نسل آدم است

تاج الدین ریزہ نے ایک منظوم فریاد بھی اپنے ممدوح سلطان رکن الدین فیروز شاہ کی خدمت میں پیش کی۔ اس کو پڑھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی نے اس کے ساتھ ناخوشگوار رویہ اختیار کر رکھا تھا، اور شاید اس کو زدوکوب بھی کیا تھا، گو وہ خود کہتا ہے کہ اس کی طبیعت میں نرمی، شائستگی اور مٹھاس ہے پھر بھی کوئی اس کا دشمن ہو گیا۔ اسی کی فریاد لیکر سلطان کے دربار میں حاضر ہوا تھا، اور غصہ میں کہتا ہے کہ اگر سلطان نے اس کی فریاد نہیں سنی تو وہ بغداد جاکر امیر المومنین کے حضور میں شکایت کرے گا۔ اور اپنے آنسوؤں سے ایک نیا دجلہ جاری کرے گا۔ اگر اس کی شنوائی وہاں بھی نہ ہوئی تو خانہ کعبہ جاکر اور پردہ کعبہ پکڑ کر گریہ و زاری کرے گا، لیکن پھر خود ہی کہتا ہے کہ یہاں وہاں جانے کی ضرورت ہی نہ ہو گی، کیونکہ سلطان رکن الدین والدنیا خود ہی عدل پرور ہے۔ اس قصیدہ میں شاعر کے خفگی کے ساتھ کچھ شوخی بھی ہے۔ اس سے پہلے یہ کہا جا چکا ہے کہ اس کو سلطان کے مزاج میں بڑا دخل حاصل تھا۔ یہ فریاد ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

بفریاد آمدم این جا بفریاد — گر شاہ جہان دادم دہد داد

Marfat.com

ز دست آن سگ روباه دستان	که شیطان سیرتست و آدمی زاد
چه گویم آنچه من دیدم ازان جنس	جزا اینها و دیدهٔ دشمن مبیناد
مرا کز لطف طبعم در محافل	بشاگردے چو من نازاید استاد
عروس بکر معنے را زمانه	ز من شایسته نادر دواماد
شکر چینند ز الفاظ و خطا من	هر آن نوشین لبے کاید ز نوشاد
چو بر بستر فتادم مشتری گفت	که یارب این عطارد را چه افتاد
چرا باید که چوب هر خسیسم	سر و تن بشکند چون زلف شمشاد
اگر دادے نیابم این ستم را	روم زین خاک خون آشام برباد
ز آب چشم امیرالمومنین را	نمایم دجلهٔ دیگر به بغداد
از و این ظلم را انصاف خواهم	اگر او هم نخواهد داد او داد
روم در پردهٔ کعبه زنم چنگ	کنم چون زیر و بم زاری و فریاد
ولے دانم بدین حاجت نباشد	که هم عادل شهے داریم و هم راد
شود این محنت و رنجم فراموش	اگر شاه جهان آرد ز من یاد
مدار عدل رکن الدین و دنیا	که ملک از وی گرفت احکام بنیاد
ز شست سلکش در چشم گردون	چو مهر و مه سپر هفتاد و هشتاد
زہے شیر افگنی کز بیم تیغت	چو روباہے شود گرگین و میلاد
برائے بندگیت آورده در خم	سلاطین قامتے چون سرو آزاد
بدور دولتت مستان خرابند	وگر عالم سراسر هست آباد
اگر گوهر نماند بهر بخشش	برآرے گوهر از شمشیر فولاد

Marfat.com

اگر خاک درت چون زعفران نیست | جہا لبہا کند خندان و دل شاد
حسود ت را چو گل بر داشت گیتی | و لیک از رمح تو خارش بنہاد
بآن در خسروے تا بر زبانہا | سخن از عشق شیرین ست و فرہاد
ولایت ہر غلام کثرت را | ز محمود و ز سنجر بیشتر باد

سلطان رکن الدین کی تعریف و توصیف میں تاج الدین ریزہ کا ایک اور طویل قصیدہ ہے جس پر اس کو فخر و ناز تھا، کیونکہ اسی قصیدہ میں کہتا ہے،

ساکنان خاک را زین پس نباشد خشک سال | چو من از اشعار تر آب روان آوردہ ام
گوہر منظوم را بیقدر کرد ند چو سنگ | ہر دُرِ منثور کز بحر بیان آوردہ ام

اپنے کلام کی فصاحت اور شیرینی پر تعلی کرتا ہے۔

طوطی نطقم فصیحان عرب در رشک من | زین شکر باری کہ در ہندوستان آوردہ ام

پھر دربار کے تمام شعرا کو تحدی کرتا ہوا کہتا ہے کہ کوئی اس کے ٹکر کا شعر نہیں کہہ سکتا۔

خسروا شیرین سخن بسیار دیدم بر درت | نقش شاد روزی بدین کاندازان آوردہ ام
تا کنند ایشان گمر زین گونہ بیتے را بہ بیت | این قصیدہ بر سبیل امتحان آوردہ ام

شاعر کے اس پندار و غرور کے بعد اس کا یہ طویل قصیدہ ملاحظہ ہو۔ اس میں شک نہیں کہ اس کے اور قصیدوں کے مقابلہ میں اس قصیدہ میں فصاحت اور حلاوت زیادہ ہے۔

این صنم کز دیدہ یاقوت روان آوردہ ام | بیدلان را از سخن قوت روان آوردہ ام
ساکنان خاک را زین پس نباشد خشک سال | چون من از اشعار تر آب روان آوردہ ام
عارض سیمین کاغذ را خط مشکین دہد | کلک زرین پیکرے کاندر بنان آوردہ ام
گوہر منظوم را بے قدر کرد ند چو سنگ | ہر در منثور کز بحر بیان آوردہ ام

تیر چرخ از من سپر انداخت با تیغ زبان | چون زبان تیغ شه گوهر فشان آورده ام
شاه گنج شایگان می بخشد این لفظ است بس | کز میان شعر جای شایگان آورده ام
لیک این جنس از بضاعت بود نادر در جهان | کز پی سودای آن عمری زیان آورده ام
چهرهٔ شادی ندیدم عکس خاصیت مگر | گرچه از رخساره چندین زعفران آورده ام
چرخ در هر مجلسی چون دست چنگی زخم زد | زین سبب چون نای حلقی پرفغان آورده ام
گیتی زال از جفا بسیار دستانم نمود | تا ز دستش پیش شاه این داستان آورده ام
یار دیباروی پشتم داد و من در هجر او | از نحیفی تن چو تار پرنیان آورده ام
تا چو تیر از شست بیرون جسته وی از بزم او | قامت از درد جدائی چون کمان آورده ام
در فراق آن بت بادام چشم و پسته لب | از رخ آبی و ز دیده ناردان آورده ام
بی حسی در باب من بی چاره فصلی گفت شاه | در گمان شد رخ ازان بیجاده سان آورده ام
از کمال علم بر وی آشکاره آمده است | هرچه در گنجینهٔ سینه نهان آورده ام
کانچه حاسد گفت از راه مسلمانی نبود | کافرم در خاطر از فکر چنان آورده ام
در زبان خاص و عام افتاده ام همچون سخن | آن سخن کو عرضه کرد ار بر زبان آورده ام
لیک چون حلم شهنشه در میان آمد چه باک | خود چنان پندار جرم بیکران آورده ام
نی بهبوی مرحمت ما را رجا از شهریار | پیش لطف شهریار مهربان آورده ام
بر امیدی کز اتفاقش تا خصم نادان جان کند | در دل دانا یقین بیگمان آورده ام
طوطی نطقم فصیحان عرب در رشک من | زین شکرباری که در هندوستان آورده ام
عندلیب آسا نوای خسروانی می زنم | خاصه کاکنون روی سوی بوستان آورده ام
بوستان آستان عرش سای خسرو است | چون همه برگ و نوا زین آستان آورده ام

Marfat.com

از دل و دم در هوای خاک بوس آن جناب — آذر و آذار و باد مهرگان آورده ام

چون نهم سر در زمین این جا چنان دانم که پای — از ره رفعت بر اوج آسمان آورده ام

کامران گردم بمانند زبان بر هر مراد — بر زبان چون مدح شاه کامران آورده ام

پیل بالا زر فشاند بر پی اسپم ملک — رخ چو سوی حضرت شاه جهان آورده ام

شاه شیر افگن که گیتی گفت در اسلام اوست — هر حکایت کز درفش کاویان آورده ام

کعبهٔ اقبال رکن الدین که گوید آسمان — آستانش ثانی رکن یمان آورده ام

خسروی کو را روا باشد بوجه افتخار — گر بگوید کز کف و دل بحر و کان آورده ام

کافران را از هراسانی هراسان کرده ام — اهل ایمان را مدام اندر امان آورده ام

ربع مسکون جهان بیر از سرتا بپای — زیر دست از قوت بخت جوان آورده ام

خاتم ملک سلیمانی در انگشت من است — لاجرم در خطِ فرمان انس و جان آورده ام

تا هلال رایتم طالع شد از تاثیر آن — شخص خصمان را گداز آن چون کتان آورده ام

فتنه اندر خواب غفلت رفت تا گرد جهان — دیدهٔ بیدار دولت پاسبان آورده ام

گرد خیلم کز جوی جای رسیده است آن مقام — از بلا ایمن چو راه کهکشان آورده ام

از تن دشمن بزخم خنجر نیلوفری — صحن هیجا را برنگ ارغوان آورده ام

بد سگال از تنگ دل آمد مرا نیکو تر است — کز دلش تیغ یمانی را فسان آورده ام

تا بخاطر در نیارد خار خار روی گل — گل بچشم حاسد از خارستان آورده ام

گنبد فیروزه میگوید ز فر نام اوست — در جهان هر جا که فیروزی نشان آورده ام

فتح می گوید که دل در کار او زان بسته ام — کز غبار مرکبش اکسیر جان آورده ام

عقل گوید پایهٔ قدرش بدستم نامد است — گرچه از نه بام گردون نردبان آورده ام

Marfat.com

از پے تحسین تیر ششس عندلیب ... — گفت چون زاغ کمان زہ در دہان آوردہ ام
ہمتش گفت آن نمایم کز علو منزلت — بر فراز نسر طائر آشیان آوردہ ام
حکم او گوید کہ از مہ نعل زرین بستہ اند — نقرہ خنگ چرخ را تا زیر ران آوردہ ام
چتر دارش گفت در دستم سپہری دیگر است — کافتاب مملکت را سایہ بان آوردہ ام
ظلم گفت از روز عدلش زار گشتم خرم را — می توان گفتن کہ شخصِ ناتوان آوردہ ام
چرخ صوفی جامہ گوید از بزرگی ہر چہ بود — بانقلابش بجز وہ در میان آوردہ ام
خسروا شیرین سخن بسیار دیدم بر درت — نقش شادر رزی بدین کاغذان آوردہ ام
تا کنند ایشان گزین گو نہ بیتے را بہ بیت — این قصیدہ بر سبیلِ امتحان آوردہ ام
دین حکایتہا کہ گفتم از پے بخت بلاست — تا نہ پنداری شکایت از فلان آوردہ ام
روے بر خاک درت کان کحل چشم اختر ست — بہر آب روئے نہ از بہر نان آوردہ ام
چشم می دارم کہ یابم ابروے از دولتت — چون بیان خلق جودت را نشان آوردہ ام
خواستم گفتن دعا لیکن چہ گویم چون قضا — گفت ملکت را بقاے جاودان آوردہ ام

ممکن ہے ان مختلف قصائد کی طوالت سے ناظرین کو کچھ گرانی محسوس ہو رہی ہو، لیکن ان کے نقل کرنے کا مقصد نہ صرف ان کے محاسن کو دکھانا ہے، بلکہ جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے اس شاعر کے بکھرے ہوئے کلام کو یکجا جمع کرنا بھی ہے۔ اب تک اس کا جتنا کلام نظر سے گذرا ہے اس کو دیکھکر کم از کم یہ تو یقینی طور سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایک قادر الکلام شاعر تھا، جس نے نہ صرف سلیس، رواں، شگفتہ اور برجستہ قصائد کہے، بلکہ اساتذہ فن مثلاً ابو الفرج رونی، انوری و ظہیر فاریابی کے تتبع میں قصائد کہہ کر اپنی سخن وری اور جدت طبع کا ثبوت دینے کی بھی کوشش کی۔

عرفات العاشقین کا مؤلف لکھتا ہے کہ تاج الدین اپنے عہد کا سب سے زیادہ ممتاز

Marfat.com

شاعر تھا۔

"در زمان خود از ہمگنان ممتاز و در دانش چون سرفراز بودہ۔ سر ہمتش بر فرق فرقدان آسودہ، و بپائے رفعت تارک کیوان بسودہ"

اس مین شک نہین کہ وہ اپنے معاصر شعرا سدید الدین محمد عوفی مؤلف لباب الالباب و جوامع الحکایات، صدر الدین محمد نظامی مؤلف تاج المآثر، منہاج سراج مؤلف طبقات ناصری، روحانی اور ناصری سے تو یقیناً بہتر شاعر ہے۔ لیکن کیا اس کو اپنے عہد کے شہاب الدین مہمرہ، اور فخر الملک عمید تولکی پر بھی فضیلت حاصل تھی، اس کا فیصلہ ناظرین خود فرمائین گے جب کہ ان موخر الذکر شعرا کا کلام ہم ان کی خدمت مین پیش کرین گے۔

انجام ریزہ — سلطان رکن الدین کے عہد سلطنت کے بعد تاج الدین ریزہ کے حالات نہیں ملتے۔ شاید سلطان رکن الدین کے قتل کے ساتھ اس کا ستارۂ اقبال بھی ماند پڑ گیا۔[1] اس کی زندگی کا انجام دردناک بتایا گیا ہے، کسی تذکرہ نویس نے تو نہین لیکن شرح مخزن اسرار مین محمد بن قوام نے لکھا ہے کہ

"تاج ریزہ را پیش پائے پیل انداختند"

یہ نہ معلوم ہو سکا کہ آخر کس سلطان نے کس جرم میں اس کو ہاتھی کے پاؤن سے کچلوا دیا، مگر اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ وہ غیاث الدین بلبن کے شروع عہد مین زندہ تھا، کیونکہ جب بلبن نے مولانا شمس الدین خوارزمی کو شمس الملک کا خطاب دے کر مستوفی ممالک کے عہدہ پر مامور کیا، تو تاج الدین ریزہ (یا سنگ ریزہ) نے ان کی مدح مین ایک قصیدہ کہا تھا جس کا ایک شعر یہ ہے:

---

[1] اورینٹل کالج میگزین (نومبر ۱۹۳۰ء) کے ایک مضمون نگار نے معلوم نہیں کس حوالے سے لکھا ہے کہ سلطان رکن الدین کی حکومت کے آخری زمانہ ... فساد کا طوفان اٹھنے لگا تو سلطان نے جان بچا کر کچھ امرا کے ساتھ دہلی سے پنجاب کی طرف رخ کیا۔ ان کے ساتھ تاج الدین ریزہ بھی تھا لیکن جب اور امرائے سلطان کی رفاقت چھوڑ ... نزدیک سرور سالار ... ملاحظہ ہو جولائی ... اورینٹل کالج میگزین نومبر ۱۹۳۰ء

Marfat.com

شمسا کنون بکام دل دوستان شدی | مستوفی ممالکِ ہندوستان شدی[1]

شہاب مہمرہ

پہلے کہا جا چکا ہے کہ سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے قصیدہ نگاروں مین مولانا شہاب الدین مہمرہ بھی تھے،

مولانا شہاب الدین مہمرہ بدایون کے رہنے والے تھے، جو ہر زمانہ مین مشائخ، علماء، اور شعرا کا بہت بڑا

مرکز رہا، ان کے والد بزرگوار کا نام جمال الدین تھا جن کے نام کا جز بھی مہمرہ یا متمرہ تھا، منتخب التواریخ

(مؤلفہ ملا عبد القادر بدایونی) مین مولانا شہاب الدین کے اسم گرامی کے ساتھ مہمرہ ہی مرقوم ہے[2]، لیکن

مجمع الفصحا (مؤلفہ رضا قلی خان) مین ہے کہ وہ مداران کے رہنے والے تھے، اور مداران کو ہندوستان

کا شہر بتایا ہے، لیکن مداران بداون کی غلط کتابت معلوم ہوتی ہے، اسی طرح مہمرہ کو بھی کاتب نے

متمرہ لکھ دیا ہے، منتخب التواریخ کے انگریزی مترجم جارج رینکنگ نے مجمع الفصحا کی سند پر متمرہ ہی

کو صحیح سمجھا ہے[3]، اور تذکرہ نویسون مثلاً مجمع النفائس، عرفات العاشقین، گل رعنا اور مخزن الغرائب

کے مؤلفون نے مہمرہ ہی لکھا ہے، کسی تذکرہ نویس نے متمرہ یا مہمرہ کی تصریح نہین کی ہے، البتہ نزہۃ الخواطر

مین مولانا عبد الحئی نے مولانا شہاب الدین کے والد بزرگوار کا نام جمال الدین المہمروی البدایونی لکھا ہے[4]،

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مہمرہ کسی جگہ کا نام ہے، جہان سے مولانا شہاب الدین کے والد بزرگوار یا ان کے

آبا و اجداد ہجرت کرکے ہندوستان آئے، اور بدایون مین سکونت پذیر ہوئے، یہ معلوم نہ ہوسکا

کہ مہمرہ کس ملک کا قصبہ یا قریہ ہے، محمرہ (حائے حطی کے ساتھ) مکہ کے قریب ایک قریہ کا نام بھی ہے،

مولانا شہاب الدین عربی کے بہت بڑے عالم تھے، اگر ان کی عربی دانی کی وجہ سے ان کو عربی النسل

قرار دیا جائے تو ممکن ہے کہ ان کا خاندان محمرہ ہی سے آیا ہو،

۱؎ سیر العارفین اردو ترجمہ ص ۱۱، سیر الاولیا میں بھی یہ شعر درج ہے لیکن شمسا کے بجائے صدرا ہے (ص ۱۰۵) ۲؎ منتخب التواریخ ج ۱ ص [illegible]

۳؎ رینکنگ ص [illegible] حواشی ۴؎ نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۱۶۹ یہ المہروی کے بجائے المہمری ہونا چاہیے، شاید "د"

کاتب کی غلطی سے [illegible] کیونکہ عربی اور فارسی میں صرف یائے نسبت ہوتی ہے، واؤ نہیں ہوتا۔

افلاطون زماں

انکے حالات زندگی بہت زیادہ نہیں ملتے۔ امیر خسرو نے ان کے متعلق جو خیالات جا بجا ظاہر کئے ہین، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف ایک بلند پایہ شاعر، بلکہ اپنے عہد کے بہت بڑے عالم و فاضل بھی تھے، اور اپنی فلسفہ دانی اور حکمت کی وجہ سے بقراطِ وقت اور افلاطونِ زمانہ کہلاتے تھے، الٰہیات، طبعیات، ریاضیات، معقولات اور منقولات سب مین ید طولیٰ حاصل تھا، فقہ مین "مبسوط" اور حکمت مین "اشارات" پر بڑا عبور تھا، ان کے بارہ مین امیر خسرو اپنی مثنوی "ہشت بہشت" مین فرماتے ہین:

چرخ چون راست کرد دستارش	بست عزِ الٰہی بہر تارش
گر کند سوے آن عمامہ نظر	مشتری رافتد عمامہ زسر
حکمتش داد از بس افزونی	ملکِ بقراطی و فلاطونی
در الٰہی فنش بہ در حدِ کس	حد او ہم الٰہ داند و بس
در طبیعی شناختہ بتمام	راز مولودِ عنصر و اجرام
در ریاضی بیک صریرِ قلم	باز کرد دست گوشِ جذر اصم
عقلیش از قیاس عقل برون	نقلیش از مقامِ نقل فزون
دُرِ مبسوط در یکے مشتش	صد اشارات در ہر انگشتش
ہر چہ در دہرِ نقشِ دانائی ست	دل او را بیان توانائی ست
او چو ابرِ کرم بغرقِ جہان	زیر کان چون صدف کشادہ دہان[1]

اعجازِ خسروی[2] مین امیر خسرو کے کچھ خطوط مولانا شہاب الدین کے نام بھی ہین۔ ان مین سے ایک عربی مین ہے۔ اور ایک خالص فارسی مین جس مین عربی کا ایک لفظ بھی نہین، عربی مکتوب مین مولانا شہاب الدین کو امام کے لقب سے مخاطب کیا گیا ہے جس سے شاید امام العلماء والفضلاء مراد ہو۔

---

[1] مثنوی ہشت بہشت، مطبوعہ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ پریس ص ۲۲۶ [2] اعجاز خسروی نولکشور پریس رسالہ ثانیہ ص ۱۶۰ و ۱۶۲

Marfat.com

فنِ شاعری میں بھی مولانا شہاب الدین کو درجۂ کمال حاصل تھا۔ عزۃ الکمال میں امیر خسرو نے ان کو "سلیمان ممالک سخن" کہا ہے، اور وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ لوگ ان کے کلام کو دیوانہ وار سینے میں، اگرچہ انھوں نے اپنے کلام کو مدون نہیں کیا،

"شہاب الملت والدین کہ شہاب فلک از آتش طبع او صد بار دیوان خود را سوختہ است کہ اگر آن سلیمان ممالک سخن را عزیمت جمع کردن دیوان بودے، این معنی را جان رفتہ در تن حاضر گردانیدے، و امرا القیس چون قیس مجنون گشتے ہر شعر بلند شہابے آسمانے است بر کواکب خلقی دیوانہ آن بعضے شیاطین می نہند و استراقی می کنند۔ از سرقہ ایشان خدائے نگاہ دارد"

ایک اور موقع پر رقمطراز ہیں :۔

.... مولانا شہاب الحق والدین........ آن شہاب ثاقب کہ در لطافت طبع آتش بارہ ایست و در دل شب روشن از انوار عیب خبر آرد و صد ہزار انجمن را گرم دارد، تا جہانے از و عقبش گردد"

ہشت بہشت میں مولانا شہاب الدین کی شاعری کی تعریف میں رطب اللسان ہوتے ہیں اور ان کو عربی زبان کے مشہور شعراء بحتری اور ابو تمام سے افضل قرار دیا ہے، اور غایت تعریف میں فرمایا ہے کہ مولانا شہاب کے اشعار خانۂ کعبہ کے بجائے بہشت میں آویزان کیے جانے کے لائق ہیں، امیر خسرو کی گلفشانی ملاحظہ ہو،

او شہاب و دل دنش زاخیار	نیرین مشارق الانوار
از تمام فنون و فضل تمام	غیرت بحتری و بو تمام
گاہ تحریر گر بہ بیت عتیق	یافت اشعار نازیان تعلیق
شعر او را کہ مطلع نور ست	جائے تعلیق بیت معمور است

Marfat.com

کسی تذکرہ نویس نے اس پیکرِ علم وادب کی ولادت و وفات کا سنہ نہین لکھا ہے۔ ابھی حال ہی مین ڈاکٹر اقبال حسین نے اپنی کتاب "Early Persian poets of India" مین امیر خسرو کے دیباچہ غرۃ الکمال کے حسب ذیل فقرہ

"مولانا شہاب الدین مہرہ و مولانا بہاء الدین بخاری کہ ہر یکے بستان علم را بلبلہ بودہ اند"

سے یہ قیاس کیا ہے کہ وہ غرۃ الکمال کا دیباچہ لکھنے یعنی ۶۹۵ھ سے پہلے وفات پا چکے تھے۔ میرے پیش نظر غرۃ الکمال کا ایک کرم خوردہ نسخہ ہے جس کے بعض اوراق جا بجا سے پھٹ گئے ہین۔ اس لیے اس فقرہ پر نظر نہیں پڑی لیکن ڈاکٹر اقبال حسین نے امیر خسرو کی مثنوی ہشت بہشت سے بعض ایسے اشعار بھی نقل کیے ہین، جن مین امیر خسرو نے مولانا شہاب الدین کا شکریہ ادا کیا ہے۔ ان ہی اشعار سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا شہاب الدین نے مثنوی ہشت بہشت کو بہ نظر اصلاح دیکھا تھا یہ مثنوی ۷۰۱ھ مین لکھی گئی ہے۔ اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مولانا شہاب الدین ۷۰۱ھ تک بقید حیات تھے۔ ان کی تاریخ ولادت تو معلوم نہین، لیکن ملا عبد القادر بدایونی نے منتخب التواریخ مین ان کا ایک قصیدہ نقل کیا ہے، جو انھون نے سلطان رکن الدین فیروز شاہ کی خدمت مین پیش کیا تھا۔ یہ سلطان ۶۳۳ھ کے آخر مین کل چھ سات مہینہ کے لیے تخت پر بیٹھا۔ ظاہر ہے کہ قصیدہ پیش کرتے وقت مولانا شہاب الدین کی عمر کم از کم پندرہ سال کی ہوگی، اس حساب سے سلطان شمس الدین التمش کے عہد مین پیدا ہوئے ہون گے۔ مثنوی ہشت بہشت کی اصلاح کے وقت ان کی عمر اسّی اور نوّے کے درمیان ہوگی۔ امیر خسرو کا سن اس مثنوی کے قلمبند کرتے وقت پچاس سال کا تھا۔ ظاہر ہے کہ امیر خسرو نے ادب و احترام کا اظہار کرنے مین مولانا شہاب الدین کے سن و سال کی بزرگی اور ان کے علم و فضل دونون کا لحاظ رکھا ہوگا۔

Marfat.com

جدت طرازی

اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے اس کی بنا پر یہ قیاس ہوتا ہے کہ مولانا شہاب الدین نے سلطان رکن الدین کی خدمت مین اپنی بہت کمسنی کے زمانہ مین حسب ذیل قصیدہ پیش کیا. اس مین اہم اشعار ہین، ہر شعر مین کرگ (گینڈا) گرگ (بھیڑیا) پیل اور شیر کے الفاظ لائے گئے ہین، اور ان ہی چارون الفاظ کی رعایت سے پورے قصیدہ مین صنعت گری کی گئی ہے، مولانا شہاب الدین نے اس کمسنی مین اس غیر معمولی قادر الکلامی اور جدت طرازی کا جو اظہار کیا وہ گویا ان کے بحر العلوم ہونے کا پیش خیمہ تھا، طوالت کے خیال سے ہم اس قصیدہ کے چند ہی اشعار نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہین.

ہر زمان این کرگ و گرگ و پیل و شیر طفل خوار
آن کند با من کہ پیل و کرگ وقت کارزار

آسمان پیل گون مالد تنم را کرگ سان
روزگار شیر وش صبرم رباید گرگ وار

زور کرگم نے و با من تند پیل آسمان
شیر مردی می کند چو کہنہ گرگ روزگار

پیل با کرگ آن نکرد و گرگ با میش آنچہ کرد
شیر چرخ از جور با این شخص چون موئے نزار

حیلت گرگ است و زور کرگ با شیر فلک
زان ہمیشہ بر دل من در دبارد پیل بار

سلطان کو مخاطب کرکے کہتے ہین:

خسروا مدح تو کرگ و گرگ و شیر و پیل
گشتہ ام نادر بام صاحب چرخ اقتدار

پیل تن شیر افگن گرزت اگر خواہد دہد
گرگ را چون دم کرگس بر سر گردون قرار

آن وزیرے کز برائے گوشمال گرگ چرخ
دل نہادہ ہمچو کرگ و پیل و شیر از اضطرار

آخر کے اشعار یہ ہین:-

پیل بخشا در بد اوُن بادم و یرانہ
گرچہ جائے گرگ و کرگ و شیر باشد این دیار

تا کہ شیر و پیل باشد در حمایت ہم قدم
تا کہ گرگ و کرگ باشد در کتابت یک شمار

خصم گرگ افسونت اے کرگ افگن و پیل استناد
باد پیش شیر و لہیزت میان خاک خوار

Marfat.com

ہمچو شیر و پیل و گرگ و گرگ در گرما بہا　　دشمنان بے جان شدہ زآخر سگین قطار

اس قصیدہ کا ذکر کرتے ہوئے مجمع النفائس کے مولف نے لکھا ہے کہ

"چنین قصیدہ گفتن بالقوہ دیگرے نیست"

اور یہ رائے صحیح ہے. گو آج کل کے ارباب ذوق کے لیے لزوم ما لا یلزم کی مذکورہ بالا شکل صنعت مین کوئی شاعرانہ دلکشی نہین.

استاد خسرو کسی اور سلطان کی مدح مین ان کے کسی اور قصیدہ کا کہین ذکر نہین، اس لیے خیال ہوتا ہے کہ بادشاہون کی مداحت پسند نہین کرتے تھے، اور جب ان کے فنی کمالات کی شہرت ہر طرف پھیلی تو ارباب علم خود ان کے گرد جمع ہو گئے. اور وہ سرچشمۂ فیض بن کر سب کو سیراب کرتے رہے، اس زمانہ کا مشہور اور ممتاز شاعر ملک الکلام فخر الملک عمید تولکی ان کو استاد کے لقب سے یاد کرتا ہے[۱] سلک السلوک اور طوطی نامہ کے مشہور مؤلف حضرت مولانا ضیاء الدین نخشبی ان کے شاگردون مین تھے[۲] امیر خسرو نے اپنی غیر معمولی خداداد استعداد وصلاحیت کی بنا پر کسی کو اپنا استاد بنانا پسند نہین کیا، شروع مین بطور خود کہتے رہے، پھر کسی استاد سے مشورہ لینے کے بجائے اساتذہ کے دواوین کو سامنے رکھکر ان کا تتبع کرتے تھے لیکن جب سخنوری و زمزمہ سنجی کے شباب پر پہنچے تو مولانا شہاب الدین کو اپنا کلام دکھانے لگے، جو مولانا شہاب کی علمی و ادبی فضیلت کا سب سے بڑا ثبوت ہے. اپنی مشہور و معروف مثنوی ہشت بہشت کے خاتمہ مین امیر خسرو نے اعتراف کیا ہے کہ یہ کتاب شہاب کی اصلاح یافتہ ہے[۳] چنانچہ فرماتے ہیں:

من بہ و عرض کردہ نامۂ خویش　　او بہ اصلاح راندہ خامۂ خویش

دید ہر نکتہ را رقم برقم　　رنج بر خود نہاد و منت ہم

[۱] منتخب التواریخ جلد اول ص ۰، [۲] نزہۃ الخواطر جلد اول ص ۱۶۰

نظر تیز کرد موئے شگاف ‌ ‌ ‌ نے بسیا نظارۂ بگزاف

امیر خسرو کا بیان ہے کہ مولانا شہاب نے دشمن بن کر اس مثنوی کی غلطیان دیکھیں، گو دوستون کی طرح اس کو پسند بھی کیا،

گرچہ چون دوستان پسندیدہ ‌ ‌ ‌ لیکن از چشم دشمنان دیدہ

دیدۂ خصم عیب کوش بود ‌ ‌ ‌ دیدۂ دوست عیب پوش بود

دید چو دشمنان درین دفتر ‌ ‌ ‌ تا ہمہ عیب آمدش بنظر

چون ہمہ عیب دید دشمن وار ‌ ‌ ‌ شست چون دوستان آئینہ دار

کلک او تیر راست راگماشت ‌ ‌ ‌ کہ درین روضہ آہوئے نگذاشت

پھر بڑی صفائی سے اقرار کرتے ہین:

شمع من یافتہ ضیا از وے ‌ ‌ ‌ مس من گشتہ کیمیا از وے

امیر خسرو مولانا شہاب کی بتائی ہوئی غلطیون کو ادب سے قبول کرتے تھے کہتے ہین:

ہرچہ او گفت من نہادم گوش ‌ ‌ ‌ برکشیدہ مگس ز شربت نوش

وانچہ نبود من بجستم پے ‌ ‌ ‌ عیب آن بر من ست نے بروے

گر بماندہ ز تشنہ اش جائے ‌ ‌ ‌ بے خسے نیست ہیچ دریائے

ان اشعار کی بنا پر مولانا شبلی لکھتے ہین کہ امیر بڑے مقلد نہ تھے، جہان ان کو اصلاح کی وجہ سمجھ مین نہیں آتی تھی، وہان استاد کی رائے تسلیم نہین کرتے تھے، گو ادب کا پاس اب بھی ملحوظ رکھتے تھے ع:

عیب آن بر من ست نہ بر وے

آخری اشعار مین بھی مولانا شہاب الدین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنی مثنوی کو ختم

کر دیتے ہیں جن سے بقول مولانا شبلی یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی پانچوں مثنویاں شہاب کی اصلاح دادہ ہیں،

صد ہزار آفرین بر آن دل پاک | کہ بردن بروزین چمن خاشاک
انچہ او دید تا نہایت دید | خس دخارے ز گلشنے بر چید
آنچہ ماند از نظر بہ پردہ نہان | ہم نہان دار دش خدائے جہان
یارب او چون ز پنج نامہ من | بردہ بیرون خطائے خامہ من
نامہ او کہ حرز جانش باد | در قیامت خط امانش باد

ان اشعار کو پڑھ کر یہ کہنے میں تامل نہیں کہ خود امیر خسرو نے مولانا شہاب الدین کو اپنا مشفق استاد تسلیم کیا ہے اور ان کو اپنی شمع شاعری کا منور کرنے والا اور اپنے مس خام کو کندن بنانے والا کیمیا قرار دیا ہے۔

شمع من یافتہ ضیا از وے | مس من گشتہ کیمیا از وے

چنانچہ مولانا شبلی رقمطراز ہیں کہ کیا عجیب بات ہے کہ وہ استاد جس کے دامن تربیت میں خسرو جیسا شخص پل کر بڑا ہوا، آج اس کا نام و نشان تک معلوم نہیں ہے[1]

لیکن ڈاکٹر محمد وحید مرزا (ریڈر شعبۂ عربی لکھنؤ یونیورسٹی) نے اپنی محققانہ اور فاضلانہ کتاب دی لائف اینڈ ورکس آف امیر خسرو میں مولانا شہاب الدین مہمرہ کو امیر خسرو کا استاد تسلیم نہیں کیا ہے چنانچہ کتاب کے دیباچہ میں شہاب مہمرہ یا متمرہ کا ذکر کیا ہے لیکن ان کی استادی اور امیر خسرو کے تلمذ کی کوئی تصریح نہیں کی ہے۔ بلکہ ایک اچھا شاعر کہکر ان کا ذکر ختم کر دیا ہے۔ پھر اس کتاب کے صفحہ ۳۳ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ مولانا شبلی نے شعر العجم میں یہ لکھا ہے کہ خسرو مولانا شہاب الدین کے شاگرد ہو گئے تھے لیکن ۔۔ (مولانا شبلی) اس غلط نتیجہ پر خسرو کے بعض ان اشعار کی بنا پر پہنچے ہیں جو انہوں نے مولانا شہاب کے متعلق کہے ہیں آگے چل کر ص ۱۴۳ پر علاء الدین خلجی کے عہد کے شعراء کا ذکر کرتے

---

[1] شعر العجم حصہ دوم ص ۱۴۵

ہوئے ڈاکٹر صاحب فرماتے ہین۔ ان مین سے بہت سے شعرا صاحب دیوان بھی ہوئے، یعنی انھون نے اپنے کلام کے مجموعے مرتب کیے۔ ان مین ایک شہاب الدین[۱] بھی تھے جن کی تعریف خسرو نے خاص طور پر کی ہے، اور ان کو عربی زبان کا عالم بھی بتایا ہے، اور متعدد بار ان سے اپنی شعر و شاعری سے متعلق مشورے بھی کیے ہین۔ لیکن ہم تک ان کی کوئی تصنیف نہین پہنچی ہے، اس لیے ان کی شخصیت کا پتہ چلانا مشکل ہے۔ اس تحریر پر ڈاکٹر صاحب کا یہ حاشیہ ہے کہ یہ غالباً وہی ہین جن کو برنی اور فرشتہ نے عہد علائی کے شعرا مین شہاب صدر نشین لکھا ہے۔ لیکن ان کے بارہ مین کچھ بھی معلوم نہین، خسرو انکو اکثر امام کے لقب سے یاد کرتے ہین، جس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ وہی شہاب الدین تھے جو نظام الدین اولیا کے امام تھے، (سیر الاولیا، ص ۲۹۰، ۲۹۲) لیکن وہ کوئی مشہور شاعر نہ تھے۔ حضرت نظام الدین اولیا کے معاصرون مین اجودھن کے خواجہ فرید کے صاحبزادے کا اسم گرامی بھی شہاب الدین ہی تھا (سیر الاولیا ص ۱۸۶-۸۰) پھر ص ۱۵۶، اور ۲۰۳ پر مولانا شہاب الدین کا ذکر امیر خسرو کے دوستون مین کیا ہے، ص ۲۰۳ پر امیر خسرو ہی کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہین کہ مثنوی ہشت بہشت پر ان کے دوست شہاب الدین نے نظر ثانی کی، جو بہت بڑے عالم تھے، ص ۲۱۸ پر ان کو امیر خسرو کا سرپرست بھی لکھا ہے۔

ڈاکٹر صاحب امیر خسرو سے متعلق تمام معلومات فراہم کرنے مین شاید کچھ ایسے مشغول رہے کہ مولانا شہاب الدین کے بارہ مین زیادہ چھان بین نہ کرسکے، ورنہ وہ بھی اسی نتیجہ پر پہنچتے کہ دراصل شہاب الدین مہمرہ ہی مولانا شہاب الدین تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے دیباچہ مین لکھا ہے کہ خسرو نے شہاب الدین مہمرہ کی تقلید مین بھی بعض قصائد کہے ہین، اور ان کو یہ بھی اعتراف ہے کہ ایک شاعر شہاب الدین سے متعدد بار امیر خسرو نے شاعری کے متعلق مشورہ بھی کیا ہے، اور پھر وہ یہ بھی کہتے ہین کہ شہاب الدین سے ہشت بہشت پر نظر ثانی کرائی، اسی شاعر کو امیر خسرو کا سرپرست بھی تسلیم کیا ہے، پھر

---

[۱] امیر خسرو کا بیان ہے کہ شہاب الدین نے اپنے کلام کا مجموعہ مرتب نہین کیا

Marfat.com

جس شہاب الدین کا ذکر بار بار کیا ہے اس کو شہاب الدین مہمرہ تسلیم کرنے اور امیر خسرو کا استاد ماننے مین عذر کیون ہے۔ مولانا شہاب الدین مہمرہ اپنے علمی و ادبی پایہ کی وجہ سے اپنے عہد کے غالباً تمام شعرا کے استاد تھے۔ اسی لیے فرشتہ نے عہد علائی کے شعراء کی فہرست مین ان کو شہاب الدین صدر نشین کے لقب سے یاد کیا ہے۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے ان کو استاد الشعراء لکھا ہے۔[1] ڈاکٹر اقبال حسین (لکچرر پٹنہ یونیورسٹی) نے بھی ان کو اپنی کتاب "ہندوستان کے قدیم فارسی شعراء" مین امیر خسرو کا استاد ہی تسلیم کر کے ان کی شاعری پر تبصرہ کیا ہے۔

گمنامی: ایسے باکمال شاعر پر گمنامی کا پردہ پڑا رہنا تعجب انگیز ہے۔ اس کے متعدد اسباب ہین۔ (۱) ایک تو یہ کہ وہ شاہی دربار سے مستقل طور پر وابستہ نہین ہوئے اور عام طور سے مورخون اور تذکرہ نویسون نے ان ہی شعراء کو زیادہ اچھالا ہے، جو دربار سے متعلق تھے (۲) دوسرے شہاب الدین مہمرہ نے اپنے کلام کا مجموعہ مرتب نہین کیا، جیسا کہ اوپر ہم امیر خسرو کے ایک بیان مین واضح کر چکے ہین۔ گو ان کا منتشر اور متفرق کلام ہر زمانہ مین شوق سے پڑھا گیا۔ گیارہوین صدی ہجری مین تقی اوحدی مولف عرفات العاشقین نے ان کے تقریباً سات سو بکھرے ہوئے اشعار جمع کئے۔ اور اس کا یہ بھی بیان ہے کہ اس کے عہد مین بھی تمام ارباب نظر مولانا شہاب الدین مہمرہ کو اساتذۂ فن مین شمار کرتے تھے۔ اس کے اصلی الفاظ یہ ہین،

"گویندے از شعرائے بزرگوار سواد ہندوستان است و این صحیح است"

مولانا شہاب الدین کے گمنام ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ جب امیر خسرو کی شاعری کا آفتاب نصف النہار کو پہنچا تو تمام شعراء ستارون کی طرح ماند پڑ گئے۔ منتخب التواریخ مین مولانا عبدالقادر مولانا شہاب الدین مہمرہ کے ذکر مین فرماتے ہین:

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۱۲۲ [2] منتخب التواریخ جلد اول ص ۱۰۰

"چون کلام متقدمین بعد از ظہور کوکبۂ خسرو شاعران حکم وجود ستارہا دہ وقت ارتفاع اعلام نیر اعظم پیدا کردہ، و مانند سبعیات ہنگام نزول وحی منزل بر خیر البشر و سید عالم علیہ السلام در پردہ توازی ماندہ از انہا کم می گویند و می نویسند، بلکہ نمی نمایند" (جلد اول ص ۱۷۰)

تذکرہ نویس اور مورخین امیر خسرو کے ساتھ حسن سجزی کے کلام کا تو ذکر کرتے ہیں لیکن ان ارباب کمال کی شاعری میں ان کو کچھ ایسی لذت و کیفیت محسوس ہوتی ہے کہ اس عہد کے بقیہ اور تمام شعرا کو وہ نظر انداز کر دیتے ہیں، ملا عبد القادر امیر خسرو و میر حسن کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:-

"در آن عہد اگرچہ شعرائے دیگر صاحب دواوین بودہ اند، اما با وجود این دو بزرگوار ذکر انہا خوش نمی آید ع :-

چون آفتاب بر آید ستارہا عام است" (ج ا ص ۲۰۰،۱۷۰)

لیکن درحقیقت مولانا شہاب مہمرہ کی حیثیت ایک ستارہ کی نہ تھی، خود ملا عبد القادر بدایونی نے ان کو "شہسوار میدان بلاغت" اور "استاد الشعرا" کہا ہے، امیر خسرو نے نہ صرف شاعرانہ انداز میں ان کے ادبی و علمی کمالات کی مدح سرائی کی ہے، بلکہ جس طرح انھوں نے خاقانی، انوری، ظہیر فاریابی اور کمال اصفہانی کے تتبع میں قصائد کہے، اسی طرح مولانا شہاب مہمرہ کی تقلید میں بھی زور طبع دکھا کر ان کو اساتذۂ فن میں شمار کیا ہے، امیر خسرو کا ایک مشہور شعر یہ ہے:[1]

در بداؤن مہمرہ سرمست بر خیزد ز خواب گر بیاید غلغلہ مرغان دہلی زین نوا

پہلے کہا جا چکا ہے کہ امیر خسرو نے مولانا شہاب الدین کو سلیمان ممالک سخن بھی کہا ہے، جہانگیر کے زمانہ میں میر عضد الدولہ نے فرہنگ جہانگیری لکھی، تو اس میں اور اساتذہ کی طرح مولانا شہاب کے بھی اشعار جا بجا سند میں پیش کیے۔

---

[1] وسط الحیات مثنوی میں خسرو ایک سفر کے دوران میں مولانا شہاب کو اس طرح یاد کرتے ہیں،

بکے سپہر دقائق شہاب و بن کہ بصدق حرامت علم گرا دراست فضل بر فضلا،

عرفات العاشقین کا مؤلف مولانا شہاب کی تعریف مین رطب اللسان ہے۔

"شاہ سخن پردازیست کہ در عرصہ فکرت رابیتان سمند معنی را پیادہ رخ برخ نہادے بل در شطرنج مقاومت وفیل فرزین طرح دادی۔"

مجمع الفصحا مین ہے :-

"وے از حکماء، فضلاء وشعراء متقرر مشہور معروف زمان خود محسوب می شدہ، بطبع عالی و ذہن متعالی داشتہ .... در زمان سلطان رکن الدین فیروز بن سلطان شمس الدین التمش سرآمد فاضل عہد بودہ"

مجمع النفائس کے مؤلف سراج الدین علیخان آرزو نے بھی تسلیم کیا کہ :

"وی (یعنی شہاب الدین مہمرہ) از شعراے بزرگ ہندوستان است"

موجودہ دور کے اہل قلم مین پروفیسر عبدالغنی نے اپنی انگریزی کتاب "پری مغل پرشین ان ہندوستان" مین لکھا ہے کہ شہاب الدین مہمرہ کے قصائد ایران کے سرآوردہ شعراء فرخی، خاقانی، انوری وغیرہ کے ہم پلہ ہین، یہ رائے اس لحاظ سے بے شک قابل قبول ہے کہ مولانا شہاب الدین مہمرہ ان باکمال شعراء ہی کی طرح قادر الکلام تھے، گو مولانا کے طرز ادا اور اسلوب بیان کی نوعیت ان شعراء سے مختلف تھی، البتہ پروفیسر موصوف کی اس رائے سے پورا اتفاق ہے کہ مہمرہ کے قصائد اس بات کا بہترین ثبوت ہین کہ ہندوستان کے ارباب فن نے فارسی ادب کو کس طرح فروغ دیا۔

کلام شہاب

مولانا شہاب الدین کے دیادہ سے زیادہ اشعار منتخب التواریخ اور عرفات العاشقین مین نظر سے گذرے، کچھ اشعار مجمع النفائس، خلاصۃ الاشعار اور مخزن الغرائب مین بھی ہین، ان ہی نمونون کو دیکھکر ہم ان کے کلام پر ایک نگاہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہین۔

مولانا شہاب الدین مہمرہ کی قصیدہ نگاری مین بعض بالکل ہی نئی باتین پائی جاتی ہین، مثلاً وہ

Marfat.com

بعض اوقات تین چار الفاظ لے لیتے ہین، اور ان کو ہر شعر مین دہرا کر قصیدہ نگاری کی لفظی صنعت کا کمال دکھاتے ہین، اور اس مشکل صنعت کے ساتھ قصیدہ کی فصاحت و بلاغت مین فرق نہین آنے پاتا، بلکہ ان کی جدت طبع، لطف زبان اور انداز بیان مین یکسان لطف حاصل ہوتا ہے، تقی اوحدی نے عرفات العاشقین مین ان کے اس وصف کی داد اس طرح دی ہے،

درشعر وے صنائع و بدائع و بسیار فصاحت و بلاغت بے شمار است و در اکثر قصائد التزامات مشکلہ غریبہ بکررنمودہ و نہایت قدرت بصد ظہور رسانیدہ۔"

اس کی ایک مثال اوپر گذر چکی ہے، اسی طرح کا ایک اور قصیدہ حمد و نعت مین کہا گیا ہے، اس مین "مور" اور "موے" کے الفاظ ہر شعر مین آئے ہین، کچھ اشعار ناظرین کی ضیافت کے لیے پیش کیے جاتے ہین:

از زبان گرچہ شگافم موے ہنگام بیان | در ثنائے حق ز حیرت ہمچو مورم بے زبان
در پئے زنجیر مویان پر برید از ہوس | بستہ ام بسیار چون موران ز دل جان برمیان
وز برائے مور چشمان شکر لب در خیال | سفتہ ام موے سخن صد رہ ز روئے امتحان
تا ذخیرہ باشدم چون مور اندر مدح او | مو دو نیمہ کردم و یک مو ندید از کس نشان
بعد ازین چون مور بندم بر در بے چون کمر | وز بن ہر موے توفیقش کشایم صد زبان

پورا قصیدہ عرفات العاشقین مین درج ہے جس مین تقریباً ۵۰ اشعار ہین، منتخب التواریخ (جلد اول ص ۹۰-۹۶) مین بھی یہ قصیدہ ملے گا، گو اس مین کچھ کم یعنی ۴۴ اشعار ہین،

اپنی قادر الکلامی کے اظہار کے لیے مولانا شہاب الدین ہر قصیدہ مین کوئی نہ کوئی جدت ضرور پیدا کرتے ہین، چنانچہ مجمع النفائس کے مؤلف کا بیان ہے،

"فضلائے عصر بود۔ در ہر قصیدہ طرز خاصے دارد...... قدرت او از آنہا معلوم می شود۔"

Marfat.com

بعض قصائد ایسے بھی کہے ہیں جن میں خاص خاص حرف کے الفاظ مطلق استعمال نہیں ہوئے ہیں، مثلاً حسب ذیل قصیدہ کے ۴۳ اشعار کے کسی لفظ میں الف استعمال نہیں ہوا ہے۔ طوالت کے خیال سے ہم پورے قصیدہ کو نقل کرنے سے قاصر ہیں۔ اس لیے اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:-

منہ بہ برگ سمن پیش لالہ و عنبر	ز مشک سودہ مکن گرد نسترن چنبر
بلند حقہ پسد ز رشتہ لولو	مپوش تختۂ نقرہ بہ حلقۂ عنبر
محیط دولت گردوں سوئے کہ پیش کفش	چو رود خشک بود فیض دجلہ و کوثر
چو چوب عود بسوزد سپہر مجمرہ شکل	ز کوزہ سخطش گر جہد یکی شرر
ز شرم گوہر لفظ تو در دل معدن	نشستہ صد عرق شرم بر رخ گوہر

اسی صنعت میں سلطان رکن الدین کے دربار کے ایک امیر بہاء الدین کی شان میں بھی ایک قصیدہ ہے۔ اس کے کچھ اشعار ہدیۂ ناظرین ہیں۔

نسب چو مہر بجود و کرم شدہ مشہور	علوی قدر تو برتر ز گنبد معمور
نسیم خلق تو در حد شش جہت موصوف	بلند حیثیت تو در بزم فلک مشہور
محیط علم و خرد بہم بہاء دین کز تو	حدیث خلق حسن گشت در زمین مذکور
نسیم طبع تو بر حرف معدلت موصوف	محیط کف تو بر فیض مکرمت مقصور
ز قدر تست معظم نمودہ مسند ملک	ز فر تست مقدس شدہ تجلی طور
مطیع حکم تو در شرق و غرب ترک و عرب	زمین عدل تو در بحر و بر وحوش و طیور
چو بحر و گنج بہر خطہ جود تو موصوف	چو بخت و عقل بہر بقعہ سعی تو مشکور
تو بے نظیر بے عدیل وکس ز ہند نیز	عدیل عدل تو ہرگز نگر بود ز نشور

ہندوستان میں اس قسم کے قصائد مصنوع کے لکھنے کا سہرا مولانا شہاب الدین ہی کے سر ہے۔

Marfat.com

خلاصۃ الاشعار کے مؤلف نے لکھا ہے کہ ان کے قصائد مصنوع ایران کے حکیم ابو علی جبائی کے قصائد کے ہم پلہ قرار دیے جا سکتے ہیں،

ہندوستان کے شعراء میں حمد و نعت میں قصائد کہنے کی اولیت بھی غالباً مولانا شہاب ہی کو حاصل ہوئی[1]۔ ان سے پہلے شعراء سلاطین، وزراء اور امراء کی مدح سرائی میں قصیدہ نگاری کا سارا زور صرف کرتے تھے۔ لیکن مولانا شہاب نے حمد و نعت میں قصائد کہکر اس صنف شاعری میں مذہبی رنگ بھی پیدا کیا، حمد کے کچھ اشعار ہم پہلے نقل کر چکے ہیں، اب ایک نعتیہ قصیدہ کے کچھ اشعار نقل کیے جاتے ہیں،

شہ تخت کن محمد کہ سرادق شرف زد | بسوے در نہیمن ز سراے ام ہانی
بشرے ملک لطافت فلکی زمین تواضع | چو فلک بہ پاک جسمے چو ملک بہ پاک جانی
گہرے کہ بود جایش بخزانۂ الٰہی | قمرے کہ تافت نورش ز سپہر جاودانی
گہرے کہ قیمتی تر ز وجود او نیاید | بدلالت عناصر ز محیط آسمانی
قمرے کہ ہر سحرگہ چو شب سیاہ گیتی | ز خجالت عقیقش رخ کوکب یمانی
شکرین زبان رسولے کہ بود نجات امت | بعقیدۂ زبانش ز عقیلۂ زبانی
گہرین بیان فصیحے کہ فصاحت بیانش | چو ضمیر کان کند خون دل گنج شایگانی
ز جمال عارضش کم رخ آفتاب شرقی | ز قوام قامتش خم قد سرو بوستانی
بحساب گرفتہ رہ مالک الرقابی | بکلام برکشادہ در صاحب القرانی
جذبات شوق باطن بمکاشفت کشیدہ | ز بسیط کائناتش بہ محیط لامکانی

[1] ڈاکٹر اقبال حسین رقمطراز ہیں "ابو الفرج رونی اور مسعود سعد سلمان کے قصائد شروع سے آخر تک پڑھ جاؤ، شہاب سے پہلے ہندوستانی شعراء کے کلام کا غور سے مطالعہ کرو، تم کو ایک قصیدہ بھی حمد یا نعت میں نہیں ملے گا، (ہندوستان کے قدیم فارسی شعراء ص ۲۹۶) منتخب التواریخ جلد اول ص ۹۰، ۹۱ کی ہے، جو کتابت و طباعت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔

Marfat.com

اس کے بعد خلفائے راشدین یعنی حضرت ابوبکرؓ (ابن ابوقحافہ) حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کا بھی ذکر ہے، جس مین تھوڑی سی ان کی منقبت بھی آگئی ہے۔

برنوید دوست جانش شدہ مست برامیدش | پسرابوقحافہ زدہ قحف دوستگانی
ربطی بناگندہ سخنش قضائے حق را | شدہ از پئے سیاست عمرش بعدل بانی
قدم سیوم درین رہ زپیش نہادہ مردے | کہ نزد غرور راہش بمتاع این جہانی
شدہ رکن چارمینش علی آنکہ بدگرکین | زشعاع ذوالفقارش رخ مہر زعفرانی
ملکا بحق یاران کہ مرا بیاری خود | زبلائے یار نادان ہمہ عمر را رہانی
زمن آنکہ این قصیدہ طلبید بادجانش | چو قصیدہ ام مزین بجواہر معانی

پورے قصیدہ مین بلاغت بھی ہے اور فصاحت بھی، الفاظ کے دروبست سے قصیدہ مین بڑی کیفیت پیدا ہو گئی ہے، شاید مولانا شہاب کے اسی قسم کے کلام کو دیکھ کر مخزن الغرائب کے مؤلف نے لکھا ہے کہ

"او فاضل وقت خود بود وطبعی موزون و شعرے چون درمکنون داشت"[۱]

ان قوافی کی دل آویزی سے متاثر ہو کر امیر خسرو نے اپنے استاد کے شاید تتبع مین ایک پرکیف غزل لکھی ہے۔ گو اس کی بحر مختلف ہے، ناظرین بھی اس غزل کے دو چار شعر سے لطف اٹھائین۔

ہم از جمال ساقی زشراب ارغوانی | کہ بیار تشنہ ام من نہ بآب زندگانی
تن من چو موم از آتش بگداخت در فراقت | بدلے چو سنگ خارا تو ہنوز ہمچنانی
چو نوید عشق دادی دل مردہ زندہ گردد | کہ غذائے روح باشد غم دوستان جانی
مشو از صبا مشوش زنفیر دردمندان | چو زغائبان مجلس خبرے بما رسانی

---

[۱] مخزن الغرائب قلمی نسخہ ورق ۱۹۲۔

امیر خسرو اور عمید الدین سنامی نے استاد وقت مولانا شہاب کے تتبع مین حمد و نعت مین کئی قصائد کہے ہین، جن کا ذکر کسی اور موقع پر آئے گا۔

حمد و نعت مین تصوف کے مسائل کا آنا ناگزیر ہے، اس لیے ظاہر ہے کہ مولانا شہاب کے قصائد مین صوفیانہ رنگ بھی لامحالہ پیدا ہو گیا جس کی بنا پر ڈاکٹر اقبال حسین کا خیال ہے کہ مولانا شہاب ہی کو یہ اولیت حاصل ہے کہ انھون نے قصائد کو تصوف سے روشناس کیا، لیکن ہم کو مولانا شہاب کا کوئی ایسا قصیدہ نہین ملا جس مین انھون نے تصوف کے معارف و حقایق کا مستقل ذکر کیا ہو، البتہ ان کے حمد و نعت کے قصائد سے ان کے صوفیانہ جذبات کا ضرور اظہار ہوتا ہے، پروفیسر عبد الغنی رقمطراز ہین کہ مولانا شہاب کے جو اشعار تذکرون مین پائے جاتے ہین، ان مین زیادہ تر اخلاقیات اور روحانیات کا درس ہے، جو اپنے تخیلات کی رفعت اور اسلوب بیان کی شوکت و جزالت کے لحاظ سے بے مثل ہین، اور یہی قصیدہ گوئی کے محاسن ہین، تصوف کا اخلاق و روحانیت سے گہرا تعلق ہے، اس لیے مولانا شہاب کے کلام مین اخلاق و روحانیت کا عنصر بھی ہے، لہذا پروفیسر عبد الغنی نے جو کچھ کہا ہے، اس کو تسلیم کرنے مین کوئی تامل نہین، البتہ مولانا شہاب کا سارا کلام دستیاب ہو جاتا تو اور بھی وثوق کے ساتھ اس رائے سے اتفاق کیا جا سکتا تھا، کیونکہ مولانا شہاب کے علم و فضل سے توقع بھی یہی کی جا سکتی ہے کہ انھون نے شاعری کو محض ذریعۂ تفریح نہین بنایا ہوگا، بلکہ خوشامد اور مداحی سے الگ ہو کر عشق حقیقی کی آگ سے دل کو گرمانے اور پند و موعظت سے اخلاق کو منوانے کی بھی کوشش کی ہوگی،

لیکن پروفیسر عبد الغنی نے نہ جانے یہ بات کیسے لکھ دی کہ عرفی نے ہندوستان آنے پر شہاب کے طرز نگارش اور تخیلی رجحان کا تتبع کیا۔ وہ بھی لکھتے ہین کہ مہمرہ کے قصائد مین جو زندگی کے مقاصد و نصب العین اور ذہن کی توانائیان ہین، وہ عرفی کے قصائد مین بھی بکثرت ہین، جس نے مہمرہ ہی کی طرح لمبے لمبے قصائد لکھے، یہ تو صحیح ہے کہ عرفی کے بعض قصائد مہمرہ ہی کی طرح طویل ہین لیکن طرز نگارش اور تخیلی رجحان مین دونون کا موازنہ کرنا ایک بیکار سی بات ہے۔ جہانتک وقت پسندی، زور کلام، طرز ادا کی جدت اور سنگلاخ زمینون مین

Marfat.com

طبع آزمائی کا تعلق ہے، شہاب اور عرفی میں تھوڑا سا موازنہ ہو سکتا ہے، گو انکی بھی نوعیت بالکل جدا اور مختلف ہے، عرفی نے اپنے مضامین کے زور اور اسلوب بیان کے اچھوتے پن میں الفاظ کی شان و شوکت، بندش کی چستی خیالات کی رفعت، استعارات اور تشبیہات کی طرفگی، اور فصاحت و بلاغت کا ایسا زور و شور دکھلایا کہ وہ ایک طرز خاص کا موجد بن گیا جس سے مولانا شہاب کے قصائد کو کوئی مناسبت نہیں، مولانا شہاب اپنے عہد کے مسلم الثبوت استاد ضرور تھے، جیسا کہ ہم پہلے دکھلا چکے ہیں لیکن بقول پروفیسر محمود شیرانی مرحوم "شہاب کا انداز، علمیت، سنگلاخ زمین، صنعت لزوم مالایلزم و دیگر صنائع ہیں، یہ رنگ جو زیادہ تر چھٹی ساتویں صدی میں مرغوب طبائع تھا، دسویں صدی میں عرفی اور اس کے معاصرین کو کیوں پسند آنے لگا۔"[1]

پروفیسر عبدالغنی نے یہ بھی لکھا ہے کہ مہرہ کے کردار کی شرافت اور دنیا سے بے نیازی نے ان کو سلاطین کے سامنے جھکنے سے باز رکھا، اس لیے محض روپے کی خاطر انھوں نے کسی کی مدح نہیں کی، یہ صحیح ہے کہ مولانا شہاب نے سلطان رکن الدین فیروز شاہ اور اس کے بعض درباری امرا کی شان میں کچھ قصیدے ضرور کہے لیکن یہ قصائد ان کی کم عمری کے زمانہ کے ہیں، ان کے علم و فضل کے شہرہ کے بعد واقعی ان کی جبین نیاز کسی کے آستانہ پر نہیں جھکی، مگر پروفیسر موصوف کا بیان بھی تعجب انگیز ہے کہ گو عرفی ہندوستان دولت کی تلاش ہی میں آیا، لیکن شہاب مہرہ کی طرح اس نے قصیدہ گوئی کو اپنا پیشہ نہیں بنایا، اور نہ انعام کی طلب میں وہ سلاطین و امرا کے دربار کا مشتاق رہا، پروفیسر موصوف نے حاشیہ میں خود ہی لکھا ہے کہ عرفی نے شہزادہ سلیم (جہانگیر) حکیم ابوالفتح، عبدالرحیم خانخاناں اور اکبر کی شان میں قصیدے کہے جن کی سرپرستی نے اس کو دوسروں سے بے نیاز کر دیا، تو پھر اس کو دوسرے امرا و سلاطین کے درباروں میں جانے کی ضرورت ہی کیا رہ گئی، یہ اور بات ہے کہ اس نے اپنے غرور، کم بینی اور خودستائی میں مختلف درباروں کی ناصیہ سائی کا اظہار پسند نہیں کیا، یہ ضرور ہے کہ وہ قصیدہ گوئی کو اچھا پیشہ بھی نہیں سمجھتا تھا۔

ع قصیدہ کار ہوس پیشگان بود عرفی

[1] رسالہ اردو جنوری ۱۹۳۳ء

لیکن پھر بھی وہ برابر قصیدے ہی کہتا رہا، اور اس کا نام آج تک اس کے قصیدوں ہی کے بدولت روشن ہے۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ اس نے اپنے قصیدوں میں ادنیٰ درجہ کی بھی مداحی اور چاپلوسی کا اظہار نہیں کیا ہے' بلکہ مضمون آفرینی اور نازک خیالی کے ساتھ بڑی خودداری کا ثبوت دیا ہے، اور بقول مولانا شبلی "عرفی نے قصائد میں جس قسم کی خودداری کے خیالات کی ابتدا کی تھی، اگر اس کی طرف عام خیالات کا میلان ہو گیا ہوتا، تو شاید یہ صنف کسی اچھے کام کا مصرف بن جاتی"۔ (شعر العجم حصہ سوم ص ۱۱۴)

جہاں تک قصیدہ گوئی سے اچھے کام کا مصرف لینے کا تعلق ہے، ہندوستانی شعرا میں یہ اولیت مولانا شہاب ہی کو حاصل ہے، کہ انھوں نے قصیدہ کو حمد و نعت، اخلاق و تصوف سے روشناس کر کے اس صنف میں ایک نیا رنگ پیدا کیا، جس کو بعد کے شعرا نے چمکایا، اس لحاظ سے اس فن میں مذہبی، روحانی اور اخلاقی جذبات کے نشو و نما کا بھی کام لیا جانے لگا، اور اس کا سہرا مولانا شہاب ہی کے سر ہے'

ڈاکٹر اقبال حسین نے ان کے قصیدوں پر عام تبصرہ کرتے ہوئے بجا طور پر کہا ہے کہ ان کے قصیدے اب موجودہ مذاق کے مطابق نہیں ہیں لیکن جب یہ کہے گئے تو اس عہد کے تمام معاصرین نے ان کو عام طور پر پسند کیا اور اس کی تقلید کرنے کی بھی کوشش کی، یہ اپنی جدت طرازی اور دوسرے محاسن کی وجہ سے صدیوں تک مقبول رہے۔ ان میں تصنع ضرور ہے، لیکن مولانا شہاب نے اپنی جادوگری سے اس تصنع میں بھی شوکت اور رفعت پیدا کی، انھوں نے ہر قصیدہ میں ایک نئی صنعت پیش کی، جو ان کی غیر معمولی ذہنی صلاحیت کا ثبوت ہے۔ ان کے قصیدے ان کی قادر الکلامی، لفظی صناعی اور اختراع کے بہترین نمونے ہیں۔۔۔۔۔ جن کی بنا پر یہ بلا شک و شبہہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے عہد میں فارسی شاعری پر غیر معمولی طریقہ پر اثر انداز ہوئے، اور آج بھی اپنی جدت طبع اور قصیدہ گوئی پر بے مثل مہارت رکھنے کی وجہ سے یاد رکھنے کے قابل ہیں۔

اس مضمون کے شروع میں ذکر کیا گیا ہے کہ مولانا شہاب کی وفات کی صحیح تاریخ معلوم نہیں

Marfat.com

ہو سکی ہے لیکن اس "سلیمان ممالک سخن" اور "عیرت بو تمام و بحتری" کی وفات بدایون مین ہوئی اور یہین وہ پیوند خاک ہوئے۔ ان ہی کے پہلو مین ان کے شاگرد حضرت مولانا ضیاء الدین نخشبی (المتوفی ۷۵۱ھ) کا مزار شریف ہے۔[۱]

تاج الدین ریزہ اور مولانا شہاب الدین مہرہ کے شاعرانہ کمالات کی تفصیل لکھنے مین سلطان رکن الدین فیروز شاہ کی علم نوازی کا ذکر ضرورت سے زیادہ بڑھ گیا۔ حالانکہ اس کی مدت حکومت مشکل سے سات مہینے رہی، لیکن اس مختصر زمانہ مین اس کی علمی سرپرستی لائق تحسین رہی۔ اسی کے حکم سے امام رازی کی عربی تصنیف سر مکتوم کا فارسی مین ترجمہ بھی کیا گیا۔[۲] یہ سرپرستی اس کی داد و دہش کا نتیجہ ہے، جس کا ذکر تمام مورخون نے کیا ہے۔ طبقات ناصری کے مولف کا بیان ہے کہ

"در عطا و سخا حاتم ثانی بود و انچہ او کرد از بذل اموال و شرفاے وافرہ و کثرت عطایا در ہیچ عہد ہیچ بادشاہ نہ کردہ" (ص ۱۸۴)

ایسے فیاض فرمانروا کے عہد حکومت مین شعراء و فضلاء کی غیر معمولی سرپرستی کی توقع کی جا سکتی تھی، لیکن زمانہ کو کچھ اور ہی کروٹ لینا تھا۔ اس لیے ارباب علم اس سلطان کی فیاضیون اور زرپاشیون سے سیراب ہو چلے تھے کہ یکایک محروم ہو گئے۔

---

[۱] رسالہ برہان نومبر ۱۹۵۱ء [۲] رسالہ اردو جنوری ۱۹۳۳ء ص ۹۵

Marfat.com

رضیہؓ

سنہ ۶۳۴-۶۳۷ھ
۱۲۳۶-۱۲۴۰ء

سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے بعد رضیہ دہلی کے تخت پر سنہ ۶۳۴ھ میں جلوہ افروز ہوئی، وہ ہندوستان کی پہلی حکمران خاتون تھی۔ اس میں حکمرانی کے تمام اوصاف موجود تھے۔ طبقات ناصری میں ہے کہ

"بادشاہ بزرگ و عاقل و عادل و کریم و عالم نواز و عدل گستر و رعیت پرور و لشکر کش بود" (ص ۱۸۵)

ظاہر ہے کہ یہ تمام محاسن ایک خاتون میں اسی وقت جمع ہوسکتے ہیں جبکہ اس نے اعلیٰ تعلیم و تربیت بھی پائی ہو۔ سلطان شمس الدین التمش کا دربار علوم و فنون کا گہوارہ رہا، اس لیے کوئی تعجب نہیں کہ اس نے اپنے عہد کے معیار کے مطابق ہر قسم کی تعلیم پائی ہو، سلطان شمس الدین التمش نے اس میں حکمرانی کے تمام آثار پائے تھے۔ اسی لیے اس کو اپنا ولی عہد مقرر کیا، لیکن وہ التمش کے بعد تو نہیں۔ مگر اپنے بھائی رکن الدین فیروز کی چھ سات مہینے کی حکومت کے بعد تخت پر بیٹھی، یہ زمانہ ایسا تھا کہ عام طور سے لوگ کسی خاتون کی حکومت کو پسند نہ کرتے تھے۔ اس لیے اس کے اوصاف حمیدہ اس کے کام نہیں آئے، جیسا کہ طبقات ناصری کے مؤلف نے لکھا ہے۔

"چون از حساب مردان در خلقت نصیب نیافتہ بود این ہمہ صفات گزیدہ

چہ سود کشش کند" (ص ۱۰۵)

اس کی حکومت تین سال سے کچھ زیادہ رہی لیکن مورخوں نے اس کی تاریخ کچھ ایسے انداز میں لکھی ہے کہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مدت صرف انتشار میں گذری، طبقات ناصری کے مولف نے لکھا ہے کہ وہ "عالم نواز" تھی، خود مولف مذکور بھی اسکی علم پروری کے رہین منت رہے، کیونکہ ۶۳۵ھ میں وہ گوالیار سے دہلی آئے تو رضیہ نے دہلی کے مدرسۂ ناصریہ کا اہتمام ان ہی کے سپرد کیا، اس کے ساتھ گوالیار کی قضاۃ بھی ان ہی کے پاس رہی[1]، لیکن انھوں نے اپنی تاریخ میں رضیہ کی علم نوازی اور علم پروری کی کوئی تفصیل نہیں لکھی ہے، صرف "عالم نواز" لکھنے ہی پر اکتفا کیا ہے، تاریخ مبارک شاہی میں بھی اس کی علمی سرپرستی کا کوئی ذکر نہیں، البتہ عہد مغلیہ کے بعض مورخوں نے اس کے علمی اوصاف کا ذکر کیا ہے، تاریخ فرشتہ میں ہے کہ

"سلطان رضیہ ایسے تمام اوصاف سے مزین تھی جو ایک عاقل اور صاحب رائے بادشاہ کے لیے ضروری ہیں، اصحاب نظر اس میں سوائے اس کے کہ وہ عورت تھی، کوئی اور عیب نہیں پاتے تھے، وہ قرآن مجید پورے آداب کے ساتھ پڑھا کرتی تھی، اور دوسرے علوم سے بھی آگاہی رکھتی تھی، اپنے باپ کے زمانہ ہی سے ملکی معاملات میں دخل دیا کرتی اور فرمانروائی کیا کرتی تھی، سلطان (یعنی التمش) اس کی عقل، فراست اور فرزانگی دیکھ کر مانع نہ ہوتا"[2]

اس عہد کے علماء و شعراء میں سے صرف دو کے نام طبقات ناصری کے مولف نے لیے ہیں،

---

[1] طبقات ناصری ص ۱۰۰، رضیہ ہی کے زمانہ میں دہلی کے ایک دوسرے تعلیمی ادارہ کا نام مدرسۂ معزی تھا، ایضاً ص ۱۸۹، مدرسۂ ناصریہ کو غالباً شمس الدین التمش ہی نے اپنے بڑے لڑکے ناصر الدین محمود کی وفات پر اسکے نام سے قائم کیا تھا

[2] تاریخ فرشتہ ص ۶۸، واضح رہے کہ ترجمہ بالکل لفظی نہیں ہے، اس کتاب میں جہاں بھی فارسی اقتباسات کے ترجمے ملیں ان کو بھی بالکل لفظی نہ سمجھنا چاہیے۔

Marfat.com

ایک نصیر الدین ایتم بلارامی، اور دوسرا امیر امام ناصر، موخر الذکر کے نام کے ساتھ شاعر لکھا ہے۔[1] التمش کے عہد میں ہم ایک شاعر خواجہ ابو نصر ناصری کا ذکر کر چکے ہیں، اور ینٹیل کالج میگزین (مئی ۱۹۳۹ء) کے ایک مضمون نگار نے لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ یہ وہی ناصری شاعر ہو، جو بعد میں ترقی کرکے امیر اور امام کے اعلیٰ مراتب تک پہنچ گیا ہو، لیکن یہ سب کچھ ثبوت کا محتاج ہے، پہلے یہ بھی ذکر آچکا ہے کہ رضیہ جب شہزادی تھی تو تاج الدین ریزہ نے اس کی شان میں ایک قصیدہ کہا تھا، لیکن اس کی حکومت کے دور میں تاج الدین ریزہ کے کسی قصیدہ کا ذکر نظر سے نہیں گذرا، ظاہر ہے کہ سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے بعد رضیہ کی مدح سرائی کی ہوگی لیکن ممکن ہے کہ وہ سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے محبوب شاعر ہونے کی وجہ سے رضیہ کی نظروں میں معتوب رہا ہو،

علماء میں نصیر الدین ایتم بلارامی کی علمی فضیلت کا حال تو معلوم نہ ہو سکا، البتہ ان کے مجاہدانہ کارنامہ کا ذکر طبقات ناصری میں ہے، رضیہ کے اوائل عہد میں قرامطہ اور ملاحدہ نے نور ترک کی سربراہی میں دہلی میں قتل و خون کا بازار گرم کیا، تو اس وقت مولانا نصیر الدین ایتم بلارامی مسلح ہوکر گھر سے نکل کر جامع مسجد کے پاس پہنچے، اور قرامطہ اور ملاحدہ سے لڑکر ان کو کیفر کردار تک پہنچایا،[2]

---

[1] طبقات ناصری ص ۱۸۹ [2] ایضاً

معزالدین بہرام شاہ

۶۳۷-۶۳۹ھ
۱۲۴۰-۱۲۴۲ء

رضیہ کے بعد اس کا بھائی معزالدین بہرام شاہ تخت پر بیٹھا، اس کی حکومت کل دو سال ڈیڑھ مہینہ رہی، ظاہر ہے کہ اس قلیل مدت میں اس کی علمی سرپرستی کی کچھ زیادہ تفصیل نہیں ہو سکتی ہے، طبقات ناصری کے مؤلف نے اس کو ایک "خونخوار" حکمران لکھا ہے، لیکن اسی کے ساتھ اسکی کچھ خوبیاں بھی بیان کی ہیں، رقمطراز ہیں:

"......... اما چند اوصاف گزیدہ و اخلاق پسندیدہ داشت و در ذات خود شرمگین و بے تکلف بود و ہرگز از حلے و حلل کہ آئین پادشاہان دنیا باشد با خود نداشتے و در کمر و ساخت و علم باین زنہا رغبت بنمودے" (ص ۱۹۱)

معزالدین بہرام شاہ جب روز تخت پر بیٹھا تو ظاہر ہے کہ قدیم دستور کے مطابق شعراء نے اس کی شان میں بھی قصائد کہے، اس موقع پر مولانا منہاج سراج (صاحب طبقات ناصری) نے حسب ذیل قطعہ کہا۔

زہے در شان تو منزل ز لوح آیات سلطانی — ببین در رایت شاہی علامات جہانبانی
معز الدین الدنیا مغیث الخلق تا خلقی — سلیمان ساخت در فرمانت ہم انسی و ہم جانی
اگر سلطانی میراث است دودۂ شمسی — بحمد اللہ ز فرزندان توئی التمش ثانی

Marfat.com

چو دیدنت ہمہ عالم کہ برحق وارث ملکے | درت را قبلہ گر کردند ہم قاصی وہم دانی
چو منہاج سراج این امت خلعان رادعاگوتر | کہ یارب بر سر پایک دولت جاودان مانی
بعہدت راست چون نیزہ جہان گردد ہمہ ظالم | کہ جز در طرہ پرچم نہ بیند کس پریشانی

سلطان اور مولانا منہاج | سلطان مولانا منہاج سراج کا بڑا معتقد تھا ۶۳۹ھ میں مغلوں نے لاہور پر یورش کی اور وہاں کے مسلمانوں کو شہید کیا تو سلطان نے متاثر ہوکر دہلی میں اپنے محل قصر سپید میں مسلمانوں کا ایک بڑا اجتماع کیا، اور مولانا منہاج سے ایک وعظ کہنے کی فرمائش کی، مولانا ہندوستان آنے سے پہلے چنگیزی فتنہ کی تباہ کاریاں خراسان وہرات میں دیکھ چکے تھے، اس لیے اس موقع پر ایسی مؤثر تقریر کی کہ امراء آپس کے اختلاف دور کر کے مغلوں کی یورش روکنے کے لیے کمربستہ ہوگئے، اسی سال سلطان نے مولانا منہاج کو دہلی اور تمام سلطنت کا قاضی بنایا، اور بہت سی عنایتوں سے سرفراز کیا[1]

سلطان اور حضرت ایوب ترکمانی | سلطان کو حضرت ایوب ترکمانی سے بھی بڑی عقیدت پیدا ہوگئی تھی، ان کے بارہ میں مولانا منہاج فرماتے ہیں:

"درویشے ترکمان بود، ایوب نام، مردے زاہد وگلیم پوش، مدتے در قصر حوض سلطانی باعتکاف نشستہ، واز آنجا اورا بخدمت سلطان معزالدین تقرب افتاد، سلطان را بوے ارادتے پیدا شد۔"

سلطان کی گرویدگی ان سے اور بڑھی، تو وہ سلطنت کے معاملات میں بھی دخل دینے لگے، وہ جیسا کہ مولانا منہاج کا بیان ہے، قاضی شمس الدین بہرہ سے برگشتہ خاطر تھے اور ان ہی کے اشارہ سے قاضی شمس الدین ہاتھی کے پاؤں سے کچلوا دیے گئے، اگر یہ روایت صحیح ہے تو یہ درویشی

---

[1] طبقات ناصری ص ۱۹۵، نزہۃ الخواطر میں ان کو مارہروی لکھا گیا ہے، اور مارہرہ کا قاضی بنایا گیا ہے، ج ۱ ص ۱۶۷

کے شایانِ شان نہ تھا، اس سے عام طور سے سلطان کے خلاف بھی برہمی پیدا ہو گئی، سلطان سے برگشتگی کے اور بھی اسباب پیدا ہوتے گئے، یہاں تک کہ بعض امرا نے اس کو معزول کر دینے کا آپس میں عہد کیا، یہ فتنہ زیادہ بڑھا تو شیخ الاسلام سید قطب الدین نے مداخلت کرنی چاہی لیکن ان کو کامیابی نہیں ہوئی۔ فرشتہ کو سید قطب الدین کے نام سے غلط فہمی ہوئی ہے، اور وہ ان کو خواجہ قطب الدین بختیار اوشی سمجھتا ہے، چنانچہ تاریخ فرشتہ میں ہے:

...... القصہ آں فرمان را نظام الملک مہذب الدین با امرائے لشکر خود در عزل سلطان با خود متفق ساخت، چون سلطان را برین حال اطلاع افتاد، قدوۃ شیخ الاسلام خواجہ قطب الدین بختیار اوشی را بہ تکلیف تمام برائے تسلی امرا فرستادہ و امرا شیخ و بہ تسلی نشدند و شیخ برگشتہ بدہلی آمد[1]

یہ روایت اس لیے صحیح نہیں ہو سکتی ہے کہ حضرت قطب الدین بختیار کا وصال التتمش کی زندگی ہی میں ہو چکا تھا۔

سلطان کے خلاف فتنہ کو فرو کرنے کے لیے علماء و فضلا بھی بیچ میں پڑے لیکن ان کی سعی بیکار ثابت ہوئی۔ طبقات ناصری میں ہے۔

"داعی دولت منہاج سراج و ائمہ کبار شہر در اصلاح و تسکین آں فتنہ بسیار جد و جہد نمودند، بہ ہیچ وجہ قرار نگرفت" (ص ۱۹۶)

اس فتنہ میں بعض مفسدوں نے سلطان کے وزیر خواجہ مہذب الدین کے اشارے سے مولانا منہاج پر بھی قاتلانہ حملہ کرنے کی کوشش کی لیکن وہ محفوظ رہے۔ بالآخر اسی شورش کے زمانہ میں سلطان بہرام ہلاک ہوا۔

[1] طبقات ناصری ص ۱۹۶ [2] تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۷۰۔ یہی بات طبقات اکبری ج ۱ ص ۸۰ میں بھی لکھی ہے۔

جلال الدین کاشانی

اس عہد کے جید اور ممتاز علماء میں قاضی جلال الدین کاشانی کا ذکر خاص طور پر کیے جانے کے لائق ہے۔ وہ دہلی کے قاضی تھے لیکن بہرام شاہ نے ۶۳۹ھ میں انھیں معزول کر دیا[۱] اس کے بعد وہ اودھ چلے گئے، جہاں عہدۂ قضاۃ کی خدمت انجام دیتے رہے، بہرام شاہ کے بعد علاء الدین مسعود تخت پر بیٹھا، تو اس نے قاضی جلال الدین کاشانی کو اودھ سے بلاکر لکھنوتی سفارت میں بھیجا، اور وہاں بھیجنے سے پہلے ان کو خلعت اور چتر لعل دے کر ان کی قدردانی کی[۲]، وہ سلطان ناصر الدین محمود کے زمانہ میں صدر جہاں کی خدمت پر مامور کیے گئے، اور اپنی وفات (۶۴۸ھ) تک یہی خدمت انجام دیتے رہے،

علاء الدین مسعود شاہ

سلطان علاء الدین مسعود شاہ بن رکن الدین فیروز شاہ نے چار سال ایک مہینہ تک حکومت کی لیکن اس کے عہد کی تفصیل کچھ زیادہ نہیں مل سکی، اس لیے ایک علحدہ عنوان قائم کرنے کے بجائے ہم صرف چند سطروں میں اس کا بیان ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں،

مولانا منہاج

سلطان علاء الدین مسعود شاہ کی حکومت کا ابتدائی دور طبقات ناصری کے مولف مولانا منہاج کے لیے سازگار نہیں تھا، وہ اپنے عہدۂ قضاۃ سے علحدہ ہو کر[۳] ۶۴۰ھ میں لکھنوتی کے لیے عازم ہوئے، دہلی سے نکلے تو بداؤں پہنچکر تاج الدین تغلق سے ملے، وہ ان سے بڑے لطف وکرم سے پیش آیا، پھر اودھ آئے، جہاں کے حاکم قمر الدین نے بھی ان کی بڑی پذیرائی کی، اسی زمانہ میں طغان خان عز الدین طغرل لکھنوتی اپنے لشکر کے ساتھ جا رہا تھا، مولانا منہاج اپنے اہل وعیال کو اودھ میں چھوڑ کر اس سے کڑہ میں جا ملے، ذی الحجہ ۶۴۰ھ میں لکھنوتی پہنچے، یہاں دو سال تک طغان خان کے الطاف وکرم سے فیضیاب ہوتے رہے، ۶۴۲ھ میں جب طغان خان دہلی طلب کیا گیا تو مولانا منہاج

---

۱ طبقات ناصری ص ۱۹۴ ۲ ایضاً ص ۱۹۹ ۳ سلطان علاء الدین مسعود نے مولانا منہاج کی جگہ پر شیخ عماد الدین محمد شعور شقانی کو دہلی کا قاضی مقرر کیا۔

Marfat.com

اس کی معیت میں دہلی تشریف لائے۔ اس وقت الغ خان جو بعد میں غیاث الدین بلبن کے نام سے بادشاہ ہوا، امیر حاجب تھا، اس نے مولانا منہاج کی بڑی قدردانی کی، اور ان کو ان کے پہلے عہدہ پر پھر سے مامور کیا، یعنی وہ مدرسہ ناصریہ کے اوقاف کے متولی، گوالیار کے قاضی اور جامع مسجد کے خطیب بنائے گئے، اور اسی کے ساتھ ایسے اعزاز بھی عطا کیے جو پہلے کسی کو نہ ملے تھے[1] گو سلطان علاء الدین مسعود شاہ نے اپنے ابتدائی عہد میں ان کو تکلیف پہنچائی لیکن یہ ان کی نیک نفسی کی دلیل ہے کہ ان کا قلم سلطان کے اخلاق حمیدہ کی تعریف کرنے میں بالکل نہیں رکا، چنانچہ اس کا ذکر ان فقروں سے شروع کرتے ہیں،

سلطان علاء الدین مسعود شاہ پسر سلطان رکن الدین فیروز شاہ بود، بادشاہ زادہ کریم ونیکو خلق بود وبہمہ اوصاف حمیدہ موصوف " (طبقات ناصری ص ۱۹۰)

---

[1] طبقات ناصری میں خود مولانا منہاج فرماتے ہیں " واین داعی را اسپ وستام تشریف فرمودہ کہ ہیچ از ابنائے جنس مثل آن نیافتہ بود " (ص ۲۰۰)

ناصر الدین محمود

۶۴۴-۶۶۴ھ

۱۲۴۶-۱۲۶۵ء

شمس الدین التتمش اپنے بڑے لڑکے ناصر الدین محمود کو بہت ہی عزیز رکھتا تھا، مگر اس کا انتقال التتمش کی زندگی ہی میں ہو گیا تھا، لیکن جب اس کے سب سے چھوٹا لڑکا پیدا ہوا، تو اس نے اپنے بڑے لڑکے ہی کے نام پر اس کا نام بھی ناصر الدین محمود رکھا، اور اس کی تعلیم و تربیت خاص طور پر کی۔[1]

ناصر الدین محمود کی صالح اور سلیم طبیعت میں بعض ایسے پاکیزہ اوصاف پیدا ہوئے کہ مورخین نے ان کو بڑی گرم جوشی سے بیان کیا ہے۔ طبقات ناصری کے مؤلف رقمطراز ہیں کہ اس میں انبیاء کے اخلاق اور اولیاء اللہ کے اوصاف تھے۔ پھر اس کے تقویٰ، دیانت، زہد، اور عدل پروری، بردباری اور دوسرے محاسن کا ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ عہد ماضی میں ایسا بادشاہ نہیں گزرا۔ کاش ان اوصاف و محاسن کا اجمالی ذکر کرنے کے بجائے ان کی تفصیل لکھ دی جاتی تو اس بادشاہ کی سیرت کس قدر روشن اور قابل قدر نظر آتی لیکن مؤلف مذکور نے کچھ ایسا اختصار سے کام لیا ہے کہ اس نیک دل، پاک طینت اور فرشتہ خصلت بادشاہ کے اخلاق و سیرت کی تفصیل اتنی نہیں لکھی جا سکی جتنی کہ چاہیے۔ بہرحال اس معاصر تاریخ کے

۱۔ طبقات ناصری ص ۲۰۰

Marfat.com

علاوہ بعد کی تاریخوں کی مدد سے بھی اس فرمانروا کی تصویر حتی الامکان واضح کرنے کی کوشش کیجائیگی،

جب وہ تخت پر ۶۴۴ھ میں بیٹھا تو ارکان سلطنت کے علاوہ سادات و علماء نے بھی آکر اس کو مبارکباد پیش کی[1] شعراء نے بھی اس موقع پر اس کی مدح میں قصائد کہے اور انعام پائے[2]۔

طبقات ناصری کے مولف نے جو اس زمانہ کے جید عالم، قابل قدر مورخ اور بلند پایہ شاعر بھی تھے سلطان کی خدمت میں ایک قصیدہ اور قطعہ گذرانا، پہلے قصیدہ کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں:-

آن شہنشاہے کہ حاتم بذل و رستم کوشش است — ناصر دنیا و دین محمود بن التمش است

آن جہاندارے کہ سقف چرخ از ایوان او — در علو مرتبت گوئی فرو دین پوشش است

فرق فرقد سا در است و دست بلکے دولتش — فرق تاج است و نگین زیب تخت و بالش است

سکہ راز القاب میمونش چہ اندازہ است فخر — خطبہ را زاسم ہمایونش چہ پایہ نازش است

راحت دلہا است روح عہد او با روح خلق — بندگی دودمانش زانکہ در آمیزش است

چاکر ایوان او ہر جا کہ ترک و تازگی — بندۂ فرمان او ہر جا کہ بند اگرش است

وارث ملک بحق دیدش ز سلطان شمس الدین — ہر کرا زانصاف در چشم بصیرت بینش است

دولتش حاسد را در جہان صد شومت است — صولتش احباب را در ہر مکان صد رامش است[3]

قطعہ کے اشعار یہ ہیں:-

شاہ را چو نام خویشش عاقبت محمود باد — نصرت و تائید حق با عزم او مشہود باد

دوستان را زی بقا و دشمنان را زی فنا — نفع و ضر در بخشش و در کوشش موجود باد

در جہان باب امان از عدل او مفتوح باد — باب بیداری بعہدش خلق را مسدود باد

---

[1] طبقات ناصری ص [illegible] [2] تاریخ فرشتہ ج ص ۱ [3] [illegible] دیکھیے

چون مسعود شد بطالع از فلک منحوس دور | طالع او در پناه ایزدی مسعود باد
سفرهٔ ملک جهان زاد و دهٔ او شد بس | چهرهٔ اعدائے او در دیدہا چون دود باد
اہل ایمان را ز چتر و ز تیغش امن و امان آست | سایہ بان دین حق از ظل شان ممدود باد
مقصدش تو فضل حق چون تکیہ گہ دارد مدام | بے توقف شاہ را حاصل ہمہ مقصود باد
خاتم سرش چون نقش عدل و احسان یافتہ است | شاہ بخت جوان بر تاج او مشہود باد
داد و دانش بر دست احمد مبارک آمدہ است | ملک محمودی بہ میمونی مسلم زود باد
داعی این سلطنت منہاج با درد و اینہا دعا | تا کہ باد و خاک و آب و آتش است موجود باد[1]

درویشانہ زندگی | ناصر الدین محمود تخت پہ بیٹھنے کو تو بیٹھ گیا، لیکن اس کی زندگی درویشانہ رہی، اس لیے اس نے اپنے ذاتی اخراجات کا بار شاہی خزانے پر نہیں ڈالا، وہ اچھے قسم کا خطاط تھا، کلام پاک کی کتابت کیا کرتا، اور اس کا جو ہدیہ ملتا، اسی سے گذارہ کرتا، تاریخ فیروز شاہی میں ہے،

"........ سلطان ناصر الدین کہ طبقات بنام اوست بادشاہے، حلیم و کریم بود و بیشتر نفقۂ خود از وجہ کتابت مصحف ساختی" (ص ۲۶)

تقریباً انہی الفاظ کے ساتھ سیر الاولیا کے مولف نے بھی لکھا ہے کہ

"سلطان ناصر الدین کہ طبقات ناصری بنام اوست بادشاہ حلیم و کریم بود و متعبد و بیشتر وجہ معاش خود از وجہ کتابت مصحف ساختے" (ص ۹۵)

ابن بطوطہ رقمطراز ہے:

"یہ بادشاہ نہایت نیک چلن تھا، قرآن شریف کی کتابت کرکے اس کی قیمت سے گزارہ کرتا تھا، قاضی کمال الدین نے اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن شریف مجھے دکھایا، خط اچھا تھا اور

---

۱ طبقات ناصری ص ۲۰۵، ۲۰۴

Marfat.com

کتابت منتیا زھتی" (ادہ و ترجیہ ص ۲۹۰)

طبقات اکبری مین ہے کہ سلطان ناصر الدین محمود سالی مین دو کلام پاک کی کتابت کرتا اور ان ہی کے ہدیے سے اپنے اخراجات کی کفالت کرتا، ایک بار ایک امیر نے اس خیال سے کہ سلطان وقت کے ہاتھ کا لکھا ہوا مصحف ہے، اس کی قیمت معمول سے کچھ زیادہ دی، سلطان کو یہ معلوم ہوا تو اس کو یہ ناگوار گذرا، اور آیندہ وہ خفیہ طور پر اپنا لکھا ہوا مصحف بازار بھیجتا تاکہ اس کو وہی ہدیہ ملے جو عام طور سے بازار مین دیا جاتا ہے،[1]

ظاہر ہے کہ اس قلیل آمدنی مین اس کی زندگی کیسی عسرت اور تنگی مین گذرتی ہوگی، اس کے محل مین کوئی خادمہ نہ تھی، ایک روز اس کی بیوی نے اس سے شکایت کی کہ جب مین آپ کے لیے روٹی پکاتی ہون تو میرے دونون ہاتھ جل جاتے ہین، اور ان مین کبھی پڑ جاتے ہین، سلطان یہ سن کر رونے لگا، پھر اس نے یہ کہا کہ دنیا گذر جانے والی ہے، یہان اس تکلیف کو برداشت کرکے صبر کرو، قیامت مین خداوند تعالیٰ اس کے اجر مین تم کو تمھاری خدمت کے لیے ایک حور دیگا، ابھی تو مین بیت المال سے تمھارے لیے کوئی کنیز نہیں خرید سکتا، سلطان کی بیوی نے یہ سن کر اس سے اتفاق کیا،[2] واضح رہے کہ سلطان کی بیوی الغ خان (غیاث الدین بلبن) کی لڑکی تھی، یہ الغ خان وہی ہے جس کے دبدبہ و حشمت اور شان و شوکت کی کوئی حد نہ تھی،

حب رسول | اس تقوی اور کسر نفسی کے ساتھ اس پر حب رسول کا بھی بڑا غلبہ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کا زبان پر لانے مین حد درجہ احترام کرتا، اس کے ایک ندیم کا نام محمد تھا، وہ اس کو ہمیشہ اسی نام سے پکارا کرتا تھا، ایک روز اس نے اس کو تاج الدین

---

[1] طبقات اکبری ص ۷۷، منتخب التواریخ مین ج ۱ ص ۹۰ پر ہے " ... خود بخفیہ می نوشت تا کسے خط او را نداند و زیادہ از بہا نخرد" [2] منتخب التواریخ ج ۱ ص ۹۰ و طبقات اکبری ج ۱ ص ۷۷

کہہ کر پکارا، وہ آیا اور شاہی حکم کی تعمیل کر کے گھر گیا، تو تین دن تک سلطان کی خدمت میں حاضر نہ ہوا۔ سلطان نے اس کو گھر سے بلا بھیجا۔ اور اس سے غیر حاضری کا سبب دریافت کیا، تو اس نے عرض کیا کہ خداوند جہاں مجھے ہمیشہ محمدؐ کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ اس روز خلاف عادت مجھ کو تاج الدین کے نام سے پکارا گیا، تو میں یہ سمجھا کہ مجھ سے کوئی بدگمانی پیدا ہو گئی ہے۔ اس لیے میں نے اپنی صورت نہیں دکھائی۔ اور یہ تین روز میں نے بڑی بے چینی اور بے قراری میں گذارے سلطان نے قسم کھا کر کہا کہ میں تم سے بدگمان نہیں ہوں لیکن جب میں نے تم کو تاج الدین کہہ کر پکارا تھا، تو اس وقت میں باوضو نہ تھا مجھے شرم آئی کہ محمدؐ کا نام بے وضو لوں[1]۔

لینت اور مروت

سلطان کی طبیعت میں لینت اور مروت بھی انتہا درجہ کی تھی۔ ایک روز وہ کلام پاک کی تلاوت کر رہا تھا کہ ایک سائل اس کے پاس آیا۔ اس کی نظر ایک ایسی جگہ پر پڑی جہاں فیہ فیہ مکرر لکھا ہوا تھا۔ اس نے کہا کہ اس جگہ ایک فیہ زائد ہے، سلطان نے قلم ودوات لیکر ایک فیہ کے گرد حلقہ کھینچ دیا۔ اور سائل کی حاجت روائی کر کے اس کو رخصت کر دیا۔ اور جب وہ چلا گیا تو سلطان نے قلم تراش سے اس حلقہ کو مٹا دیا۔ ایک غلام کھڑا ہوا یہ دیکھ رہا تھا۔ اس نے سلطان سے پوچھا کہ ایک بار حلقہ کھینچنے اور پھر اس کو دوبارہ مٹانے میں کیا حکمت تھی۔ سلطان نے کہا کہ وہ ایک سائل کی حیثیت سے آیا تھا۔ اگر میں اس کی تردید کرتا تو وہ شرمندہ ہوتا۔ اسی لیے میں نے اس کی خاطر ایک حلقہ کھینچ دیا۔ اور پھر اس کو مٹا دیا کہ غبار دل دور کرنے سے کاغذ کے نقش کو مٹانا بہت آسان ہے[2]۔

اوصاف حمیدہ

عہد مغلیہ کے مورخوں میں ملا عبد القادر بدایونی نے لکھا ہے کہ اس سلطان کے عجیب و غریب قصے خلفائے راشدین کے حالات زندگی سے ملتے جلتے ہیں، اس نے گو

[1] تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۴، [2] ایضاً

Marfat.com

بائیس[1] برس تک حکومت کی لیکن زندگی میں درویشانہ شان برابر قائم رہی، دربار عام میں آتا تو شاہانہ لباس میں ملبوس رہتا لیکن دربار ختم کرنے کے بعد اپنے پھٹے پرانے کپڑے میں لیتا[2] تھا۔ بڑی بڑی فوجی مہم میں بھی شریک ہوا، لیکن اس کا زیادہ تر وقت عبادت، ریاضت، تلاوت کلام پاک، شب بیداری اور ذکر اللہ میں گذرتا[3] تھا۔ اس کو بادشاہت کی کوئی ہوس نہ تھی۔ اسی لیے آخر میں اس نے سلطنت کی باگ ڈور اپنے وزیر اور خسر الغ خان کے سپرد کر دی تھی۔ جو آگے چل کر غیاث الدین بلبن کے نام سے ہندوستان کا فرمانروا بھی ہوا لیکن ناصر الدین نے یہ امانت سپرد کرتے وقت اپنے وزیر سے یہ ناصحانہ اور عارفانہ بات کہی کہ

"اپنے تمام اختیارات کی باگ ڈور تمہارے ہاتھ میں دیتا ہوں لیکن کبھی تم کوئی ایسا کام نہ کرنا کہ کل خدا کے حضور میں اس کا جواب دینا پڑے، اور اپنے ساتھ مجھ کو بھی شرمندہ کرو۔"[1]

لیکن اس کی اس شان استغنا کے باوجود اس کے دور حکومت کا ذکر اس کے ہمعصروں نے بڑے فخر و مباہات سے کیا ہے۔ چنانچہ امیر خسرو رقمطراز ہیں:۔

بعہدی شہ روے زمین گشتہ — بگیتی ناصر دنیا و دین گشتہ

بسال بیست ز اوج پایۂ خویش — جہان می داشت اندر سایۂ خویش

عجب عہدے ہمہ در کامرانی — ہر خانہ نشاط و شادمانی

ز کس دادے کند کینہ را تاب — ز کس دیدے خیال فتنہ در خواب

مسلمان چیرہ دست و ہندوان رام — ز دانشمند کس از جنس مخسل ۔ام

---

[1] منتخب التواریخ جلد اول ص ۹۰ [2] منتخب التواریخ میں ہے خود اکثر اوقات در تجرہ رفتہ بعبادت و تلاوت و ذکر حق سبحانہ تعالیٰ مشغول می بود (ص ۹۰ ج ۱) [3] منتخب التواریخ ج ۱ ص ۹۰

شے در ذاتش از یزدان شکوہے	ہم از سنگ و ہم از گوہر چو کوہے
خود او مستغرق کار الٰہی	بامرش بندگان در کار شاہی
چنین تا دور او ہم بہ سر آمد	جہان را نوبتے دیگر در آمد[1]

عقیدت مشائخ | سلطان ناصر الدین محمود پر اس کے باپ سلطان شمس الدین التتمش کا مذہبی رنگ غالب تھا، اور پھر ایک عابد شب زندہ دار اور زاہد خوش اطوار کی حیثیت سے اس کا جو خاص انداز طبیعت بن گیا تھا، اس کی بنا پر یہ لکھنے کی ضرورت نہیں کہ اس کو مشائخ اور علماء سے کیسا شغف رہا ہوگا۔ طبقات ناصری میں ہے کہ اس کو مشائخ سے بڑی "مودت" اور علماء سے بڑی "محبت" تھی،[2] فرشتہ کا بیان ہے کہ

"صلحاء و علماء را دوست داشتے" (ج ۱ ص ۷۱)

لیکن افسوس ہے کہ جن صلحاء و مشائخ سے اس کے خاص تعلقات تھے، ان کا ذکر مورخون نے نہین کیا ہے، حالانکہ وہ اپنے باپ ہی کی طرح اکابر صوفیہ اور مشائخ کا گرویدہ و شیفتہ رہا ہوگا، بلکہ بزرگان چشت میں سے کسی سے بیعت بھی کی ہوگی، تذکرون مین سے مراۃ الاسرار میں ہے کہ

"ویرا بخدمت گنج شکر اعتقاد تمام بود" (ورق ۳۱۴)

خزینۃ الاصفیا مین ہے کہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے نکاح مین الغ خان کی لڑکی بی بی ہزبرہ بھی تھین، خزینۃ الاصفیا کو جاہل کا تذکرہ ہے، لیکن غیر مستند نہین سمجھا جاتا، اس کی یہ روایت کسی قدیم مستند ماخذ ہی پر مبنی ہوگی، الغ خان کی ایک لڑکی سلطان ناصر الدین محمود کی ملکہ بنکر بھی جب عسرت اور تنگی کی زندگی بسر کر رہی تھی تو کیا تعجب کہ الغ خان نے درویشون کے سلطان بابا فرید الدین گنج شکر کے حبالۂ عقد مین اپنی ایک لڑکی دیکر اس کو بھی فقر و فاقہ کی

---

[1] مثنوی دول رانی خضرخان مطبوعہ علی گڈھ ص ۵۰-۴۹ [2] طبقات ناصری ص ۲۰۶

زندگی کی سعادت حاصل کرنے کے لیے آمادہ کر لیا ہو۔ اس لحاظ سے سلطان ناصر الدین محمود حضرت بابا صاحب کا ہمزلف ہوا، دونوں میں اور گہرے تعلقات پیدا ہو گئے ہوں گے لیکن ان تعلقات کا ذکر معاصر تاریخوں اور تذکروں میں کہیں نہیں ہے۔ ملفوظات خواجگان چشت میں ایک دو روایتیں ایسی ضرور ہیں جن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ نہ صرف سلطان ناصر الدین محمود کو حضرت بابا صاحب سے بڑی عقیدت تھی، بلکہ خواجگانِ چشت بھی اس کا احترام کرتے تھے۔ حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء نے اس کے نام کے ساتھ انار اللہ برہانہ اور رحمۃ اللہ علیہ کے تعظیمی الفاظ استعمال کیے ہیں، جو عموماً صلحاء و اخیار کے لیے لکھے جاتے ہیں۔ فوائد الفواد میں ان ہی کی زبانِ مبارک سے یہ روایت ہے کہ

"جب کہ سلطان ناصر الدین انار اللہ برہانہ کا ملتان کی طرف جانا ہوا، تو راستہ میں اجودھن پڑا، سلطان غیاث الدین طاب اللہ ثراہ کی حیثیت اس وقت الغ خان کی تھی، وہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس سرہ العزیز کی زیارت کو آیا، کچھ نقد رقم پیش کی، اور چار گاؤں کے چار فرامین شیخ کے سامنے رکھے۔ شیخ نے فرمایا یہ کیا ہے۔ الغ خان نے کہا، یہ نقد رقم اور چار گاؤں کے فرامین خدمت میں لایا ہوں، نقد رقم تو درویشوں کے لیے اور فرامین آپ کے نام ہیں۔ شیخ الاسلام مسکرائے اور فرمایا کہ یہ نقد تو مجھکو دیدو، درویشوں کی ذات میں خرچ کر دوں گا، لیکن یہ فرامین واپس لے جاؤ، ان کے بہت سے اور طالب ہیں، ان ہی کو دو۔" (ص ۹۹)

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے ملفوظات راحت القلوب میں جس کے بارہ میں [illegible] سے مشہور ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے مرتب کیا۔ یہ روایت اس طرح درج ہے

وقتی سلطان ناصر الدین رحمۃ اللہ علیہ بر دولت سلطان غیاث الدین [illegible] ملتان آمدہ به زیارت دعاگوی آمدند، [illegible]

خدمت بر دعا گوئی آوردند از انجملہ چہار دیہ جہت شیخ الاسلام و نقد از جہت درویشان دعا گوئی قسم کرد و گفت، این را بیشتر بر دگر طالبان این بسیار اند، بدیشان دہ کہ خواجگان و مشائخ ما ازین بابت ہیچ چیز قبول نکردہ اند" (ص ۷۳-۷۶)

سیرالاولیاء کے مصنف نے اپنے والد بزرگوار کی زبانی یہ روایت مین کہ اس کو اس طرح لکھا ہے۔

"سلطان ناصرالدین ہندوستان کے پاس پہنچا تو اس کی خواہش ہوئی کہ اجودھن جائے اور شیخ شیوخ العالم کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کرے، سلطان غیاث الدین نے جو اس وقت الغ خان تھا، نائب مملکت اور سلطان ناصرالدین کا خسر تھا، سلطان سے کہا کہ فوج بڑی ہے، اجودھن کے راستے مین پانی نہیں ہے، اگر حکم ہو تو مین خود شیخ شیوخ العالم کی خدمت مین جاکر ہدیے اور فتوح پیش کروں، سلطان غیاث الدین کو اس زمانہ مین سلطنت کی ہوس پیدا ہو گئی تھی، اس نے سوچا کہ اگر واقعی میرے نصیب مین یہ چیز ہے اور سلطنت کا تخت مجھکو پہنچنے والا ہے تو اس بارہ مین شیخ شیوخ العالم مجھ سے ضرور کچھ کہین گے، یہ سوچ کر شاہی فرمان لیکر ان کی خدمت مین پہنچا، جس مین کچھ نقدی سکے اور چار گاؤن کے عطا کیے جانے کا حکم تھا، الغ خان نے قدم بوسی کی سعادت حاصل کی، اور چاندی کی نقدی اور چار گاؤں کا فرمان سامنے رکھا، شیخ شیوخ العالم نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟، الغ خان نے کہا کہ یہ روپے (سیم) ہین، اور یہ آپ کے لیے چار گاؤن کا فرمان ہے، شیخ شیوخ العالم مسکرائے اور فرمایا کہ نقد تو مجھکو دے دو، درویشون مین خرچ کردوں گا، اور گاؤن کا فرمان لے جاؤ کہ اس کے طلبگار بہت سے اور ہین، اسکے بعد الغ خان کے دل مین جو بات تھی اس کا شیخ شیوخ العالم کو کشف ہوا اور زبان مبارک سے یہ شعر پڑھے

فریدون فرخ فرشتہ نبود　　　ز عود و ز عنبر سرشتہ نبود

ز داد و دہش یافت آن نیکوئی　　　تو داد و دہش کن فریدون توئی

یہ سنکر الغ خان نے اس کو گرہ مین باندھ لیا۔ زمین چومی اور خوش خوش وہان سے اٹھا۔[1]

سیر الاولیاء کے مصنف نے اس روایت کے لکھنے سے پہلے یہ روایت بھی لکھی ہے کہ سلطان ناصر الدین اوچہ وملتان کی طرف گیا تو اس کا پورا لشکر حضرت شیخ العالم فرید الدین گنج شکر کی زیارت کو آیا لشکر کی بھیڑ بھاڑ سے وہ جگہ یعنی اجودھن خراب ہونے لگا۔ شیخ کی آستین کوٹھے پر سے ایک گلی مین لٹکا دی گئی، تو تمام لوگ آئے اور اس کا بوسہ دیا۔ یہان تک کہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی، پھر شیخ مسجد تشریف لائے۔ مریدون سے فرمایا کہ میرے گرد حلقہ کر لو تاکہ اس حلقہ کے اندر لوگ نہ آنے پائین اور دور ہی سے سلام کرکے واپس ہو جائین۔ مریدون نے ایسا ہی کیا، لیکن ایک بوڑھا فراش مریدون کے دائرہ مین چلا آیا۔ شیخ کے قدمون پر گر پڑا، اور پھر پائے مبارک کو پکڑ کر کھینچا، اور اس کا بوسہ دیا۔ اور بولا کہ شیخ فرید تم ہم لوگون سے تنگ آ گئے ہو لیکن خدا کی نعمت کا شکر ادا کرو۔ جب شیخ نے یہ بات سنی تو ایک نعرہ لگایا، اور فراش کو نوازا اور اس سے بہت معذرت کی۔"

اس لشکر کے ساتھ سلطان ناصر الدین محمود کو حضرت بابا گنج شکر کی خدمت مین حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا، سیر الاولیاء نے مذکورۂ بالا روایت غالباً فوائد الفواد سے لی ہے جس مین یہ روایت اس طرح شروع کی گئی ہے:

"درآنچہ سلطان ناصر الدین بجانب اوچہ وملتان، روان شد وہیان اجودھن رفت ..... ص ۱۸۵)

---

[1] سیر الاولیاء ص ۷۰-۹، ایک ہی روایت مختلف کتابون سے اس لیے بھی نقل کی جارہی ہے کہ ناظرین کو اندازہ ہو کہ ایک ہی روایت تھوڑے سے تصرف سے کیسے کیا بن جاتی ہے۔

مذکورہ بالا دونون روایتین بظاہر علحدہ علحدہ موقع کی معلوم ہوتی ہین۔ فوائد الفواد مین بھی یہ دونون روایتین علحدہ علحدہ اوقات مین بیان کی گئی ہین، لیکن فرشتہ نے ان دونون روایتون کو ایک ہی ساتھ ملا کر لکھا ہے کہ

"اس زمانہ مین بادشاہ ناصرالدین شہریار دہلی اوچہ و ملتان کی طرف تھا، اس کا گذر اجودھن کی طرف ہوا، تو اس کو شیخ کی خدمت مین حاضر ہونے کا شرف ہوا، شیخ کی حقیقت حال سے واقف ہو کر واپس گیا، تو چار بڑے گاؤن کا فرمان اور کچھ نقد دے کر الغ خان کو جو بعد مین غیاث الدین بلبن کے نام سے بادشاہ ہوا، شیخ کے پاس بھیجا، شیخ نے دیہات کے فرمان کو تو رد کر دیا کہ فقیر کو دیہات سے کیا کام، اور نقد روپے قبول کر کے جماعت خانہ کے درویشون کو دیدیا"

(فرشتہ جلد دوم ص ۳۸۸)

علما سے گرویدگی

یون تو سلطان ناصرالدین محمود کو اپنے عہد کے تمام اکابر علما سے شیفتگی رہی ہوگی، لیکن طبقات ناصری کے مختصر و اجمالی بیان سے ہم کو صرف اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ اس کو قاضی منہاج الدین عثمان بن سراج الدین الجوزجانی (مولف طبقات ناصری) سے بڑی گرویدگی تھی، جو اس کے ساتھ حضر و سفر مین برابر ساتھ رہتے تھے، ۶۴۴ھ مین سلطان ملتان، لاہور، جود اور نندانہ کی مہم پر گیا تو مولانا منہاج الدین اس کے شاہی جلو مین تھے، اور جب فوج واپس آنے لگی تو عید اضحیٰ کی نماز جالندھر مین پڑھی گئی، یہ نماز مولانا منہاج ہی نے پڑھائی، اور اس روز سلطان نے ان کو جبہ، دستار اور ایک گھوڑے کے علاوہ دوسرے شاہانہ انعامات سے بھی نوازا،[1] ۶۴۵ھ مین سلطان، الغ خان کے ساتھ قنوج کے پاس تلسندہ[2] کے قلعہ کی تسخیر کے لیے گیا، تو مولانا بھی اس مہم مین شریک تھے، اس جنگ کو مولانا نے نظم [illegible] بھی کیا، اور اپنے مربی کے نام پر ناصری نامہ رکھا،

---

[1] طبقات ناصری ص ۲۱۰ [2] طبقات ناصری ص ۱۰۲ پر نندنہ اور تلندہ بھی مرقوم ہے،

Marfat.com

سلطان نے اس کے صلہ میں ان کے لیے سالانہ وظیفہ مقرر کیا۔ اس جنگ کا سہرا الغ خان کے سر رہا تھا۔ اس لیے نظم میں اس کی بڑی تعریف کی گئی تھی۔ الغ خان نے ازراہ قدر دانی مولانا کو ہانسی میں ایک گاؤں بطور انعام دیا۔[1] ۶۴۹ھ میں سلطان محمود نے ان کو شاہی خلعت اور سو غلام انعام میں دیے۔ ان غلاموں کو انھوں نے اپنی ہمشیرہ کے پاس خراسان بھیجا۔[2] پھر ۶۵۰ھ میں بھی کیتھل سے رخصت ہوتے وقت سلطان نے ان کو گھوڑے اور خلعت خاص وغیرہ انعام میں عطا کیے۔[3] لیکن ۶۵۱ھ میں جب خواجہ عماد الدین ریحان کی سازشوں سے الغ خان کو پایہ تخت دہلی سے دور کر دیا گیا تو مولانا منہاج کے بھی برے دن آ گئے۔ الغ خان کی عدم موجودگی میں زیادہ تر گھر کے اندر کواڑ بند کیے پڑے رہتے، اور ذاتی دشمنوں کی وجہ سے جامع مسجد بھی جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لیے نہیں جاتے۔ لیکن ۶۵۲ھ میں وزارت عمدۃ الملک نجم الدین ابوبکر کو دی گئی تو مولانا منہاج کے اچھے دن پھر پلٹے۔ اور سلطان نے ان کو صدر جہان کے لقب سے سرفراز کیا۔[4] اور ۶۵۳ھ میں دہلی اور تمام سلطنت کے پھر قاضی بنائے گئے۔ اسی سال الغ خان کا اقتدار از سر نو قائم ہوا، تو پھر آخر عمر تک مولانا منہاج الدین سلطان اور نائب سلطان کی نوازشوں سے سیراب ہوتے رہے۔ سلطان ناصر الدین محمود اور الغ خان دونوں مولانا منہاج الدین کو اس وجہ سے بھی عزیز رکھتے تھے کہ وہ بڑے اچھے واعظ اور صاحب دل بزرگ بھی تھے۔ فوائد الفواد میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیا فرماتے ہیں کہ دہلی میں قاضی منہاج کا وعظ ہر دو شنبہ کو ہوتا، تو وہ بھی اس میں شریک ہوتے۔ ان کا خود بیان ہے کہ ایک دن اپنے وعظ میں قاضی منہاج نے حسب ذیل رباعی پڑھی۔

لب بر لب دلبران مہوش کردن   وآہنگ سر زلف مشوش کردن

---

[1] طبقات ناصری ص ۲۱۱-۲۱۰ [2] ایضاً ص ۲۱۴ [3] ایضاً ص ۲۱۶ [4] ایضاً ص ۲۱۹-۲۱۸

Marfat.com

امروز خوش است لیک فردا خوش نیست — خود را چو خسی طعمۂ آتش کردن

تو یہ رباعی سنکر از خود رفتہ ہوگئے اور کچھ دیر کے بعد ہوش میں آئے۔ وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ قاضی منہاج[۱] صاحب ذوق بھی تھے۔ ایک روز ان کو شیخ بدرالدین غزنوی کے گھر بلایا گیا۔ دوشنبہ کا دن تھا، انھوں نے وعدہ کیا کہ وعظ کے بعد آئیں گے۔ اور جب مجلسِ وعظ ختم ہوئی تو تشریف لائے، مجلس سماع میں ان پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ اپنی دستار اور کپڑے پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے[۱]

مولانا عبدالحق محدث دہلوی نے بھی قاضی منہاج کے بزرگ اور اہل دل ہونے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"صاحب طبقات ناصری بزرگ بود، از فاضل روزگار از اہل وجد و سماع بود، چون قاضی شد این کار استقامت گرفت"[۲]

تدوین طبقات ناصری ۶۵۸ھ میں قاضی منہاج الدین نے ستر برس کی عمر میں اپنی مشہور و معروف تاریخ طبقات ناصری ختم کرکے سلطان ناصرالدین محمود کی خدمت میں پیش کی، اور جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، اسی کے نام پر اس کتاب کو موسوم کیا، اور موسوم کرتے وقت یہ اشعار لکھے جن میں اپنے علمی عیوب کی معافی کے خواستگار ہوئے ہیں،

ہر چہ کردم سماع بنوشتم	اصل نقل و سماع گوش بود
ور گذارد خطا چو دید کریم	زانکہ با عزو عقل و ہوش بود
ہر کہ او ذوق بہتری دریافت	نزد صبرش صبر چو نوش بود
دامن عفو پردہ پوشش مدام	در رہ علم عیب پوشش بود
بد عا یاد دار دش منہاج	گرچہ اندر قفس خموش بود[۳]

---

[۱] فوائد الفواد ص ۱۹۱ [۲] اخبار الاخیار ص ۴۹، [۳] طبقات ناصری ص ۴

Marfat.com

سلطان ناصرالدین محمود نے مولانا کی علمی کاوشوں کو بڑا سراہا، اور غایت قدردانی میں اپنے کندھے کی چادر اتار کر ان کو دیدی، اور پھر خلعت کے علاوہ دس ہزار جیتل کا سالانہ وظیفہ، ایک گاؤں اور دوسرے انعامات بھی دیئے۔ مولانا خود فرماتے ہیں:

"چون این تاریخ بخدمت سلطان ناصر الدنیا والدین خلد الله سلطانه عرض داده خلعت بادشاهی فرمود و تشریف محمود با استصحاب خاص که بر کتف مبارک او بود بدین داعی ارزانی داشت و هر سال ده هزار جیتل وظیفه و دیهی انعام فرمود" (ص ۲۰۵)

مولانا نے اپنی تاریخ کا ایک نسخہ الغ خان کی خدمت میں بھی گذرانا، تو اس نے انعام میں حسب ذیل چیزیں دیں:

"بیست هزار جیتل ... [illegible] ... صباحی و کلاه ... [illegible]"

مولانا نے ان انعامات کا شکریہ حسب ذیل قطعہ میں ادا کیا، جو انہوں نے اس نسخہ کی پشت پہ لکھ دیا تھا۔

شهریارا جهان الغ خان آنکه | خان البرزیست و شاه ... [illegible]
هر که از حضرتش تهی یافت | هیچ هرگز نگشت ... [illegible]
پیش او کیست حاتم طائی | زر او چیست ... [illegible]
کرد از لوح خاطر منهاج | ... [illegible]
بشنو این سخن ز من همه خلق | از طریق یقین ... [illegible]
تو دو نه مراست قسم کرم | ... [illegible]
بر دعائے که گویمش از جان | ... [illegible]

ا۔ طبقات ناصری ص ۲۵۳ - ۲۵۴

Marfat.com

طبقات ناصری ہر زمانہ میں ایک اہم اور کارآمد تاریخ سمجھی گئی ہے، یہ کتاب ۲۳ طبقات میں منقسم ہے، جن میں آفرینش عالم سے ۶۵۸ھ (مطابق ۱۲۶۰ء) تک کے تاریخی واقعات درج ہیں ان میں سب سے زیادہ مفید ابواب (یعنی طبقات ۱۱، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳) سلاطین غزنی وغور ملوک معزی اور قطب الدین ایبک سے ناصر الدین محمود تک کے سلاطین دہلی اور ان کے امراء کے حالات میں ہیں۔ آخری باب فتنہ مغول پر ہے جو مولف کی زندگی میں برپا ہوا، ان ہی ابواب کو کپتان لیس، مولوی خادم حسین اور مولوی عبد الحی نے مشترکہ طور پر اڈٹ کرکے طبقات ناصری کے نام سے ۱۸۶۴ء میں بنگال ایشیاٹک سوسائٹی سے شائع کیا ہے، ۱۹۴۹ء میں آقا عبد الحی حبیبی قندھاری نے کوئٹہ سے طبقات ناصری کا جو نسخہ شائع کیا ہے، وہ بھی نامکمل ہے لیکن شروع سے لیکر اکیسویں طبقہ تک مشتمل ہے۔ انگریزی داں اہل علم میں یہ کتاب میجر اچ، جی راورٹی کے ذریعہ متعارف ہوئی۔ جس نے اس کا انگریزی ترجمہ ۱۸۸۱ء میں بڑی محنت و لیاقت سے کیا، اور اس میں اتنے مفید حواشی لکھے کہ ترجمہ اصل سے زیادہ اہم ہوگیا ہے، لیکن میجر راورٹی نے شروع کے چھ طبقات اپنے ترجمے میں حذف کر دیے ہیں۔ اس لیے یہ ترجمہ بھی پوری کتاب کو منظر عام پر نہ لا سکا۔ اور ابھی تک اس مشہور و معروف مورخ کی پوری کتاب ایک ساتھ طبع نہ ہو سکی ہے، حالانکہ ادب و انشاء اور واقعہ نگاری کے لحاظ سے یہ اب بھی لائق داد و ستائش ہے، جیسا کہ آقا عبد الحی حبیبی رقمطراز ہیں:

"مؤلف دانشور این کتاب (طبقات ناصری) یکے از نویسندگان معروف و زبردست زبان پارسی است کہ کتابش از حیث سلاست و روانی انشاء بہ نظیر است و ہم در ضبط وقائع تاریخی و مشاہدات خود مؤلف یکے از آثار برجستہ بشمار می آید"[1]

---

[1] طبقات ناصری مرتبہ عبد الحی حبیبی ص ۱

دہلی کے ملوک سلاطین پر دو ہی معاصر تاریخیں ہیں ایک تاج المآثر اور دوسری یہ طبقات ناصری۔ پہلے کہا جا چکا ہے کہ تاج المآثر اپنی مسجع اور مقفیٰ عبارت کی وجہ سے زیادہ مقبول عام نہ ہو سکی اس کے برخلاف طبقات ناصری کچھ ایسی سادہ، سلیس اور عام فہم عبارت میں لکھی ہوئی ہے کہ پڑھنے والوں پر یہ اثر ہوتا ہے کہ مؤلف نے تمام واقعات کو حاشیہ آرائی اور رنگ آمیزی کے بغیر سیدھے سادے طریقے پر لکھنے کی کوشش کی ہے۔ اس لیے اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کو صحیح اور مستند سمجھنے میں کوئی تامل نہیں ہوتا ہے، مؤلف نے جا بجا ایسے ماخذوں کا بھی حوالہ دیا ہے جن کے ذریعہ سے ان کو معلومات حاصل ہوئے۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو واقعات کی تلاش اور جستجو رہی۔ وہ خود ہی سلاطین و امراء سے ایسے قریب تر تھے کہ ان کو براہ راست سارے معلومات حاصل ہوتے رہتے اگر وہ جزوی تفصیلات لکھنا چاہتے تو آسانی سے لکھ سکتے تھے لیکن ظاہر ہے کہ وہ پورے عالم اسلام کی ایک اجمالی تاریخ لکھنے بیٹھے تھے۔ اس میں جزئیات قلمبند کرنے کی کہاں گنجائش ہو سکتی تھی۔ البتہ اب جبکہ ان کی تاریخ ہی سلاطین دہلی کے ابتدائی دور کا ایک اہم بلکہ واحد ماخذ رہ گیا ہے۔

تو یہ فطری طور پر خواہش ہوتی ہے کہ ان کو اختصار سے کام لینا نہ چاہیے تھا۔ بعض جگہ تو انھوں نے اتنا اختصار برتا ہے کہ ضروری واقعات بھی رہ گئے ہیں، جو کسی دوسرے ماخذ کے ذریعہ سے معلوم ہوتے ہیں۔ اور پھر جبکہ مورخوں کا نقطۂ نظر بھی بدل رہا ہے، اور وہ نہ صرف سیاسی واقعات اور فوجی محاربات ہی کی تفصیل پڑھنا چاہتے ہیں، بلکہ ان کو اس دور کے معاشرتی، عمرانی، علمی اور اقتصادی حالات کی بھی تلاش ہوتی ہے۔ تو اس لحاظ سے طبقات ناصری میں معلومات بہت ہی کم ہیں۔ فاضل مؤلف اپنے عہد کے ایک جید عالم، صاحب دل صوفی اور ممتاز شاعر بھی تھے۔ ظاہر ہے کہ ان کو اپنے معاصر علماء، مشائخ اور شعراء سے گہرا تعلق رہا ہوگا لیکن افسوس ہے کہ ان کا بھی ذکر بہت ہی خال خال کرتے ہیں۔ اگر وہ ان کا ذکر اسی طرح کرتے جس طرح کہ ملا

Marfat.com

عبدالقادر بدایونی نے اپنی منتخب التواریخ میں کیا ہے، تو اس دور کی علمی تاریخ بہت ہی روشن نظر آتی۔ لیکن ان خامیوں کے باوجود یہ کتاب جس زمانہ میں لکھی گئی۔ اسکے لحاظ سے اس کے محاسن میں کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہوئی، اور ہندوستان کے مملوک سلاطین کے عہد کے لیے یہ تاریخ بہت ہی قیمتی اور مستند ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے، اور ہر دور کے مورخ اس سے استفادہ کرتے رہے ہیں،

یہ تاریخ ۶۵۸ھ (۱۲۶۰ء) یعنی ناصر الدین محمود کی وفات سے پہلے ہی ختم کر دی گئی تھی اور فاضل مولف بلبن کی تخت نشینی کے وقت تک زندہ تھے لیکن انھوں نے ۶۵۸ھ کے بعد کی تاریخ نہیں لکھی، مولانا ضیاء الدین برنی نے عہد بلبنی سے اپنی تاریخ لکھنی شروع کی ہے، اس طرح ۶۵۸ھ (۱۲۶۰ء) سے ۶۶۴ھ (۱۲۶۵ء) تک کی کوئی تاریخ نہیں، اور یہ آٹھ برس کا زمانہ کسی معاصر تاریخ کے بغیر نظر آتا ہے۔ تاریخ فرشتہ میں عین الدین بیجاپوری کی طبقات ناصری کا ذکر جابجا آتا ہے، اس سے فرشتہ نے کچھ ایسے معلومات حاصل کیے ہیں جو اور تاریخوں میں نہیں ہیں۔ شاید یہ تاریخ طبقات ناصری کا تتمہ ہو، لیکن اب طبقات ناصری کا ایک نسخہ بھی کہیں نہیں پایا جاتا ہے۔

علماء کی سرپرستی | سلطان ناصر الدین محمود نے مولانا منہاج الدین کے علاوہ اور بھی دوسرے علماء سے تعلقات رکھے ان کے نام یہ ہیں: شیخ عماد الدین شقورقانی، قاضی جلال الدین کاشانی، قاضی شمس الدین بہرائچی، شیخ الاسلام حضرت جمال الدین بسطامی، اور مولانا سید قطب الدین،

شیخ عماد الدین | شیخ عماد الدین شقورقانی جید عالم اور فقیہ تھے، سلطان مسعود کے زمانے میں قاضی ممالک مقرر ہوئے تھے۔ ناصر الدین محمود کے عہد میں بھی ۶۵۲ھ تک اس عہدہ پر مامور رہے لیکن بعض سیاسی الزامات کی بنا پر سلطان ناصر الدین محمود نے ان کو اس منصب سے معزول کر کے بدایوں بھیج دیا تھا عماد الدین ریحان کے حکم سے شہید کر دیئے گئے،[1]

---

[1] طبقات ناصری ص ۲

قاضی جلال الدین کاشانی ان کے بعد قاضی جلال الدین کاشانی ۶۴۷ھ میں اودھ سے بلوا کر قاضی ممالک کے عہدہ پر فائز کیے گئے[1]، ان کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے۔

شمس الدین بہرائچی سلطان ناصر الدین محمود جب بہرائچ کا اقطاع دار تھا، تو اس نے قاضی شمس الدین کو یہاں کا قاضی مقرر کیا، وہ ان کے فضل و کمال سے متاثر تھا، اس لیے انکو اس کے یہاں بڑا رسوخ حاصل ہو گیا، اور جب وہ بادشاہ ہوا تو اس نے ان کو دہلی بلا کر یہاں کا قاضی بنایا، وہ اس کے اور کاموں میں بھی مشیر کی حیثیت سے دخیل رہے، ان کا یہ رسوخ دوسرے ارکان سلطنت کو پسند نہ آیا، اس لیے وہ اپنے عہدے سے الگ کر دیے گئے، ۶۵۰ھ میں امراء نے سلطان محمود کے خلاف بغاوت کی تو قاضی شمس الدین بھی متہم ہوئے اور ان کو دہلی سے شہر بدر کر کے بہرائچ بھیجدیا گیا، جہاں وہ آخر عمر تک رہے[2]۔

جمال الدین بسطامی سلطان ناصر الدین مولانا جمال الدین بسطامی کی دینداری اور تقوی کا معترف تھا، اس لیے ان کو اپنی سلطنت کا شیخ الاسلام بنایا۔ لیکن ان کی عمر نے وفا دکی اور اس عہدہ پر صرف چار سال رہ کر ۶۵۷ھ میں وفات پائی[3]۔

مولانا قطب الدین اس عہد میں مولانا سید قطب الدین بھی نمایاں رہے۔ ان کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے جبکہ وہ معز الدین بہرام شاہ کے زمانہ میں شیخ الاسلام کی حیثیت سے سیاسی کاموں میں بھی پیش پیش رہے، ۶۵۰ھ میں امراء نے سلطان محمود کے خلاف سازش کی، تو مولانا سید قطب الدین پر بھی قاضی شمس الدین بہرائچی کے ساتھ کچھ اتہام رکھا گیا، اور ان کو دہلی چھوڑنا پڑا[4]۔

شعراء دربار کے شعراء میں مولانا منہاج الدین اور عمید الدین سنامی خاص طور پر ذکر کیے جانے کے لائق ہیں

---

[1] طبقات ناصری ص ۲۱۳ [2] ایضاً ص ۲۱۰، ۲۲۰، ۲۳۰ ۲ و نزہتہ الخواطر ج ۱ ص ۱۹۰ [3] طبقات ناصری ص ۲۲۲، ۲۲۰ [4] ایضاً

مولانا منہاج — مولانا منہاج الدین کو ہم ایک عالم، ایک واعظ اور ایک مورخ کی حیثیت سے روشناس کرا چکے ہیں۔ ان کے اشعار بھی ہم جا بجا نقل کرتے آئے ہیں۔ جن سے ناظرین کو اندازہ ہوا ہوگا کہ وہ اپنے زمانے کے ایک قابل قدر شاعر بھی تھے، دربار میں جب کوئی اہم تقریب ہوتی تو اس موقع پر مولانا کو کوئی قصیدہ یا قطعہ پیش کرنے کا موقع ضرور دیا جاتا۔ ۶۵۸ھ میں چنگیز خان کے پوتے ہلاکو خان کا ایلچی دہلی آیا، تو سلطان ناصرالدین محمود کے نائب الغ خان نے سیاسی مصلحت کی بنا پر اس کا شاندار خیر مقدم کیا۔ اس کے استقبال کے لیے دہلی کے باہر دو لاکھ پیادے اور پچاس ہزار سوار زرق برق لباس پہنے ہتھیاروں سے آراستہ پیراستہ کھڑے تھے، دو ہزار عماری دار جنگی ہاتھی مع نشین اسلحہ کے جھوم رہے تھے۔ ان کے ساتھ شہر کے خواص و عوام کی جماعت بھی بیس صفوں میں یکے بعد دیگرے ایستادہ تھی، امراء اور ملوک بھی اپنی اپنی ٹولیوں میں علم اور جھنڈے کے ساتھ جا بجا متعین تھے۔ طبل اور دمامے بھی بکثرت تھے، ڈھول اور باجوں کی آواز، ہاتھیوں کی چنگھاڑ، گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور لوگوں کے شور و غوغا سے ایک پرشکوہ اور پرہیبت منظر پیدا ہو رہا تھا۔ ترکستانی ایلچی دور اس کے ہمراہیوں پر اس کے نظارے سے ایک لرزہ طاری ہو گیا۔ الغ خان نے اپنی شان و شوکت کا مظاہرہ اسی لیے کرایا تھا کہ چنگیز خانی مرعوب ہو کر دہلی کی طرف بڑھنے کی کوشش نہ کریں۔ جب یہ سفارتی مشن لشکریوں کے حربی کمالات اور ہاتھیوں کے فوجی کرتب دیکھتا ہوا شہر میں داخل ہوا اور دربار میں آیا تو وہاں شاہی رعب و دبدبہ اور بھی زیادہ نظر آیا۔ دربار نقرئی و طلائی فرش فروش سے مرصع و مکلف تھا۔ شاہی تخت کی زینت و آرائش پورے کروفر سے کی گئی تھی، اس کے ہر طرف لعل و جواہر آویزاں تھے۔ اس کے اردگرد ملوک، امراء، علماء، مشائخ، ترک شہزادے، اور قوی ہیکل پہلوان راجا اور رانا بہترین لباس میں ملبوس کھڑے تھے۔ پورا دربار بہشت کا نمونہ معلوم

Marfat.com

ہو رہا تھا۔ اس بزم نشاط کے موقع پر مولانا منہاج الدین نے حسب ذیل فارسی قصیدہ سنایا جس کے پہلے دو شعر عربی کے تھے،[1]

قد صادف الرضوان ایام الوری — من روح ھذا البزم للسلطانی

لا زال یبقی فی جلالة ملکه — و مزیدا امکان و رفعة شان

زہے جشنے کز و اطراف چون خلد برین گشتہ — خہی بزمے کز و اکناف مدل بستین گشتہ

ز ترتیب نہاد و رسم و آئین و نشاط او — تو گفتی عرصۂ دہلی بہشت ہشتمین گشتہ

ز فر ناصر الدین شاہ محمود بن التتمش — ملک نزدش دعا خواندہ فلک پیشش زمین گشتہ

شہنشاہی کہ در عالم بفیض فضل ربانی — سر او چتر شاہی لائق تخت و نگین گشتہ

چو خاقان گین آور چو سلطانان دین پرور — بدل ماحی کفر است و بجان حامی دین گشتہ

مبارکباد بر اسلام این بزم شہ عالم — کزین ترتیب ہندستان بزینت حور عین گشتہ

ہمین از جملہ شاہان باد ہر بندہ ز درگاہش — چو منہاج سراج از جان دعاگوئی تحسین گشتہ

تذکرہ نویسون نے بھی مولانا منہاج کی سخنوری کی داد دی ہے۔ حتیٰ گلشن مین ان کے اور ان کے والد بزرگوار کے نام اور تخلص کو خلط ملط کر دیا ہے۔ لیکن مؤلف نے صاحب طبقات ناصری کی تعریف ان الفاظ مین کی ہے:

"از جمیع علوم حظے وافی داشت۔ و طبقات ناصری بنام ناصر الدین محمود نگاشت" (ص)

لیکن اس کے نیچے جو دو رباعیان[2] لکھی ہین، وہ مولانا منہاج کی نہین ہین۔ بلکہ انکے والد بزرگوار

---

[1] طبقات ناصری ص ۱۹۵ [2] وہ دونون رباعیان یہ ہین:

(۱)
دل ما برخ خوب تو میل افتادہ است — جان در پی ما بیت بکشادہ است
چشم آبستن خاک ودن خواہد بود — گر عمر وفا کند قرار این دادہ است

(۲)
آن دل کہ بہ تیر درد ناکش کردی — از ہر شادی کہ بود پاکش کردی
از خوی تو آگہم کہ ناگہ ناگہ — و از درد افتد کہ ہلاکش کردی

کی بتائی جاتی ہیں،

شمس دبیر

ملا عبد القادر بدایونی نے مولانا شمس دبیر کو بھی عہد ناصری ہی کا شاعر بتایا ہے لیکن ہم نے ان کا ذکر سلطان غیاث الدین بلبن کے لڑکے ناصر الدین محمود کے درباری شعرا میں کیا ہے، جیسا کہ آگے آئے گا،

عمید سنامی

ملا عبد القادر بدایونی نے سلطان ناصر الدین محمود کے عہد میں امیر فخر الدین عمید کا تعارف ایک شاعر کی حیثیت سے کرایا ہے، اور سلطان کی شان میں اس کا ایک قصیدہ نقل کرکے اس کو بھی اس کے مدح خوانوں میں شمار کیا ہے، اس قصیدہ میں شاعر نے اپنی جدت طبع کی بنا پر ایک انوکھی ردیف " ناخن " کا انتخاب کیا ہے، ظاہر ہے کہ اس مشکل ردیف میں مضامین کا تنوع پیدا کرنا آسان نہ تھا، پھر بھی شاعر نے اچھوتی تشبیہات و تمثیلات سے قصیدہ کو پر لطف اور دلپسند بنانے کی کوشش کی ہے تشبیب کے پہلے ہی شعر میں تجنیس لفظی سے ایک ایسا تخیل پیش کیا ہے جس سے پڑھنے والے کو حظ حاصل ہوتا ہے، " ناخن " کے لحاظ سے " چنگ " اور چنگ کی رعایت سے " زخمہ " لایا گیا ہے، اور اسی مناسبت سے مطربۂ فلک ناہید بھی لاکر کھڑی کی گئی ہے، اور ناخن جیسے غیر شاعرانہ لفظ کی ردیف میں یہ شاعرانہ تخیل پیش کیا گیا ہے کہ جب میرا معشوق چنگ اٹھاتا ہے، اور اپنے ناخن پر زخمہ باندھتا ہے تو اس کے ناخن سے ناہید یعنی زہرہ کے جگر پر غیرت سے سو زخم پڑ جاتے ہیں، یعنی جب میرا معشوق ناخن سے چنگ بجاتا ہے، تو ناہید غیرت سے بے جان ہو جاتی ہے، اس شعر میں " زخمہ " اور " زخم " کی تجنیس بھی لائق توجہ ہے،

چو بردارد نگارم چنگ، بندد زخمہ بر ناخن
زند ناہید را صد زخم غیرت بر جگر ناخن

ناہید کا رشک سے جو برا حال ہو جاتا ہے، اس کو دوسرے انداز میں بیان کیا گیا ہے،

ز رشک چنگ او ناہید را تپ گیرد آن ساعت
کبود ش گردد از تاثیر آن تپ سر بسر ناخن

Marfat.com

تیسرے شعر میں "خشک وتر" لاکر صنعت طباق کے ساتھ ایک عجیب و غریب تخیل پیش کیا ہے، ناخن کے ساتھ حنا کا تخیل آنا ضروری تھا۔ اب شاعر کہتا ہے کہ معشوق کے ناخن کی حنا کو "خونی" سمجھو، اور یہ خون کہاں سے آیا؟ جب اس نے خشک نے کی طرح چنگ بجانا شروع کیا، تو گویا چنگ کی مضراب سے اس طرح خون پیدا ہوا کہ معشوق کے ناخن رنگین یعنی حنائی ہو گئے۔ خون کے لحاظ سے "رگ" اور رگ مضراب کی مناسبت سے ہے،

حنا بر ناخنش خونین شمر کز وقت رگ جستن   ز چنگ خشک نے ناگہ جست و کرد تر ناخن

اس کے بعد شعر میں بھی نئی قسم کی تخئیل ہے، یعنی شاعر معشوق سے کہتا ہے کہ اگر چھیڑ چھاڑ میں میرے ناخن سے تیرا لب چھل جائے تو اس سے رنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں، کیونکہ یہ ناخن کبھی کبھی چاشنی کی خاطر شکر میں بھی ڈال دیے جاتے ہیں،

ببازی ناخن من گر لبت را خست ازیں مشکن   کہ ہر چاشنی دارند گہ گہ در شکر ناخن

سر ناخن کو غمزہ کی تمثیل دیتے ہوئے شاعر کہتا ہے:

سر ناخن چو غمزہ تیز دار اے جان کہ چنگ را   بر انگشتان نباشد جز بہ تیزی معتبر ناخن

حسب ذیل شعر کے ساتھ گریز ملاحظہ ہو،

بیاور دہ بلطف ای مہر دل داری کہ بار دیت   عروس ماہ خون دل ز رشک آلودہ ناخن

مے چون خون خرگوشم بیا بہ مجلس شاہی   کہ قہر او کند از پنجۂ شیران زناخن

مدح کے بھی ہر شعر میں عجیب و غریب تخئیلات و تمثیلات نئے نئے زاویے سے پیش کیے گئے ہیں، جن کو ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

شہنشہ ناصر دنیا و دین محمود کز مدحش   بمنقار افگند تیہو ز باز تیز پر ناخن

ز جور چرخ کار خصمش آمد در ضرر شاید   کہ از حجام نا استاد باشد در ضرر ناخن

Marfat.com

سرش بردره[1] قتل است با تیغ سر انداز
چو انداز عرض تعلیم بر علم خبر ناخن

ستود کز هیبت شاهین عدلش دگر اکنون
چو بر ناخن ببیند از عقابی نیشتر ناخن

چنان پندار از بی ناخنی و تنگی طعمه
که ناخن عاریت خواهد ز کبک مختصر ناخن

برای آنکه پیش قدرش از غیرت سری خارد
فلک هر ماه زان بنماید از جرم قمر ناخن

بجنب عنبرین گرد سمندش کرده ور نافه
شده بی قدر چون گردی که باشد زیر ناخن

خدنگش گوئی انگشتیست بر دست ظفر کو را
ز روی صورت آمد برگ بید جان شکر ناخن

چو انگشتی که گر خواهد بحکم نیزهٔ هندی
نشاند[2] در ضمیر آهن و قلب خنجر[3] ناخن

نهاده تیغ قهرش بر رخ دشمن چنان داغی
که می ماند بروی مادر از سوز پسر ناخن

بکین جان خصم بدنژادش تیز کرده بین
گرازان قصا دندان و شیران قدر ناخن

چنان قد را سر تیغ تو بر دلها چو خنجر شد
بر دار پنجه چو سپر سنگ سر[4] ناخن

عدویت کی شود چون تو به خنجر کی رسد گرچه
چو خنجر می کند پیدا که آن گاهی[5] گر ناخن

خیالش گر زند ره کو نهد انگشت بر حرفت
بدست او هبا گردد سر انگشت بدر ناخن

پناه[6] روی عالم شد دم تیغ تو خوش بنود
پس پشت سر انگشتان اگر نبود سپر ناخن

حسود از ناخن جرأت اگر کین توی سازد
کم مسکین نمی داند که باشد زهر گر ناخن

شها گر زار تا از بهر جنگ روزگار من
زند بر هم گره هر لحظه چرخ کینه ور ناخن

---

[1] منتخب التواریخ میں پرورده قتل است ہے لیکن اس کتاب کے انگریزی مترجم رین کنگ نے اپنے ترجمہ میں ایک دوسرے نسخہ کو دیکھ کر سرش بردره قتلست لکھا ہے، اور اسی کو صحیح بتایا ہے (ج ۱ ص ۱۳۹) [2] مطبوعہ نسخہ میں "نشاید" ہے [3] رین کنگ نے "قلب ہجر" صحیح بتایا ہے، لیکن میرے خیال میں "قلب خنجر" ہی صحیح ہے [4] مطبوعہ نسخہ سنگ سر (؟) [5] مطبوعہ نسخہ از گاہی [6] مطبوعہ نسخہ تباہ

Marfat.com

ناخن جیسی مشکل ردیف میں مذکورہ بالا قصیدہ لکھ کر عمید نے اپنی جس قادر الکلامی اور اعجاز بیانی کا ثبوت دیا ہے، اس کا احساس اس کو بھی ہے، چنانچہ اس قصیدہ کے آخری شعر میں کہتا ہے،

ردیف ناخن آوردم درین شعر که سحر آمد   بلے در سحر کار آید بسان موے سر ناخن[1]

عمید اور تاج الدین سنجر اسی شاعر نے ناصر الدین محمود کے ایک درباری امیر تاج الدین سنجر کی شان میں بھی اسی انداز کا ایک قصیدہ کہا ہے، شمسی اور ناصری عہد میں تاج الدین سنجر نام کے بہت سے امرا گذرے ہیں، تاج الدین سنجر کزلک خان، تاج الدین سنجر قتلق، تاج الدین سنجر کریتخان، تاج الدین سنجر تبر خان اور تاج الدین ارسلان خان سنجر خوارزمی لیکن عاجز راقم کا ذاتی خیال ہے کہ حسب ذیل قصیدہ مؤخر الذکر دونوں امرا میں سے کسی ایک کے لیے کہا گیا ہے، تاج الدین سنجر تبر خان گرجی ترک تھا، وہ ناصر الدین محمود کے زمانہ میں مختلف اوقات میں نائب امیر حاجب جنجانہ، سہر کسمندی، مندیانہ اور برن کا اقطاع دار رہا، وکیل در کے عہدہ پر بھی ممتاز رہا، آخر میں اپنے فوجی کارناموں کے صلہ میں اودھ کا اقطاع دار ہوا، اس کے بارہ میں مولانا منہاج سراج طبقات ناصری میں لکھتے ہیں:

"بغایت جلد و مردانہ وشہم و فرزانہ واو را اوصاف پسندیدہ بسیار و احوال گزیدہ بے شمار بمروی ولشکر کشی موصوف و بہ نیکو سیرتی معروف"[2]

دوسرا امیر تاج الدین ارسلان خان سنجر خوارزمی پہلے بیانہ کا اقطاع دار، پھر وکیل در ہوا، اس کے بعد تبر ہند اور بعد میں اودھ اور پھر کڑہ کا اقطاع اس کے سپرد کیا گیا، وہ لکھنوتی بھی بھیجا گیا لیکن درمیانی اور آخری دور میں ان کے تعلقات شاہی دربار سے اچھے نہیں رہے[3]، اس لیے گمان غالب ہے کہ

---

[1] منتخب التواریخ جلد اول ص ۹۵، ۹۶ [2] طبقات ناصری ص ۲۰۰، ۲۵۰ [3] تاج الدین ارسلان خان سنجر خوارزمی کے حالات کے لیے دیکھو طبقات ناصری ص ۲۶۰ ... ۲۰۰

Marfat.com

عمید نے تاج الدین سنجر تبر خان ہی کے لیے قصیدہ کہا ہوگا۔ اس قصیدہ کی ردیف کشتی ہے، ظاہر ہے کہ اس عجیب اور مشکل ردیف کی تشبیب نہ بہاریہ ہو سکتی ہے اور نہ عشقیہ، اس لیے مضامین ندرت پیدا کرنے کے لیے شاعر کو غیر معمولی قوتِ تخیل سے کام لینا پڑا ہے، چنانچہ قصیدہ اس طرح شروع کرتا ہے کہ میری آنکھ ایک محیط سمندر ہے، اور خیال کشتی ہے، وہ فورِ غم میں بھی خیال کشتی کو آنسوؤں پر رواں کیے ہوئے ہے، شب و روز آنسو جاری ہیں، یہ کشتی کس طرح خونیں موج میں ٹھہر سکتی ہے؟ اس خسیس دنیا سے کیا طمع رکھوں، میں کیونکر نا بدان میں کشتی چلاؤں، اس سمندر میں میری کشتی کبھی رواں اور کبھی ساکن ہے، ساکن چار لنگروں کی وجہ سے اور رواں ہفت بادبان کے سبب سے ہے، زندگی سات اعضاء دماغ، قلب، پیٹھ، دونوں ہاتھ، اور دونوں پاؤں پر قائم ہے، اور چار لنگر سے مراد زمین، ہوا، آگ اور پانی ہے، پھر کہتا ہے کہ یہ لنگر اور یہ بادبان کس کام کے ہیں، جب زندگی کی کشتی اجل کے موج میں یکایک غرق ہو جائے،

مراست دیدہ محیط و خیال جان کشتی
بر آب دیدہ ز غم می کند روان کشتی

در آب دیدہ شب و روز م و چگونہ بود
فراز و شیب ز خون موج و درمیان کشتی

مراد دل چہ طمع دارم از جہان خسیس
چگونہ رانم بر روے ناودان کشتی

درین محیطم اگرچہ روان و ساکن ہست
ز چار لنگر و زین ہفت بادبان کشتی

چہ سود دارم آں بادبان و آں لنگر
چو شد ز موجِ اجل غرق ناگہان کشتی

اپنے ممدوح کو مخاطب کر کے کہتا ہے:۔

مدار مملکت بر و بحر تاج الحق
کہ بہر قلزم غم ساخت از امان کشتی

سپہر مرتبہ سنجر[1] کہ فتنہ زو یلہ کرد
بہ سوئے معبر دریاے قیروان کشتی

---

[1] منتخب التواریخ کے انگریزی مترجم نے سنجر پر اپنے حواشی میں یہ نوٹ لکھا ہے کہ سلجوقی حکمران ابو الحارث سنجر بن ملکشاہ بن الپ ارسلان تھا۔ یہ قطعاً غلط ہے۔

کشتی کی ردیف میں یہ قصیدہ کس لیے کہا ہے، اس کی لطیف وجہ اپنے ممدوح کو مخاطب کرکے یہ بتاتا ہے۔

جو بحر خاطر من موج می زد از مدحت — ردیف ساختم از بہر امتحان کشتی

پھر اس قصیدہ میں بھی اپنی تعریف کرتے ہوئے اپنے کو "بحر فضل" اور "کان سخن" کہا ہے،

مرا نخواندی جز بحر فضل و کان سخن — چو ماہی ار بندی ز اہل بے زبان کشتی

کس از بحور افاضل بہ از عمید کراند — ز نیل فضل درین قلزم بیان کشتی

ملک تاج الدین سنجر نے اسی شاعر کو دو بار تحفے میں آہو (ہرن) بھیجے۔ اس نے آہو ہی کی ردیف میں قصیدہ کہکر اپنی سخنوری کی مہارت کا ثبوت دیا۔ آہو کی مناسبت سے عشقیہ تشبیب میں نرگس مست"، زلف مشکبار"، خط بنفشہ زار"، صید دل" وغیرہ کی ترکیبوں سے پورا تغزل کا رنگ پیدا کر دیا ہے۔

زہے ز نرگس مستِ تو پر خمار آہو — ز بند نافۂ مشک تو شرمسار آہو

بہ حیرتست در آن چشم دیدہ نرگس — بغیرتست در آن زلفِ مشکبار آہو

گر دبستان صدرہ چو دائرہ برگشت — ندید چون خط تو یک بنفشہ زار آہو

چہ منفعت است در آن نرگس گران غمزہ — در و نشی صید دلست بر دن شکار آہو

ز در شک نقطۂ مشکین کہ بر گل تو چکد — مدام دارد در سینہ خار خار آہو

گریز میں اپنے ممدوح کو شکار کا مبارک شیر کہتا ہے جس کے سامنے بدمست فلک کی حیثیت محض ایک آہو کی ہے، اور پھر یہ کہتا ہے کہ آہو اس کے ممدوح کے در کی خاک سے خطا کی طرف شمامۂ کافور لے گیا، آہو کو اور جانوروں پر اسی لیے فضیلت ہے کہ اس کے ممدوح کے دربار کی خاک سے اس نے نافہ حاصل کیا، بلکہ آفتاب کو بھی اسی کے دربار کی خاک سے زینت حاصل ہے،

Marfat.com

گو یہ انتہائی مبالغہ ہے، لیکن طرزِ ادا میں یہ مبالغہ طرازی لطف سے خالی نہیں ہے۔

زچشمِ مست تو بودش خمار و می شکند — زجامِ بزمِ جہان پہلوان خمارِ آہو

خجستہ شیر کمین تاج دین حق سنجر — کر شرزۂ فلکش ہست در شمارِ آہو

صوابِ دید کسوے خطا زخاک درش — بردستمائہ کافور یادگارِ آہو

مگر بخاک جنابش کرد ہیزنش خورد — کہ بوجوش شدہ از نافہ کامگارِ آہو

آہو کی ردیف بنانے کی وجہ بتاتے ہوئے کہتا ہے،

ردیف مدح تو صد بارہ زیبد آہوے مشک — زکرمت جو فرستادہ ام دوبارہ آہو

بنا فرو داشت ازین پیش کاربار اکنون — زفر مدح تو دارد رواج کارِ آہو

عمید کا لقب

ملا عبد القادر بدایونی نے اس شاعر کا خطاب و نام ایک جگہ تو ملک الکلام فخر الملک عمید تولکی[۱] اور دوسری جگہ ملک الملوک والکلام امیر فخر الدین عمید تولکی لکھا ہے، تذکروں میں عرفات العاشقین میں خواجہ فخر الدولہ عمید الدین الدیلمی، مجمع الفصحا میں فخر الملک خواجہ عمید الدین تولکی، گل رعنا میں عمید الدین تولکی سنامی، آتشکدہ میں فخر الدولہ عمید الدین اور مخزن الغرائب میں مفخر الفضلا، مرقوم ہے۔ ان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ عمید الدین تو نام اور ملک الکلام، فخر الدین، فخر الدولہ، مفخر الفضلا، خطاب تھا، لیکن ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی ایک ہی خطاب ہوگا، اور یہ خطاب یا تو دربار سے ملا ہوگا، یا مورخوں اور تذکرہ نویسوں نے یہ القاب شاعر کی شاعرانہ و علمی عظمت کے لحاظ سے اپنی طرف سے لکھ دیے ہیں، عرفات العاشقین میں مرقوم ہے کہ "گویند نامش عمید الدین و لقبش فخر الملک" حالانکہ اس کے مؤلف نے اس کا لقب فخر الدولہ بھی تحریر کیا ہے، عرفات العاشقین اور گل رعنا میں ہے کہ فخر الملک کا خطاب غیاث الدین بلبن کے لڑکے سلطان محمد نے دیا، لیکن

[۱] منتخب التواریخ جلد اول ص ۷۰، ۹۷

اس بیان کو یقین کرنے مین اس لیے تامل ہے کہ سلطان محمد اپنے باپ کی موجودگی مین کسی کو خطاب نہین دے سکتا تھا. امیر خسرو اور حسن دہلوی اس کے ساتھ برسون رہے, لیکن اس نے ان دونون ارباب کمال کو کسی خطاب سے سرفراز نہین کیا.

وطن | شاعر کی وطنی نسبت توکلی، نوکلی، بوکلی، لوکی، دیلمی اور سنامی لکھی گئی ہے. نوکلی اور بوکلی بہت ناگری کی غلطی معلوم ہوتی ہے، غالباً توکلی صحیح ہے[1]. جو شاید دیلم مین کوئی قصبہ ہے. اسی لیے بعض تذکرہ نویسون نے اس کو دیلمی بھی لکھا ہے. آتشکدہ مین ہے کہ "اصلش از دیار دیلمانست"[2] لیکن مجمع الفصحا مین ہے کہ

"فخرالملک خواجہ عمیدالدین گویند از دیلم رشت است واز ہندوستانست ونشاش سنام بودہ"

پھر اس کا مؤلف لکھتا ہے کہ

"بعضے اورا چنانچہ اشارتے شد. از اہل گیلان من بلاد دارالمرز وطبرستان دانند، ہمانا از گیلان بودہ وبہ ہندوستان رفتہ دیلمہ اہل آن ولایت را گویند، وے را حمید لوکی، ہم نامند سبب آن معلوم نشدہ. بہرصورت بمقصود اشعار وگفتار است نہ مولد ومنبع."

ان گنجلک بیانات کی بنا پر یہ کہنا شاید غلط نہ ہوگا کہ شاعر کا آبائی وطن دیلم قصبہ توک تھا، لیکن اس کے آباواجداد جب ہندوستان آئے تو سنام مین سکونت پذیر ہوئے، اور یہین اس کی نشو ونما ہوئی. عرفات العاشقین مین ہے:-

"منشاس سنام بود لہذا گفتہ آید ع تا ابد از وے گرفت سنام نام"

ولادت | مجمع الفصحا اور گل رعنا اور ریاض الشعرا مین اس کی ولادت کی تاریخ ۶۵۵ھ بتائی گئی ہے. عرفات العاشقین کے مؤلف نے یہ تاریخ ع کے ان اشعار سے نکالی ہے.

---

[1] تذکرہ روز روشن میں ہے کہ توکلی نسبت در ملک ایران بود، پروفیسر محمود شیرانی مرحوم کا خیال ہے کہ توک غزنی میں ایک قصبہ کا نام ہے. رسالہ اردو جنوری ۱۹۳۳ء ص ۷۷ [2] آتشکدہ، ص ۱۰۰

یارب اگرچہ پیش ازین بود مرا دل دگر ——— خستۂ دلبر چگل بستۂ گلرخ یک

در سر نون و دال عمر از پس خا و نون دہا ——— شکر کہ مرغ ہمتم رست بجد زین شرک

دوسرے شعر میں ن اور د کے تو ۵۴، اور خ ن ہ کے ۶۵۵ ہوئے۔ شعر میں "پس خا و نون دہا" ہے یعنی ۶۵۵ سے ۵۴ کو گھٹا لیا جائے تو ۶۰۱ ہوئے[1]۔ پھر تعجب ہے کہ عرفات العاشقین نے ۶۵۵ھ کیسے تاریخ ولادت بتائی ہے، سنہ ۶۰۱ھ ہونی چاہیے۔ یہ تاریخ اس لیے صحیح معلوم ہوتی ہے کہ عمید الدین نے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے، سلطان ناصر الدین محمود کی شان میں ایک مدحیہ قصیدہ پیش کیا۔ سلطان کی وفات سنہ ۶۶۴ھ میں ہوئی، اگر عرفات العاشقین کے مؤلف کی بتائی ہوئی تاریخ ولادت صحیح سمجھی جائے تو سلطان ناصر الدین کی وفات کے وقت عمید الدین کی عمر صرف نو سال کی ہوتی ہے، اس عمر میں قصیدہ پیش کرنا ممکن نہیں، اس لیے سنہ ۶۰۱ھ ہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔

عمید اور سلطان بلبن آتشکدہ کے مؤلف کا بیان ہے کہ عمید الدین نے کل ۵۴ سال کی عمر پائی۔ اس لحاظ سے اس کی وفات سلطان ناصر الدین محمود ہی کے عہد میں ہو گئی ہوگی۔ ملا عبد القادر بدایونی نے بھی اس کا ذکر اسی سلطان کے دور میں کیا ہے، لیکن خود ملا صاحب نے عمید کا ایک ایسا قصیدہ نقل کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عمید نے سلطان بلبن کو بھی اس کی حکومت کے زمانہ میں مخاطب کیا تھا۔ اس قصیدہ کے تین چار اشعار ملاحظہ ہوں،

مشرف نبود عارضت از خط چرا کشد ——— چون من بدور دولت این شہریار بند

شاہ جہان کشاے نصیر الحق آنکہ ہست ——— بر دست و پاے بخل ز جودش ہزار بند

والا محمد بلبن کز بکشد قہر ——— بر سرکشان ہند بگہ کارزار بند

اے خسرو زمان کہ یمین تو بر کشاد ——— گنجور قدرت از صدف کان بیار بند

[1] منتخب التواریخ کے انگریزی مترجم جارج رینکنگ نے بھی یہی تاریخ نکالی ہے۔ دیکھو انگریزی ترجمہ جلد اول۔

Marfat.com

ریورٹی نے اپنے انگریزی ترجمہ میں نصیرالحق کو اسم معرفہ ہی قرار دیا ہے، لیکن میرے خیال میں یہ بلبن ہی کی صفت ہے، مگر تعجب ہوتا ہے کہ شاعر نے بلبن کے لیے غیاث الدین کا لقب کیوں نہیں استعمال کیا ہے، غالباً ان ہی اشعار کو دیکھ کر عرفات العاشقین کے مؤلف نے عمید کے متعلق لکھا ہے کہ

"معاصر سلطان محمد بلبن و دمی ملازمت آن بادشاہ کردی. و در دیوان دولت او باشتراک مفوض بودی"

لیکن مجمع الفصحا میں یہ بیان دیکھ کر تعجب ہوا کہ

"مداحی سلطان محمد یمین می نمودہ"

اسی کا حوالہ جارج ریورٹی نے منتخب التواریخ کے انگریزی ترجمہ کی جلد ا ص ۱۳۸ کے حاشیہ پر دیا ہے، میرا خیال ہے کہ یمین کتابت کی غلطی ہے، یمین کے بجائے بلبن ہونا چاہیے۔

البتہ عرفات العاشقین کا بیان عجیب و غریب معلوم ہوتا ہے،

"گویند از قاآن ملک سلطان محمد بلبن خطاب یافت و علماء و فضلاء را بنایات عزیز داشتے امیر خسرو و امیر حسن ...... در ملتان ندیم مجلس خاص وے بودہ اند"

گل رعنا کے مولف کا بھی بیان ہے کہ

"عمید الدین از اعظم فضلا و شعرائے ہندوستان بود، بعد تحصیل کمالات خود را بدرگاہ سلطان محمد قاآن بن سلطان غیاث الدین بلبن رسانیدہ و بعز تقرب اختصاص یافتہ و بعمدۃ الملک ملقب گشت. و دولتے و جمعیتے اندوخت. امیر خسرو دہلوی بخدمتش رسیدہ"

عرفات العاشقین میں معلوم نہیں قاآن ملک سلطان محمد بلبن کے ساتھ کیوں لکھ دیا گیا ہے قاآن ملک محمد سلطان تو شہزادہ کا نام تھا، اور بلبن اس کا باپ تھا۔

Marfat.com

عرفات العاشقین میں کہیں یہ ذکر نہیں کہ عمید سلطان ناصر الدین محمود کے دربار سے بھی وابستہ رہا لیکن شروع میں ہم اس سلطان کی شان میں ایک قصیدہ نقل کر آئے ہیں، اس لیے یہ یقینی ہے کہ وہ سلطان ناصر الدین کا مادح تھا۔ اسی طرح گل رعنا کے مولف نے سلطان ناصر الدین محمود اور بلبن کے درباروں سے اس کی وابستگی کا ذکر مطلق نہیں کیا ہے، اور اسکو شہزادہ محمد سلطان ہی کا درباری قرار دیا ہے، لیکن اگر اس کی تاریخ ولادت صحیح سمجھی جائے تو پھر یہ بیان مشکوک ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ یقین کرنے میں تامل ہوتا ہے کہ ستر اسی برس کی عمر میں اس نے ایک نوجوان شہزادہ کے دربار کی ناصیہ سائی کی ہو، شہزادہ محمد سلطان کا علمی دربار ملتان میں ۶۷۶ھ سے ۶۸۳ھ تک قائم رہا۔ اگر ۶۷۶ھ سے پہلے عمید اس کے یہاں پہنچا، تو بھی اس کی عمر ستر سے زیادہ تھی۔ اس عمر میں ایک نوجوان شہزادہ کی ندیمی بظاہر قابل قبول نہیں معلوم ہوتی۔ اس کے تمام قصائد اس وقت پیش نظر نہیں، جو ہم تک پہنچے ہیں، ان میں سے ایک قصیدہ میں محمد کا نام آیا ہے، اس سے گمان ہوتا ہے کہ ممکن ہے کہ شہزادہ محمد سلطان ہی کی مدح ہو، لیکن اسی قصیدہ میں نصیر الحق کا لقب بھی استعمال کیا گیا ہے، جو عمید نے اپنے ایک اور قصیدہ میں سلطان محمد بلبن کے لیے استعمال کیا ہے، جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں۔ اس لیے یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ حسب ذیل اشعار شہزادہ محمد سلطان ہی کے لیے کہے گئے ہیں، ممکن ہے کہ یہ بھی محمد بلبن ہی کی مدح میں ہوں۔ ایک قصیدہ میں بلبن کو محمد بلبن کہہ کر مخاطب کیا ہے، اس میں صرف محمد ہی کہا ہے، اور اگر یہ شہزادہ محمد ہی کی مدح ہے تو پھر اس کو نصیر الحق کیوں کہا، جو بلبن کے لیے استعمال کیا جا چکا ہے۔

چو غنچه گرچه لب از روز مرسته بکشائی | چو من زخوان مدیح خدایگان لرزه
محیط فیض نصیر الحق آنکه بکشاوند | زگرد سفرهٔ اکرامش انس و جان لرزه

Marfat.com

قضا طلیعہ محمد   بند نیزۂ او   بجز ن خصم کشاد از سر سنان روزہ

عرفات العاشقین کا بیان بھی مشکوک معلوم ہوتا ہے کہ عمید خسرو کا سرپرست تھا، اگر وہ واقعی خسرو کا مربی ہوتا تو خسرو کے قصائد میں اس کی شان میں بھی کوئی نہ کوئی قصیدہ ضرور پایا جاتا، یا وہ اپنی کسی اور تحریر میں اس کا ذکر ضرور کرتے لیکن خسرو کہیں اس کا حوالہ تک نہیں دیتے۔[1]

عرفات العاشقین میں ہے کہ عمید لبن کے زمانہ میں مشرف ممالک ۔۔۔ کے عہدہ پر مامور تھے۔

"مقام سلطان محمد بلبن آورده ملازمت آن بادشاہ کرده در دیوان دولت او باشراف مفوض بوده"

ریاض الشعراء میں بھی ہے:۔

"در تواریخ مذکور است کہ در ہندوستان ملازمت سلطان محمد بلبن می کرده و اشراف دیوانش بوے مفوض بوده"

منتخب التواریخ میں ملا عبد القادر بدایونی نے اس کے نام کے ساتھ مستوفی جمیع ممالک لکھا ہے۔ اور اس کا ذکر سلطان ناصر الدین محمود ہی کے زمانہ میں کیا ہے۔ اس لیے خیال ہوتا ہے کہ وہ اسی سلطان کے عہد میں مستوفی الممالک تھا، اس خیال کی تائید مخزن الغرائب کے اس بیان سے ہوتی ہے۔

"فخر الفضلاء، خواجہ عمید مستوفی و مشرف جمیع ممالک ہندوستان بود در عہد سلطان سلطان ناصر الدین ......"[2]

---

[1] ڈاکٹر اقبال حسین نے عمید الدین پر جو مقالہ اپنی کتاب فارسی کے قدیم شعراء میں لکھا ہے۔ اس میں عرفات العاشقین اور گلشن ہند کے بیانات کو صحیح تسلیم کرکے وہی باتیں لکھ دی ہیں، جو ان دونوں تذکروں میں ۔۔۔

[2] نزہتہ الخواطر جلد اول ص ۱۸۰۔

Marfat.com

لیکن خود عمید نے ایک قصیدہ مین بلبن کو مخاطب کیا ہے. اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بلبن کے عہد مین مشرف کے عہدہ پر مامور تھا، مگر کسی سبب سے معزول کر کے قید مین ڈالدیا گیا. شاید وہ ناصرالدین محمود کے عہد مین مستوفی الممالک رہا ہو، اور بلبن کے زمانہ مین مشرف الممالک کے عہدہ پر فائز کیا گیا ہو لیکن فرائض منصبی کو ایمانداری سے انجام دینے کے جرم مین قید کر دیا گیا ہو، اور جب وہ قید خانہ مین تھا تو اس نے سلطان بلبن کو اپنے ایک قصیدہ مین مخاطب کر کے کہتا ہے کہ اس کے ایسا اہلِ فضل اور طوطی سخن قید مین پڑا ہے،

فرمودہ کہ بند نہند اہل فضل را — ہے ہے براہل فضل منہ زینہار بند

تعظیم کن زحیلۂ واز درج خاطرم — بر نوعروسِ مدح درشاہوار بند

ہرگز کس از ملوک براہلِ سخن نہاد — روزے زداہ سلطنت وگروہ دار بند

من طوطی سخنورم آخر نہ جرہ باز — دریلے طوطیان غلط آمد شکار بند

اس قصیدہ کے تقریباً چالیس اکتالیس اشعار مین اسی قسم کے خیالات کا اظہار ہے. اس کا ایک اور جیسا قصیدہ ہے جس مین ۳۹ اشعار ہین، وہ توبہ و استغفار کی خاطر اپنی تمام کمزوریون مثلاً بیجا خیالات. بے جا داخی اور بے جا حرص وہوس وغیرہ کو یاد کر کے سلطان سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ وہ تنہا مجرم نہین. بلکہ اس کے برعکس وہ مشرف کے فرائض بہتر طریقہ سے انجام دیتا رہا ہے،

ہمہ مانم ہریکے درشغل ومن درہ بند حبس — حاش للّٰہ زین سخن تنہا گنہ من کردہ ام

کار بدعکس است ورنہ خود کروز زبد کشند — شغل اشراقیؒ کہ من بروجہ احسن کردہ ام

لہ منتخب التواریخ مین اشراقی ہے، اس کے انگریزی مترجم رین کنگ نے اشراقی پر نوٹ لکھتے ہوئے فلسفۂ اشراقیہ سے بحث کی ہے. شغل اشرافی سے مراد مشرف کا عہدہ ہے، اشراقی کتابت کی غلطی ہے.

Marfat.com

آخر میں وہ اس عمل میں کہ اس نے اپنے اشعار میں توحید کے نغمے بھی گائے ہیں، خداوند کریم کی رحمتوں کا طلبگار ہوتا ہے۔

یا رب از نخلِ کرم برگِ نوائے من بدہ — مرغ جان را چون بہ توحیدت نوا نگردہ ام

خلعت دُمنم کرامت کن کہ ما را در گرہست — ما من اصلیست اینک قصد ما من کردہ ام

دور دار از ظلمتِ شرک و نفاق و حقد و کین — باطنی کز نور اخلاص مزین کردہ ام

آفتاب معرفت در سینہ ام تابندہ دار — چو گہرہائے یقین را سینہ معدن کردہ ام

عمید کی قادر الکلامی

سلطان کے دربار میں معذرت اور بارگاہ خداوندی میں استغفار کرنے پر غالباً اس کی رہائی قید سے ہو گئی تھی، معلوم نہیں قید و بند کے زمانے میں اس نے اور بھی قصائد لکھے تھے یا صرف وہی دو ہیں، جن کو ملا عبد القادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں نقل کیا ہے۔ ان دونوں قصائد میں اس کے جوشِ بیان کے ساتھ اس کا حسن اسلوب، جدت ادا، اور مضمون آفرینی خاص طور پر نمایاں ہیں[1]۔ اس نے ان حبسیہ قصائد میں بھی جابجا اپنی سخنوری اور قادر الکلامی کا دعوی کیا ہے مثلاً ایک جگہ کہتا ہے۔

نامم ز شرق و غرب گذشت از سخن وری — واجب کند بپائے چنین نامدار بند

پھر دوسرے موقع پر کہتا ہے۔

ہستم این یک شعر دیوانی و صد درج گہر — بلکہ ہر بیتش بہ از شعر ملون کردہ ام

اور یہ دعوی محض شاعرانہ تعلی نہیں، ملا عبد القادر بدایونی جیسے ناقد فن نے اس کو ملک الملوک والکلام لکھا ہے، اور اس کے مختلف قصائد کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہوئے اس کے کلام کا انتخاب

---

[1] ڈاکٹر اقبال حسین نے لکھا ہے کہ عمید کے حبسیہ قصائد اپنی دلآویزی، جذبات نگاری اور حسن بیان میں مسعود سلمان اور خاقانی کے حبسیات کے ہم پلہ ہیں۔ (ہندوستان کے قدیم شعراء ص ۲۱۳)

Marfat.com

منتخب التواریخ کے ۱۳ اوراق میں دیا ہے۔ عرفات العاشقین کے مولف نے اس کو "استاد الکلام افتخار الانام عمید (یعنی ستون) اقلیم سخنوری، وحید (یعنی یکتا) زمان معنی پروری، آفتاب جہانگیر کمال اور مہر سپہر قدر وجلالت" وغیرہ لکھکر اس کی شاعری کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

"در صنائع وبدائع معانی بیانش سحر پرداز و در متانت و رزانت سخندانی دہنش صاحب اعجاز است"۔

اور اس تعریف کے ذیل میں یہ بھی لکھا ہے کہ عمید کے کلام کی فصاحت سحبان کی فصاحت پر طعنہ کرتی تھی،

"فصاحت سحبان وحیب سخنانش فصاحت وائل بازد"

مجمع الفصحا کے مولف نے اس کو ایک فصیح البیان اور پختہ کلام شاعر کہا ہے،

مذکورہ بالا ارباب نظر نے جو کچھ اس کی تعریف و توصیف کی ہے، اس کی تصدیق خود اس کے کلام سے ہوتی ہے۔ اس نے شاعری کی ہر صنف میں طبع آزمائی کرکے اپنی جودت طبع اور سخنوری کا ثبوت دیا ہے، قصائد میں نہ صرف اس نے سلاطین اور امرا کی مدح سرائی کی ہے، بلکہ حمد و نعت کے نغمے بھی بلند کیے ہیں۔ وہ مولانا شہاب الدین کے شاعرانہ کمال کا بہت معترف تھا اور ان کو استاد فن تسلیم کرتا تھا، منتخب التواریخ میں ہے۔

"ملک الکلام فخر الملک عمید تولکی او (یعنی شہاب مہرہ بدائونی) را باستادی یاد کردہ"

پہلے کہا جا چکا ہے کہ ہندوستان کے شعرا میں مولانا شہاب کو حمد و نعت کہنے میں اولیت حاصل ہے، عمید نے شاید ان کی تقلید ہی میں حمد و نعت دونوں میں قصائد کہے ہیں، حمد و نعت میں اس کے ایک قصیدہ کے اچھوتے خیالات کے بعض اشعار ملاحظہ ہوں، کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آفتاب اور ماہتاب دو بادشاہ پیدا کیے ہیں، جو آسمان کے گنبد نیلگوں پر حکومت کرتے

Marfat.com

رہتے ہیں، سیارے انکے جلو میں ہیں یعنی افلاک کے نو پردے یعنی قمر، عطارد، زہرہ، مریخ، مشتری، زحل، ثوابت اور اطلس ہے سینکڑوں ستارے جھلملاتے ہیں، دنیا کو دو خادم عطا کئے ہیں، ایک رات اور ایک دن، رات ہندو ہے دن رومی ہے، یعنی ایک سیاہ ہے اور دوسرا سفید، وغیرہ وغیرہ۔

برخیز عمید از غم روست دل تو — بگذر ز غول عہد خدا وند جہان گو

مای در گاہ خدا کن کہ برافراشت — ... گنبد ... تو

دو شاہ روان کرد بدین طارم ازرق — پس داد بہ زیبا ... ز ہر ...

صد شاہد اختر بگہ شام نمودہ — ... پردہ ... تو

فرمودہ نگاہ تو ن جہان از شب از روز — دو خادم چالاک لقب رومی و ہندو

عمید اور انوری | ایک اور حمد میں فلک، اسک، غلک، پرک، خیک، معک، کیک وغیرہ جیسے سنگلاخ قوافی ہیں۔ اس مشکل زمین میں عمید نے انوری کے ایک قصیدہ کی تقلید میں یہ قصیدہ کہنے کی کوشش کی ہے۔ انوری کے قصیدہ کے دو چار اشعار پہلے ملاحظہ ہوں، واضح رہے کہ انوری کا یہ قصیدہ حمد میں نہیں کہا گیا ہے بلکہ کسی کی مدح میں ہے۔

اے سیاست را ظفر لشکر کش نصرت یزک — نے یقین بے طول عرض لشکرت را انتہا ...

بستہ گردد کوکب صد پردہ بر روی سماک — کردہ فعل رایت تو صد رخنہ در پشت سمک

چون رکاب تو گران گردد عنان تو سبک — از نہیب ... ماہی ... فلک

فخر الملک عمید نے حسب ذیل حمد میں گو انوری ہی کا پیرایہ اختیار کرنا چاہا ہے لیکن اس نے نئے الفاظ کے ساتھ نئے نئے مضامین بھی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، جو اس کی ... اور تخیل آرائی دونوں پر قدرت رکھنے کی بین دلیل ہے۔ ہم اس قصیدہ کے خاص خاص اشعار ہی کو نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

Marfat.com

اے زنہیب علم تو خم زدہ قامت فلک | خطبۂ کبریائے تو وحدک لاشریک لک
ملک تو ملک ثابت ست ملک تو ملک آتین | ملک نہ ملک منقلب ملک نہ ملک مشترک
پرتو نور قدس تو چہرہ کشائے مہر و مہ | گوشہ نشین ملک تو اوج سماک تا سمک
طاسک نہ شکستہ در سر و پائے برسمے | غور محیط بستہ گرد ستارۂ پوک
از جگر تنور شرق امر توی برآورد | قرصۂ ذہ مغربی از پس سیگون خپک
در چمن از صنایعت دست مشاطۂ صبا | غازۂ لطف می کشد برگ منال برجمک
بر سر عرض نوبہار از در آفرینشت | لالہ نشستہ با سپر بید ستادہ با نجک
قطرۂ فیض تربت تو گر چکدم بکام دل | ابر نیاز گو مبار اشک امید گو مچک
پایگہ سخنوری یافتم از قبول تو | خود از ازل بون تو دست مرا این محک
بر فلک رسالتش راہبر دان شرع را | ہر یک ازین چار رکن آیتی از نم فرک

ان قوافی مین انوری کے قصیدہ مین کل ۲۲ اشعار ہین لیکن عمید نے اپنی سخندانی کے زور مین تقریباً دوگنے یعنی ۴۰ اشعار کہے ہین، اور ایسے قوافی لائے ہین جو انوری کے یہان مطلق نہین ہین۔ اسی قصیدہ کے حسب ذیل اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ عمید سنی المذہب تھا۔ وہ خلفائے راشدین کا مداح اور حامی تھا۔ اور شیعہ فرقہ حضرت ابوبکرؓ پر باغ فدک کا جو الزام رکھتا ہے، اس کی گویا تردید کرتا ہے۔

مردم این دو دیدہ با چار شمرد دوستی | ورنہ بماندی از مدح ساختہ در درک
رفض چہ فائدہ کند چو علی از تو شد بری | زر چہ عیار بر دہد ہر چہ نتابدش محک
کاسں رباب راچو نقص از گسلد بر زخمہ ور | تا بر شیمی بر دیا تبر آیدش خرک
رو سر نامہ رسول از سر صدق باز کن | تا شود از ضمیر تو ماحی شبہت فدک

Marfat.com

واکنگہ چو بوم شوم وم لات زند زغار جی | محرم غار از وجنانکہ کایت از شب پر ک

اس قصیدہ مین کہین کہین نعت اور منقبت کے بھی اشعار قلبند کر دیے گئے ہین لیکن عمید نے مستقل ایک نعتیہ قصیدہ بھی کہا ہے۔ اس کے بھی کچھ اشعار ناظرین سن لین، پہلے دو شعرین لفظ طراز" کا استعمال صنعتِ اشتقاق کے لحاظ سے کیا گیا ہے۔ تیسرے شعر کا مطلب یہ ہے کہ روضۂ نبوت کے پھول سے جو خوشبو پھیلتی ہے۔ وہ اس طرح کی ہے۔ کہ صبا چمن سے ماچین تک ایسی خوشبو کبھی نہین لے گئی، چوتھے شعر کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول پاکؐ پر جو کائنات عالم کے سردار ہین۔ آسمان نے قیمتی موتی صدف کی طرح نثار کیے ہین۔

پانچوین شعر مین عجیب وغریب تمثیلات وتلمیحات ہین، پنج نوبت سے پانچون وقت کی نماز اور دو علم سے آفتاب وماہتاب مراد ہین، تنورۂ مسدس سے اشارہ، عالم الانس، عالم الجن، عالم الملائکہ، عالم الحیوان، عالم النبات اور عالم المعادن کی طرف ہے۔ حصار ہفتمینش سے مطلب ساتوان آسمان یعنی زحل ہے۔ اور اشعار مین بھی اسی قسم کے الفاظ کے اشکال اور معانی کے اغلاق ہین، جن سے خاقانی کا رنگ جھلکتا ہے، جیسا کہ ناظرین کو حسب ذیل چند اشعار سے خود اندازہ ہوگا۔

سخنے طراز وم اکنون کہ طراز آستینش	نہ طراز جان بجوید چو طراز آفرینش
وہ طراز تو گزینم نہ طراز نعت کیرہ	کرد کون شد کتابہ نہ طراز آستینش
گل روضۂ نبوت کہ ز سنبلش بماچین	تحفے برون نہ نافہ نبرد صبا زچینش
سر کائنات عالم بپائے ہمت او	چو صدف نثار بردہ فلک از درِ ثمینش
فلکش ز پنج نوبت دو علم سہ پایہ کرد	دَ تنورۂ مسدس بحصار ہفتمینش

انوری کے طرز پر عمید نے ایک اور قصیدہ کہا ہے، جس مین خیالات کی برجستگی کے ساتھ ساتھ زبان کی روانی، الفاظ کی شیرینی اور طرز ادا کی شگفتگی و دل آویزی بھی ہے۔ انوری کے قصیدہ کے دو تین

شعر پہلے ملاحظہ کریں،

حبذا بزمے کہ وہ ہر دم دگرگون زیوری | آسمان بر عالمے بند و زمین بر کشوری
کشوری و عالمی را ہم زمین و ہم زبان | از چنین بزمے تواند داد ہر دم زیوری
مجلس کو دعوی فردوس را باطل کند | گر میان ہر دو بنشانند عادل داوری

خاقانی نے بھی ان قوافی میں طویل قصیدہ کہا ہے۔ اس کا مطلع ثانی ملاحظہ ہو۔

ماہ بباہی کند شاہ فلک کہ بری | عالم ناقہ بردہ را توشہ دہد توانگری

اب ان ہی قوافی میں عمیق کے بھی خاص خاص موسیقی بھرے اشعار ہدیۂ ناظرین ہیں۔ ان میں صنعت تسجیع کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے، یعنی ہر بیت کے تین تین قافیے ہیں، اور چوتھا قافیہ قصیدہ کی زمین کا ہے،

رخت امیدم بردہ شد حالم کردہ رنج افسردہ شد | شاخ طرب پژمردہ شد بے آب چون نیلوفری
بودم دریں تیمار و غم پر دردہ رنج و ستم | کز در در آمد صبح دم شمشاد قدے پیکری
ضرین برو کو چک دہن شکر لب شیرین سخن | در بر لطیفش پیرہن در سر نازش معجری
از خواب خوش برخاستہ زلف سیہ پیراستہ | خود را چو باغ آراستہ بربستہ زیبا زیوری
شکلش ز ہول انگیختہ سرمہ بچشمش ریختہ | عنبر فرو آویختہ چون دلبر سیمین بری
باریک ساق و سخت سم فربہ کفل باریک دم | ہرگز نکردہ راہ گم در تیرہ شب بے رہبری
شاخش چو ماہ یک شبہ چشمش سیہ تر از شبہ | نامش چو ذکر شتر بہ مشہور در ہر کشوری[1]

اس قسم کی فصیح اور شیریں زبان میں قصیدہ لکھنے پر اس کو اپنے متعلق شاید ضرورت سے زیادہ غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی، اسی لیے فخر و تمکنت کے ساتھ کہتا ہے،

[1] یہ اشعار مجمع الفصحاء سے لیے گئے ہیں۔

مثل عمید تو سخن نادر دوران در زمین
نہ در سپاہان دیدمی نہ در سمرقند و ہری

یہ تو اس کی تعلّی ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ اس نے نہ صرف پرانے اساتذہ کے رنگ میں لکھ کر اپنی نادر الکلامی کا اظہار کیا ہے، بلکہ مشکل اور عجیب و غریب ردیفیں مثلاً ناخن کشتی، آہو اور درزہ وغیرہ اختیار کرکے اپنی سخن سنجی کے اعجاز اور بقول مؤلف عرفات العاشقین طرز بیان کی سحر پردازی کا ثبوت دیا ہے، جس کے نمونے ہم پہلے پیش کر چکے ہیں۔ روز روشن کے مؤلف نے اس کے قصائد کے بارہ میں لکھا ہے کہ یہ مقبول ہیں[1]۔ ڈاکٹر اقبال حسین اس کے قصیدوں پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنی خاص عقیدت میں لکھتے ہیں کہ اس کے بعض قصائد میں اعلیٰ درجہ کی خوش بیانی ہے، اور ان میں جن جذبات کا اظہار کیا گیا ہے، وہ فطری اور پاکیزہ ہیں۔ ان کے تخیلات زیادہ تر جاذب توجہ اور مناسب ہیں، طرز نگارش شستہ اور چست ہے، اور قافیہ بندی میں ہمواری اور روانی۔ مخدومی سید ہاشمی صاحب فرید آبادی بھی رقمطراز ہیں کہ قدرت کلام اور فصاحت بیان میں عمید اول درجہ کے فارسی شعراء میں شمار کیے جانے کا مستحق ہے لیکن معلوم نہیں انھوں نے یہ کیسے لکھ دیا کہ شاید غزل گوئی جس کا ان دنوں ایران میں چرچا بڑھتا جاتا تھا اسے ناپسند تھی[2]۔

عمید کی غزل گوئی

عمید کا جوش طبع غزل گوئی میں بھی ابھرا اور گو ہندوستان میں اس تغزل کی شراب کو میر حسن اور خسرو نے تیز کیا لیکن عمید کی قصیدہ نگاری اور غزل گوئی سے جو سرور پیدا ہوئی وہ اس لائق ہے کہ اس سے بھی کچھ سرور حاصل کیا جائے۔ عمید کے قصائد کی عشقیہ تشبیب میں تغزل کی ساری رنگینیاں پائی جاتی ہیں۔ اس قسم کی تشبیب کو علیحدہ کر لیا جائے تو وہ غزل بن جائے۔ اسی طرح اس نے جو غزلیں کہی ہیں ان میں قصیدے کی تشبیب کی پوری جھلک ہے، مثلاً ذیل غزل کے مطلع [illegible] اشعار میں اس نے [illegible] خیالات پیش کرنے کے بجائے معشوق کے چہرے

لہ روز روشن ص [illegible]

بال گیسو، طرہ، غمزہ، رفتار، رخسار، لب وغیرہ کی مسلسل تعریف کی ہے۔ جس طرح قصیدہ میں ممدوح کے جود و سخا، جبروت و اقتدار اور عدل و انصاف کی مدح کی جاتی ہے، اسی طرح اس غزل میں معشوق کے حسن و جمال کی تعریف و توصیف کی گئی ہے۔ زبان تو بے شک غزل کی ہے، لیکن انداز بیان قصیدہ کا ہے۔ پوری غزل میں بڑی صفائی اور روانی ہے۔ جو خاص صنائع و بدائع کے ساتھ قلمبند کی گئی ہے۔ پہلے غزل، پھر اس کی صنعتیں ملاحظہ کریں:

روئے تو پیرایۂ صحن چمن — موئے تو سرمایۂ مشک ختن

بستۂ گیسوئے تو صد دین و دل — خستۂ بادام تو صد جان و تن

طرۂ طرار تو عاشق فریب — غمزۂ خونخوار تو لشکر شکن

فتنۂ رفتار تو کبک دری — والۂ رخسار تو ہر مرد و زن

داد گر خندۂ لب لعلت شکست — رونق بیجادہ و دُر عدن

زلف تو بر روئے تو گوئی کہ ہست — سنبل پرخم زدہ بر نسترن

نرگس جادوئے تو ہنگام ناز — آفتِ جان و دل مجروح من

بندۂ خاک در تو شد عمید — آتش غم در دل و جانش فزن

مطلع میں صنعت ترصیع ہے۔ یعنی دونوں مصرعے کے الفاظ، وزن اور قافیے متحد ہیں، اور چوتھے شعر میں ذوقافیتین کے ساتھ کچھ ترصیع کی صنعت بھی آگئی ہے۔ پھر پوری غزل میں معشوق کے کئی اوصاف کا ذکر پے در پے اس طرح کیا گیا ہے کہ صنعت تنسیق الصفات خود بخود پیدا ہوگئی ہے۔

ڈاکٹر اقبال حسین کا خیال ہے کہ عمید کی غزلیں انتہائی درجہ کی رواں اور مترنم ہیں، اور ان کے خیالات عموماً سیدھے سادے ہیں، اس کے طرز ادا میں جو فطری روانی ہے، اس کی وجہ سے اسکی شاعری میں ہمواری اور موسیقیت پیدا ہو گئی ہے۔ عمید کی غزلوں کا مجموعہ سامنے ہوتا تو پھر یہ

Marfat.com

فیصلہ آسانی سے کیا جا سکتا تھا کہ ڈاکٹر اقبال حسین کا یہ خیال بالکل صحیح ہے، یا اس کے اظہار میں کچھ غلو سے کام لیا گیا ہے۔ مندرجہ بالا غزل پر تو اس رائے کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ لیکن عرفات العاشقین میں اس کی جو ایک اور غزل درج ہے، اس کا رنگ ذرا کچھ مختلف ہے، اور اس پر ڈاکٹر اقبال حسین کی رائے چسپاں نہیں ہو سکتی ہے۔

اس میں عمید نے تجنیس لفظی کی صنعت کے ساتھ کچھ اس انداز میں اشعار کہنے کی کوشش کی ہے کہ بعض تو کامل کہی جا سکتی ہیں، لیکن بعض ناقص ہیں، مثلاً "دربار" کے ساتھ "بار" اور یک بار بار اور تار مو کے ساتھ "تار تار" تو صحیح ہیں لیکن خار کے ساتھ "لعبت فرخار" بازار کے ساتھ زار اور عیار تو کے ساتھ عیار یار ناقص ہیں، اسی لیے حسب ذیل غزل میں وہ سلاست اور روانی اور حلاوت نہیں جو مذکورۂ بالا غزل میں ہے۔

گر ندہی عقل را بلب در بار یار ‌ ‌ ‌ ‌ بر دلم از غم صد خیرہ بیک بار بار

تا گل رویت شگفت نقش زرنگ تو ‌ ‌ ‌ ‌ دیگر دل [illegible] لعبت فرخار خار

در خم ہر تار مو لعبت تو دارد سبے ‌ ‌ ‌ ‌ روز دلم کردہ چون شب زلفان تار تار

دوش بیاز اندر عشق شدہ دل در ہر قدم ‌ ‌ ‌ ‌ کشتہ چشم تو دید بر سر بازار زار

حور من از خانگی حور و عیار توست ‌ ‌ ‌ ‌ ہیچ کس را راہ ادہم چو تو عیار یار

واری شنیدہ ای لت چون گرم خسروی ‌ ‌ ‌ ‌ یکنفس این خستہ را محرم این راز دار

عمید کی ہزل گوئی

آتشکدہ اور مجمع الفصحا[1] میں عمید کی ایک ہزل بھی درج ہے، جس کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس کو ہزل کہنے پر بھی قدرت تھی، عام ہزل گویوں کی طرح اس کی حسب ذیل ہجو میں سب و شتم نہیں بلکہ صرف طنز اور تشنیع ہے۔ چھوٹی بحر میں زبان اور طرز بیان دونوں بے تکلفانہ ہیں۔

[1] مجمع الفصحا ص

Marfat.com

خواجہ بغزد دو لیکن بہ درم | گشت مشغول و لیکن بہ شکم
میزبان بود و لیکن بہ رباط | نانم آورد و لیکن بہ درم
سر بر آورد و لیکن بفضول | دل تہی کرد و لیکن ز کرم
بس حریص است و لیکن بحرام | بس جواد است و لیکن بہ حرم
در ش بکشاد و لیکن از بخل | لب فرو بست و لیکن ز کرم
خواجہ بنجور و لیکن بعجوز | خواجہ مشغول و لیکن بہ شکم
دو نعمتش باد و لیکن نہ براہ | نعمتش باد و لیکن شدہ کم
جاودان باد و لیکن بہ سقر | سالہا باد و لیکن بہ ستم

"آتشکدہ" کے مؤلف کو یہ ہزل پسند آئی ہے۔ اس لیے اس کو اپنے تذکرہ مین نقل کیا ہے اور نقل کرنے سے پہلے کہا ہے:

"این چند بیت از قطعہ کہ در ہزل گفتہ نوشتہ شد از دست بدنگفتہ"

عمید اور منظوم مناظرات | عمید نے جس طرح انوری کے بعض قصائد پر کچھ قصیدے کہے ہین، اسی طرح اسدی طوسی کے رنگ مین منظوم مناظرات لکھ کر اپنی قادرالکلامی اور سخنوری کا سکہ جمایا ہے، ڈاکٹر اقبال حسین نے لکھا ہے کہ ہندوستان مین منظوم مناظرہ لکھنے مین اولیت کا شرف عمید ہی کو حاصل ہے۔ خلاصۃ الاشعار مین سیف و قلم کا مناظرہ منقول ہے، عرفات العاشقین مین "بنگ و شراب" کا مناظرہ درج ہے، اور یہی زیادہ مقبول ہوا، روز روشن مین بھی یہ نقل کیا گیا ہے، ہم بھی اس کو ناظرین کی ضیافت کے لیے ان کی خدمت مین پیش کرتے ہین:

دی در میان بادۂ صافی فراج و بنگ | در مصدر دماغ من افتاد شور و جنگ[1]

[1] روز روشن صفحہ

بکشادہ‌ام زبان کہ منم دُرّ عنب — صافی تن و نشاط فزائے[1] عقیق رنگ

تا من سر از دریچهٔ خم برنمی‌کشم — نانست خون[2] گرفته و خون خشک رو چنگ

گر در دهانِ زنگ ز من قطرهٔ چکد — بر روئے شیر زنگ[3] تفاوت کند ز رنگ

در[4] موشکی ضعیف ز من جرعهٔ چشد — نشگفت اگر ز پنجهٔ خراشد رخ پلنگ

ممسک[5] ز من بر آنکه گر نفس زند — بخشد گهر بدامن و لؤلؤ بہ سنگ[6] تنگ

خاصیت[7] من این و تو اے بنگ خشک مغز — ذکر خواهی خویش بن گوئے بید رنگ

بنگ سبک سر از سر حدت زبان کشاد — کاے زد غفلت تو یکے شکر و شرنگ

من صوفیم[8] ز خانقهٔ کیمیائے عقل — بر دامنم زنند حکیمان الطبیع چنگ

وز[9] قوتِ تخیل من بر زبان کنند — سحر حلال در صفت نو خطانِ شنگ

از تو یکے پیالہ و صد محنت خمار — وز من طلب علاج دل ناتوان و تنگ

لا تقربوا الصلوٰة بر اوراق عشق هست — ام الخبائثست هر آئینه از تو ننگ

مے[10] گفت منکر آیہ منصوص نیستی — نام تو بر صحیفه نیامد و زیر سنگ

من[11] در دهان شیر در آیم صبا صفت — تو بر کنی ز روبهک سست پاے لنگ

وانکه[12] به بحر خرمیم غوطه خورد — اند دہ ظفر پا نهد اندر و درنگ

من لعل با عزادت و تو نیرو بے نمک[13] — نامم شراب صافی و نام تو تلخ و بنگ

---

[1] روز روشن نشاط فزا [2] روز روشن دم گرفته [3] روز روشن شیرزه [4] و [5] یہ اشعار روز روشن میں نہیں ہیں۔

[6] یہ مصرع روز روشن میں اس طرح ہے، ع گر باور تو نیست پس اے بنگ خشک مغز [7] روز روشن وحشت

[8] و [9] یہ دو اشعار روز روشن میں نہیں ہیں [10] روز روشن ع داد حق جواب کہ تو منصوص نیستی

[11] و [12] روز روشن میں نہیں ہیں [13] عرفات العاشقین سیہ بے نمک

بنگش بخشم گفت چہ افتیم ہمہ گر — در وا ز ضرب شرع نداریم ہر دو سنگ

باشد کہ این بساط مقالات بگستریم — در مجلس شہنشہ مشہور روم و زنگ

فرزانہ تاج دولت بو بکر بن ایاز — آن کو دو قلب پرور دازخم یک خدنگ

یہ مناظرہ شستہ اور شگفتہ زبان میں لکھا گیا ہے، ڈاکٹر اقبال حسین کی رائے ہے کہ ہندوستان میں اس نظم کا جواب نہ ہو سکا، یہ اگر اسدی کے مناظرات سے بڑھ کر نہیں ہیں تو کم تر بھی نہیں۔

عمید سے متعلق اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے، اس سے ناظرین کو اندازہ ہوا ہوگا کہ وہ اپنے زمانہ میں فارسی زبان کا ایک عالی مرتبہ فصیح البیان اور قادر الکلام شاعر تھا لیکن وہ اتنا مشہور نہیں ہوا جتنا کہ وہ مستحق تھا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اسی کی زندگی میں خسرو کی شاعری کا نیر اعظم بلند ہو رہا تھا، اور جب نصف النہار کو پہنچا تو عمید بھی اور شاعروں کی طرح ماند پڑ گیا، اور افسوس ہے کہ اس کا کلام زمانہ کے دست برد کی نذر ہو گیا۔ ملا عبد القادر بدایونی ہی کے وقت میں اس کا کلام "عزیز الوجود" ہو گیا تھا لیکن ملا صاحب نے ازراہ علم نوازی اس کے بہت سے قصائد اپنی تاریخ میں جمع کر دیے ہیں، اور کلام کے کچھ نمونے عرفات العاشقین، خلاصۃ الاشعار اور مجمع الفصحا میں بھی محفوظ ہیں یہی اس شاعر کی کل کائنات رہ گئی ہے، پھر بھی جو کچھ باقی ہے اس کو ایک باکمال اور مایۂ ناز اہل فن ظاہر کرنے کے لیے کافی ہے۔

معذرت | عمید کا ذکر سلطان ناصر الدین محمود اور سلطان غیاث الدین بلبن دونوں کے عہد میں آنا چاہیے تھا لیکن محض اس خیال سے کہ ناظرین کو ایک ہی جگہ اس شاعر کے تمام حالات پڑھنے میں سہولت ہوگی، سلطان ناصر الدین محمود ہی کے عہد میں اس کی اور اس کی شاعری کی ساری تفصیلات قلمبند کر دی گئی ہیں۔

Marfat.com

غیاث الدین بلبن

۶۶۴ - ۶۸۶ھ
۱۲۶۶ - ۱۲۸۷ء

سلاطین دہلی میں غیاث الدین بلبن اپنی شوکت و حشمت اور جلال و عظمت کے لیے سب سے زیادہ ممتاز اور نمایاں رہا، اس کی زندگی کی ابتدا تو غلامی سے ہوئی لیکن دبدبۂ شاہی کو اس نے اس طرح بلند کیا کہ وہی آیندہ فرمانرواؤں کے لیے نمونہ بن گیا،

ابتدائی زندگی التمش کی طرح وہ بھی ترکستان کے قبیلۂ البری کے ایک بڑے گھرانے کا فرزند تھا، اس کا باپ البری ترک کے دس ہزار خاندانوں کا سردار تھا۔ مغلوں نے ترکستان میں قراختائی کو تباہ و برباد کیا تو بلبن کسی مغل سپاہی کے ہاتھوں گرفتار ہوگیا، جس نے بغداد میں لاکر اس کو خواجہ جمال الدین بصری کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ خواجہ جمال الدین نے اس کو اپنے فرزند کی طرح گھر میں رکھا، وہ اپنے زہد، تقویٰ اور دیانت کے لیے مشہور تھا۔ بلبن کی مذہبی تربیت کی ابتدا اسی گھر میں ہوئی۔ خواجہ جمال کو جب یہ معلوم ہوا کہ بلبن کی رگوں میں ہندوستان کے مشہور فرمانروا سلطان شمس الدین التمش کے اسلاف کا خون ہے تو اس کو اور غلاموں کے ساتھ لے کر ہندوستان کی طرف روانہ ہوا اور جب سلطان التمش کے حضور میں ۶۳۰ھ میں پہنچا تو سلطان نے تمام غلاموں کو بیش قرار رقم دے کر خرید لیا۔ التمش نے بلبن کے چہرہ پر

لہ طبقات ناصری ص ۲۰۰

Marfat.com

سعادت و عظمت کے آثار دیکھ کر اس کو خاصہ وار بیٹی[1] اپنا ذاتی ملازم مقرر کیا۔ بلبن کا بھائی کشلی خان التتمش کے دربار میں پہلے ہی پہنچ چکا تھا۔ اور ترقی کر کے امیر حاجب کے عہدہ پر مامور تھا۔ بلبن نے اپنے بھائی کو پہچانا تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی، اسی کے بعد اس کی عزت و وقعت اور دوبالا ہوگئی[2]۔ اور رفتہ رفتہ وہ التتمش کے چہل گانی امراء (ترکان چہل گانی) میں داخل ہوگیا[3]۔

خواجہ جمال الدین بصری کے گھر میں بلبن پر جو مذہبی رنگ چڑھا، اسی کی جلا التتمش کی ان مذہبی مجلسوں میں ہوئی جن کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ ان مجلسوں کو بلبن برابر یاد کیا کرتا تھا، اور ان میں بزرگان دین نے جمع ہو کر جو کچھ بیان کیا اس کو اس نے برابر ذہن نشین رکھا۔ اور اپنے لڑکے کو بھی بطور نصیحت سنایا کرتا تھا۔ پہلے ذکر آچکا ہے کہ ان مجلسوں میں ایک بار مولانا سید نور الدین مبارک غزنوی کا جو وعظ سنا تھا اس کو بار بار دہرا کر دیا کرتا تھا۔

التتمش کی وفات کے بعد بلبن نے سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے خلاف ان امرا کے ساتھ دیا، جو رکن الدین کی تخت نشینی پسند نہیں کرتے تھے۔ وہ سلطان رضیہ کی تخت نشینی کا بھی حامی نہ تھا۔ اسی عزل و نصب کے سلسلہ میں شاہی فوج کے ہاتھوں گرفتار ہو کر نظر بند کر دیا گیا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں قید سے نجات پائی۔ اور میر شکار کے عہدہ پر مامور کیا گیا۔

---

[1] طبقاتِ ناصری ص ۲۸۰ [2] ایضاً [3] تاریخ فیروز شاہی برنی ص ۲۶، فرشتہ جلد ۱ ص ۴۷،

تاریخ فرشتہ اور طبقات اکبری میں ہے کہ غیاث الدین بلبن کو شمس الدین التتمش نے اپنا داماد بھی بنالیا تھا۔ لیکن معاصر تاریخوں میں اس کا ذکر کہیں نظر سے نہیں گزرا۔ البتہ برنی (ص ۱۴۵-۱۴۴) کی روایت ہے کہ بلبن کے بزرگوں نے خواجہ تاج الدین بخاری سے آداب السلاطین ختم کی تو سلطان التتمش نے خوشی میں خواجہ تاج الدین بخاری کو دو گاؤں اور ایک لاکھ جیتل انعام میں دیے۔ اس سے خیال ہوتا ہے کہ التتمش نے خواجہ تاج الدین کو نواسوں کی استادی کی حیثیت سے نوازا ہوگا۔

معز الدین بہرام شاہ کے عہد حکومت میں اس کا اعزاز اور بھی بڑھا، اور وہ امیر آخور یعنی داروغہ شاہی اصطبل کے عہدہ پر فائز ہوا، اس نے یہ خدمت تھوڑے ہی دن انجام دی ہوگی کہ تقدیر نے اس کا ساتھ دیا، اور ریواڑی کی جاگیر (جو اب گوڑگاؤں ضلع میں ہے) اس کو دی گئی۔ یہاں اس نے میواتیوں کی سرکشی فرو کرکے اپنی مردانگی اور شجاعت کا سکہ جما دیا، سلطان علاء الدین مسعود شاہ کے زمانے میں وہ امیر حاجب کے عہدہ پر مامور ہوا، اس عہدہ میں اس نے گنگا اور جمنا کے دوآبہ کی فوجی مہم اور مغلوں کی یورش روکنے میں نمایاں خدمات انجام دیں جس سے اس کی بہادری کی شہرت بھی بڑھی، سلطان ناصر الدین محمود کے زمانہ میں وزارت اسی کو تفویض کی گئی [illegible] اس کی ایک لڑکی بھی اس سلطان کے حبالۂ عقد میں آئی جس کے بعد اس کا اقتدار اتنا بڑھا کہ نائب المملکت بن کر سلطان ناصر الدین محمود کے بجائے خود ہی حکومت کرنے لگا، وہ اسی عہد میں معزز خطاب الغ خان سے بھی سرفراز کیا گیا، ناصر الدین محمود کی وفات ہوئی تو بلبن کی سیاسی بصیرت اور سپہگری کا سکہ اتنا جم چکا تھا کہ امراء نے بالاتفاق اسی کو تخت شاہی پر بٹھایا۔[1]

مشائخ سے عقیدت: بلبن اپنے شاہی آقاؤں میں سب سے زیادہ سلطان شمس الدین التمش سے متاثر رہا، اسی کے قول و فعل کے مطابق حکمرانی کرنے اور دینی زندگی گزارنے کی کوشش کی، التمش کی طرح اس کو بھی مشائخ و علماء سے بڑی گرویدگی و عقیدت رہی۔ گو التمش نے سلوک معرفت کی جو منزلیں طے کیں وہ شاید خود طے نہ کرسکا، لیکن بزرگان دین اس کو بھی عزت سے دیکھتے تھے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے اس کی عبادت اور رات کو اٹھنے کی تعریف کی ہے۔[2]

[1] مزید تفصیلات کے لیے دیکھو طبقات ناصری ص ۲۸۰ - ۲۸۲، فرشتہ ج ۱ ص ۷۰-۷۴، [illegible] فوائد الفواد میں ہے حکایت سلطان غیاث الدین بلبن رحمۃ اللہ علیہ و ملازمت او در نماز جمعہ و اوقات نماز [illegible] آن کہ [illegible] قاضی لشکری گفت شب گذشتہ (یعنی شب قدر) ہمہ شب بزرگوار بود، قاضی لشکری گفت تمام شب [illegible] سلطان گفت آرے (ص ۲۳۱ - ۲۳۲)

Marfat.com

اور اس کے لیے برابر رحمۃ اللہ علیہ اور طاب اللہ ثراہ کے دعائیہ اور تعظیمی الفاظ استعمال کیے ہیں جو عموماً صلحاء اور اخیار کے لیے لائے جاتے ہیں[1]۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے مرید و خلیفہ امیر خورد، مؤلف سیر الاولیاء بھی اس کے نام کے ساتھ "انار اللہ برہانہ" لکھتے ہیں[2]۔

بلبن اور بابا گنج شکر | بلبن مشائخ میں سب سے زیادہ معتقد حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کا تھا۔ گذشتہ اوراق میں لکھا جا چکا ہے کہ جب وہ سلطان ناصر الدین محمود کا وزیر تھا تو سلطان کے حکم سے بابا صاحب کی خدمت میں چار گاؤں کا فرمان اور ایک کثیر رقم کا ہدیہ لیکر پہنچا، لیکن بابا صاحب نے فرمان تو لینے سے یہ کہکر انکار کر دیا کہ ان کو وہ جو اس کے طلبگار ہیں، البتہ درویشوں کے خرچ کے لیے نقد رقم قبول کر لی[3]۔ پہلے یہ بھی کہا جا چکا ہے کہ سیر الاولیاء کے مصنف کی روایت ہے کہ بلبن نے حضرت بابا صاحب سے ملاقات کی تو اثنائے ملاقات میں بابا صاحب نے بلبن کے لیے یہ اشعار پڑھے، جو گویا اس کے تخت دہلی کے حصول میں فال نیک ثابت ہوئے،

فریدون فرخ فرشتہ نبود ز عود و ز عنبر سرشتہ نبود
ز داد و دہش یافت نیکوئی تو داد و دہش کن فریدون توئی[4]

یہ بھی کہا جا چکا ہے کہ بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ بلبن نے بادشاہت سے پہلے اپنی ایک لڑکی بی بی ہزیرہ کو حضرت بابا صاحب کے حبالۂ عقد میں دیا جن سے چھ لڑکے اور تین لڑکیاں پیدا ہوئیں[5]۔ یہ گویا درویش نوازی اور اللہ کے ایک محبوب سے انتہائی عقیدت و گرویدگی کی مثال ہے۔

بلبن بادشاہ ہوا تو اس نے بڑے جاہ و جلال سے حکومت کی، ہر ممکن صورت سے بادشاہت

---

[1] فوائد الفواد ص ۹۹ [2] سیر الاولیاء ص ۱۰۷ [3] فوائد الفواد ص ۹۹ [4] سیر الاولیاء ص ۸۰-۷۹، مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین [5] خزینۃ الاصفیاء ص ۱۰۳ چشتیہ سلسلہ میں بلبن کا نام محترم سمجھا جاتا ہے اس خیال ہوتا ہے کہ یہ اسی رشتہ ہی کی بنا پر ہوا

Marfat.com

کا رعب اور وقار قائم رکھنے میں کوشاں رہا۔ اس کا دربار آراستہ ہوتا تو ملوک، امراء، صدہا نقیب وچاؤش اور دیگر جوان ننگی تلواریں لیے ہوئے اس کے گرد و پیش کھڑے رہتے۔ باہر کا کوئی سفیر یا ہندوستان کا کوئی راجہ دربار میں باریاب ہوتا تو سلام کے وقت خوف سے گر پڑتا یا بے ہوش ہوجاتا۔ چنگیز خانی فتنوں سے پریشان ہو کر ترکستان، ماوراء النہر، خراسان، عراق، آذربائیجان، فارس، روم اور شام وغیرہ سے پندرہ شہزادے بلبن کے دربار میں آکر پناہ لیے ہوئے تھے۔ ان میں سے صرف دو کو جو بنی عباس کی نسل سے تھے تخت کے قریب بیٹھنے کی اجازت تھی۔ بقیہ اور شہزادے تخت شاہی کے سامنے دست بستہ کھڑے رہتے تھے۔ دربار کے بڑے بڑے امراء پر اس کی ہیبت ایسی طاری رہتی کہ وہ اس کی طرف زیادہ دیر تک دیکھنے کی ہمت نہ کرتے تھے۔ سینکڑوں امراء اور فوجی سردار اس کے گرد و پیش ہوتے۔ اس کی سواری چلتی تو پانچسو سیستانی، عربی، سمرقندی اور غوری سوار لشکر جاہ میں ننگی تلواریں لیے ہائے ہوئے اور بسم اللہ کے نعرے بلند کرتے ہوئے چلتے۔ ان کے نعروں سے بازار اور جنگل گونج اٹھتے۔ یہ دو دو کوس تک سنائی دیتے۔ تماشائی اور سامعین پر لرزہ طاری ہو جاتا۔ لوگ سو سو اور دو دو سو کوس سے آکر یہ تماشا دیکھتے۔ ضیاء الدین برنی کا بیان ہے کہ بلبن نے اپنی حکومت کے بیس سال کے دور میں شاہی وقار، شاہی آداب، اور شاہی دبدبہ کو اتنا بلند کر دیا تھا کہ اس سے زیادہ بلند نہ ہو سکتا[1]۔

لیکن اس شوکت و حشمت کے باوجود وہ ہر قسم کے مشائخ کی بے حد تعظیم کرتا۔ اور حصول برکت کے لیے ان کے گھروں پر جاتا۔ مولانا ضیاء الدین برنی لکھتے ہیں کہ

.... مشائخ بر بادہ را بغایت عزت داشتے و بہ بیدن بزرگان دین و خانہائے ایشان برفتے (تاریخ فیروز شاہی ص ۴۷)

[1] تاریخ فیروز شاہی از برنی ص ۱۲۶-۳۰-۳۲ تاریخ فرشتہ ص ۷۶، ۷۵

بلبن کا خیال تھا کہ ایک حکمران کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے کو ایسے شخص کی پناہ میں دیدے جس نے دنیا سے منہ موڑ کر اپنے کو صرف خدا کے لیے وقف کر دیا ہو، ایسا شخص اس کو پناہ میں نہ لے تو وہ اس سے انتہائی عاجزی و زاری کر کے اپنے کو اس کی پناہ میں دیدے۔[1]

بلبن اور حضرت علی چشتیؒ یہ تو نہ معلوم ہو سکا کہ بلبن ایسے کون سے بزرگ کی پناہ میں تھا، شاید بابا گنج شکرہی کا دامن اس نے تھام رکھا ہو، لیکن سیر الاولیا میں ایک ایسی روایت ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ممکن ہے اس نے شیخ علی چشتیؒ کے سایۂ عاطفت میں پناہ لی ہو، یہ بزرگ چشت سے آکر دہلی میں مقیم تھے، چشت کی سجادہ نشینی کے لیے دو بزرگ ان کو دہلی سے لیجانے کے لیے آئے، شیخ علی چشت جانے کے لیے تیار ہوئے تو اس کی خبر بلبن کو ملی، وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کے قدموں میں گر کر قسم کھائی کہ اگر آپ چشت تشریف لے گئے تو میں بھی اپنی مملکت چھوڑ کر آپ کے رکاب میں چشت پہنچوں گا، خواجہ علی نے فرمایا تم نے خداوند تعالیٰ کے بندوں کو آرام و آسایش پہنچانے کا عہد کیا ہے، اور تمام لوگ تمھاری وجہ سے آسودہ ہیں، اگر تم میرے ساتھ گئے تو ایک دنیا پریشانی میں مبتلا ہو جائے گی، اور تم سے مواخذہ ہوگا، لیکن سلطان نے جواب دیا اب چاہے جو کچھ ہو، میں آپ کے قدموں سے دور رہنا نہیں چاہتا خواجہ نے سلطان کو اپنا اتنا عقیدت مند پایا تو دہلی میں قیام کرنا گوارا کر لیا۔[2]

مراۃ الاسرار کے مولف نے بھی یہ روایت پوری تفصیل سے لکھی ہے، اور اسی سلسلہ میں یہ بھی

---

[1] تاریخ فیروز شاہی (ص ۱۰۳) میں ہے

"اگر ترا نی باید شد بسیار و بزاری و عجز خود را در پناہ کسے، بدانے کہ او صورۃ و معنی رُوے از دنیا گردانیدہ باشد و کلی رجوعی خود را در بندگی خدا وقف کردہ باشد"

[2] سیر الاولیا ص ۲۱۲

تحریر کیا ہے کہ

"چون سلطان غیاث الدین بلبن مرید خواجہ علی بود بہ ہزار الحاح خواجہ را گذاشت کہ بچشت زود" (قلمی نسخہ ورق ۳۵۰)

اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ سلطان بلبن خواجہ علی چشتی کے حلقۂ ارادت میں باضابطہ داخل تھا۔

بلبن اور خواجہ شمس الدین ترک سلطان بلبن حضرت خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی سے جس عاجزی و خاکساری سے ملا یہ بھی ایک عجیب و غریب واقعہ ہے۔ حضرت خواجہ شمس الدین ترک کو جب ان کے مرشد حضرت خواجہ علاء الدین صابر سے پانی پت میں قیام کرنے کا حکم ملا۔ تو روحانی طور پر اس مقام کا بار اٹھانے کی صلاحیت اپنے میں نہ پائی۔ اس لیے مرشد کی اجازت سے مزید مجاہدہ و ریاضت کی خاطر مزدوری کرنے لگے۔ دہلی آکر غیاث الدین بلبن کی فوج میں سواروں کے زمرہ میں شامل ہوگئے۔ اور جب شاہی فوج ایک قلعہ[1] کی تسخیر کے لیے روانہ ہوئی تو وہ بھی ساتھ گئے۔ قلعہ کی تسخیر میں بڑی دیر لگی۔ ایک رات سخت آندھی آئی۔ اس آندھی میں بلبن کے سقہ نے ان کی بزرگی کے کچھ آثار دیکھے۔ تو اس نے بلبن کو اس کی خبر دی۔ بلبن کو ان سے ملنے کا اشتیاق ہوا۔ وہ رات کو چپکے سے پاپیادہ ان کی قیام گاہ پر اس وقت پہنچا جب وہ ... کی تلاوت میں مشغول تھے۔ بلبن چپ چاپ دست بستہ کھڑا رہا۔ جب وہ تلاوت سے فارغ ہوئے تو سلطان پر نظر پڑی۔ تعظیم کے لیے کھڑے ہوگئے۔ اور سلام کیا۔ سلطان نے اظہار ادب کرکے عرض کی کہ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ جیسے دوست میرے عہد میں موجود ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ہزار افسوس ہے کہ ابھی تک یہ قلعہ فتح نہیں ہوسکا۔ خواجہ شمس الدین نے ہرچند اپنے

[1] سیر الاقطاب کے مؤلف نے قلعہ کا نام نہیں لکھا ہے۔

Marfat.com

کو چھپانے کی کوشش کی لیکن بے سود تھا، مجبوراً دعا کے لیے دونوں ہاتھ اٹھائے، اور فرمایا اسی وقت حملہ کیا جائے۔ انشاء اللہ فتح ہوگی، سلطان نے ایسا ہی کیا اور قلعہ فتح ہو گیا، دوسرے دن سلطان نے غایت مسرت میں برہنہ پا خواجہ شمس الدین کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا لیکن خواجہ شمس الدین کو اپنے نور باطن سے اس کا ارادہ معلوم ہوا، تو کمل اوڑھ کر شاہی لشکر سے چل کھڑے ہوئے۔[۱]

فیوض مشائخ بلبن کا یہ معمول تھا کہ ہر جمعہ کی نماز کے بعد وہ مشائخ کے مزاروں کی زیارت کے لیے ضرور جاتا، مشائخ، سادات اور علماء میں سے کسی کا انتقال ہوتا تو ان کے جنازہ میں ضرور شریک ہوتا، پھر ان کے سیوم میں حاضر ہو کر ان کے لڑکوں اور بھائیوں کو خلعت دیتا، ان کے لیے جاگیریں اور وظائف مقرر کرتا۔[۲] اس کا عہد نہ صرف سیاسی حیثیت سے ممتاز تھا، بلکہ اس زمانہ میں اتنے مشائخ و سادات جمع ہو گئے تھے کہ مورخوں نے ان کے وجود کی وجہ سے اس عہد کو خیرالاعصار لکھا ہے۔[۳] حضرت بابا گنج شکر کے علاوہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی، ان کے صاحبزادے شیخ صدر الدین، شیخ بدر الدین غزنوی، شیخ ابو المؤید، نظام الدین شیخ جمال الدین ہانسوی، خواجہ علاء الدین علی بن احمد صابر، سیدی مولہ، شیخ حسام الدین ملتانی شیخ نجیب الدین فردوسی، شیخ ابو بکر حیدر طوسی وغیرہ کے انوار سے ہندوستان منور ہو گیا تھا۔ ان مشائخ کے برکات کا ذکر کرتے ہوئے سیر الاولیاء کے مصنف نے لکھا ہے

...... میامن و برکات ایشان در عہد سلطان بلبن فیض رحمت آسمان متواتر بر زمین نازل می شد (ص ۵۸۳)

ظاہر ہے کہ بلبن نے ان تمام صلحاء و اخیار سے فیوض حاصل کیے ہوں گے، اور ان کی صحبت سے

---

[۱] سیر الاقطاب ص ۱۸۶-۱۸۷ [۲] تاریخ فیروز شاہی برنی ص ۴۶-۴۷ [۳] ایضاً ص ۱۱۱، تاریخ فرشتہ ج ا ص ۸۳

Marfat.com

جو اثرات اس میں پیدا ہوئے، ان کا ذکر آگے آئے گا۔

علماء کی قدر دانی | ابن بطوطہ نے بلبن کی عدل پروری بردباری اور نیک چلنی کی تعریف کر کے لکھا ہے کہ وہ عالم اور فاضل بھی تھا، اسی لیے اس نے مشائخ کی طرح علماء کی بھی بہت قدر و منزلت کی۔ اس کا خیال تھا کہ دار السلطنت میں مشائخ، علماء، اور فضلا کا بہت بڑا اجتماع رہنا چاہیئے تاکہ اس شہر کی فضیلت قائم رہے، اپنے لڑکے بغرا خان کو نصیحت کرنے کے سلسلہ میں اپنی ایک اندرونی خواہش کا اظہار اس طرح کرنا چاہا،

دار الملک خود را از علماء و مشائخ و سادات و مفسران و محدثان و حافظان و مذکران و فاضلان و ماہران ہر ہنری پر کن تا مصر جامع گردد (برنی ص ۱۰۳)

خود بھی اسی پر عمل کرتا رہا، اتفاق سے چنگیز خانیوں کے فتنہ سے پریشان ہو کر جو مختلف شہزادے باہر سے آئے تو ان کی معیت میں خوارزم، دیلم، غور، یمن، موصل، سمرقند، کاشغر اور خطا سے علماء و فضلاء اور دوسرے اہل ہنر بھی بڑی تعداد میں آئے، بلبن نے ان شہزادوں اور ارباب کمال کو علیحدہ علیحدہ محلوں میں آباد کیا، اور ان کے یہ نام رکھے، محلہ عباسی، محلہ سنجری، محلہ خوارزم شاہی، محلہ دیلمی، محلہ علوی، محلہ اتابکی، محلہ غوری، محلہ چنگیزی، محلہ رومی، محلہ اسفزی، محلہ یمنی، محلہ موصلی، محلہ سمرقندی، محلہ کاشغری، محلہ خطائی۔ بلبن ان پناہ گزین شہزادوں ہی کا مربی نہ تھا، بلکہ ان کے جلو میں جتنے ارباب ہنر اور اصحاب فن آئے تھے ان سب کی بھی سرپرستی کی جس سے اس کے عہد میں علم و فن کی بڑی رونق رہی۔ تاریخ فیروز شاہی میں ہے

از فضلاء و علماء و ہنرمندان و ماہران و مقربان و قوالان و مطربان عدیم المثال آن عصر محلہ و مشحون بودہ است و از جہت آنکہ در عہد او معتبران بسیار بودہ اند اعتبار او در اطراف عالم پیدا آمدہ بود (ص ۱۱۲)

Marfat.com

تاریخ فرشتہ میں بھی ہے کہ بلبنی عہد اپنے ارباب ہنر کی وجہ سے ربع مسکون میں بے نظیر و بے عدیل تھا، اور بلبن کا دربار محمود و سنجر کے دربار سے بہتر تھا، اس کے لڑکے خان شہید کے یہاں تو کثرت علماء و فضلاء و مشائخ جمع ہو گئے تھے۔[1]

بلبن کو علماء کے ساتھ جو گرویدگی رہی، وہ اپنی مثال آپ ہے، وہ علماء کے بغیر کھانا نہ کھاتا تھا، بزرگان دین کے سامنے کبھی خود کھانے میں پیش دستی نہیں کرتا، کھانے کے وقت فضول باتیں کرنے کے بجائے علماء سے دینی مسائل کی تحقیق کرتا رہتا جس سے اس کا دسترخوان مذہبی مذاکرے کی ایک مجلس میں منتقل ہو جاتا، وہ جس طرح مشائخ کی تعظیم و تکریم کیا کرتا تھا، اسی طرح علماء کی بھی عزت و توقیر کیا کرتا، شاہی جلال و جبروت کے باوجود ان کے گھروں پر بھی بے تکلف چلا جاتا، ان میں سے کسی کا بھی انتقال ہو جاتا تو تعزیت کے لیے ان کے گھر پر جاتا، ان کے جنازے میں شریک ہوتا اور ان کے عزیزوں کو وظیفے اور جاگیریں عطا کرتا، اس کی سواری شاہانہ کر و فر سے کہیں گذرتی ہوتی اور کسی واعظ کو وعظ کہتے دیکھ لیتا تو وہیں فوراً اتر جاتا، اور عام لوگوں کے ساتھ جا کر بیٹھ رہتا، وعظ میں خدا اور رسول کے احکام سنتے وقت اس پر رقت طاری ہو جاتی، اور ڈھاڑیں مار مار کر رونے لگتا۔[2]

بلبن جن علماء کی طرف خاص طور پر مائل اور ملتفت ہوا، ان میں سے بعض کے مختصر حالات ذیل میں درج ہیں:

مولانا برہان الدین محمود مولانا برہان الدین محمود بن ابو الخیر اسعد بلخی اپنے زمانہ کے جید عالم تھے، کہا جاتا ہے کہ نحو، لغت، فقہ، حدیث اور علوم عقلی میں ان کے زمانہ میں ہندوستان میں ان سے بڑا عالم کوئی دوسرا نہ تھا۔[3] فقہ ہدایہ کے مصنف شیخ برہان الدین مرغینانی سے پڑھی جنہوں نے یہ پیشین گوئی

---

[1] تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۵، [2] تاریخ فیروز شاہی از ضیاء الدین برنی ص ۴۱-۴۶ [3] نزہۃ الخواطر از مولانا عبدالحی ج ۱ ص ۲۳

Marfat.com

کی تھی کہ

"این کودک چنان شود کہ بادشاہان بردر او بیایند"[1]

حدیث امام صغانی صاحب مشارق الانوار سے تحصیل کی۔ اس کے بعد ہندوستان وارد ہوئے جہاں سلاطین اور امرا میں ان کی غیر معمولی پذیرائی ہوئی۔ علم شریعت کے ساتھ علم طریقت میں بھی ید طولیٰ حاصل کیا۔[2] سلطان بلبن ان کا بڑا احترام کرتا تھا۔ جمعہ کے روز وہ جامع مسجد میں بڑے تزک و احتشام سے نماز پڑھنے کے لیے جاتا، نماز کے بعد اس کا معمول تھا کہ اپنی پوری شاہانہ شوکت و عظمت کے ساتھ مولانا برہان الدین کے گھر پر جاتا، اور ان سے مودب ہو کر ملتا اور فیض اٹھاتا تھا۔ بلبن کا ذکر کرتے ہوئے مولانا ضیاء الدین برنی لکھتے ہیں۔

بعد از نماز جمعہ با چندان کوکبہ و دبدبہ کہ سوار شدی بدر خانہ مولانا برہان الدین بلخی فرود آمد بتعظیم و توقیر آن عالم ربانی بواجبی محافظت نمودی (تاریخ فیروز شاہی ص ۴۶)

مولانا برہان الدین نے ٦٨٦ھ میں وفات پائی۔ ان کی قبر حوض شمسی کے پورب جانب ہے۔ اخبار الاخیار کے مؤلف کا بیان ہے کہ لوگ ان کے مزار کی خاک اپنے لڑکوں کو اس لیے کھلاتے ہیں کہ علوم کے دروازے ان کے لیے کھل جائیں۔

نجم الدین عبد العزیز

علامہ نجم الدین[3] عبد العزیز بن محمد دمشقی فلسفہ کے بہت بڑے عالم تھے، امام فخر الدین رازی سے تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد ہندوستان آئے، اور دہلی میں سکونت اختیار کی۔ یہاں کے سلاطین و امرا نے ان کی تشریف آوری کو مغتنم[4] سمجھا۔ سلطان بلبن ان کی بڑی تعظیم کرتا۔ ان کے یہاں بھی وہ ہر ہفتہ جمعہ کی نماز کے بعد آتا، اور ان کی صحبت سے مستفیض ہوتا۔[5]

[1] اخبار الاخیار ص ۷۶ [2] ایضاً و تذکرہ علماء ہند ص ۲۳ [3] تاریخ فیروز شاہی ضیاء الدین برنی ص ۴۶ [4] نزہۃ الخواطر ج ۱، ص ۷۶ [5] برنی ص ۴۶ [6] تاریخ فرشتہ ص ۷۶

شیخ سراج الدین ابوبکر شیخ سراج الدین ابوبکر بن یوسف سجزی فقہ، اصول فقہ، اور عربی ادب کے بہت بڑے عالم و استاد تھے۔ درس و تدریس میں مشغول رہے۔ علماء کی ایک بہت بڑی جماعت ان سے مستفید ہوئی۔[۱] سلطان بلبن ان کی بھی بڑی عزت کرتا تھا، ہر جمعہ کو ان کی خدمت میں بھی حاضر ہوتا، اور ان سے علمی فیوض حاصل کرتا۔[۲]

مولانا شرف الدین ولوالجی مولانا شرف الدین ولوالجی بہت بڑے فقیہ تھے، دہلی میں فقہ کے درس کے لیے مشہور تھے۔ سلطان بلبن ان کا بھی بڑا قدر دان رہا، اور ان سے انتہائی تعظیم و تکریم کے ساتھ پیش آتا۔[۳]

مولانا برہان الدین بزاز دہلی کے ایک دوسرے ممتاز فقیہ مولانا برہان الدین بزاز کا بھی بلبن بڑا احترام کرتا تھا۔[۴]

قاضی رکن الدین ساماوی قاضی رکن الدین ساماوی بھی اپنے عہد کے مشہور فقیہ تھے۔ سلطان بلبن ان کی بھی عزت و توقیر کرتا رہا۔[۵]

مولانا کمال الدین زاہد مولانا کمال الدین زاہد علم کے علاوہ اپنے زہد و تقویٰ میں بھی مشہور تھے۔ مولانا برہان الدین محمود بن ابوالخیر بلخی شاگرد امام صغانی سے تحصیل حدیث کی، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے مولانا کمال الدین زاہد ہی سے امام صغانی کی مشہور کتاب مشارق الانوار پڑھی۔ سلطان بلبن نے مولانا کمال الدین کے تقویٰ، دیانت اور کمال علم کی شہرت سنکر ایک روز ان سے مودبانہ درخواست کی کہ اگر آپ میری نمازوں کی امامت قبول کریں تو کیا عجب کہ آپ کی امامت کی برکت سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں میری نمازیں بھی قبول ہوں۔ لیکن مولانا کمال الدین نے اس

۱۔ برنی ص ۷۰ ۲۔ نزہتہ الخواطر ص ۱۰۲ ج اول ۳۔ تاریخ فرشتہ ص ۷۷ ۴۔ برنی ص ۷۰ و نزہتہ الخواطر جلد اول ص ۲۳ ۵۔ نزہتہ الخواطر جلد اول ص ۱۲۰ ۶۔ ایضاً ص ۱۵۵

Marfat.com

درخواست کو قبول کرنے کے بجائے مکدر ہو کر کہا کہ میرے پاس نماز کے سوا کوئی چیز نہیں رہی ہے، اب بادشاہ اسے بھی چھین لینا چاہتا ہے۔ بلبن یہ سنکر خاموش ہو گیا، اور معذرت کر کے مولانا کو رخصت کیا۔[1]

مولانا شمس الدین خوارزمی

مولانا شمس الدین خوارزمی شروع میں دہلی میں درس و تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے، اپنے علم و فضل کے لحاظ سے یگانۂ عصر سمجھے جاتے تھے۔ دہلی کے تمام اساتذہ ان ہی کے شاگرد تھے۔[2] ان کے علم و فضل کے علاوہ ان کے حسن اخلاق اور لطافت طبع کی بھی بڑی شہرت تھی، سیر الاولیاء کے مؤلف نے لکھا ہے کہ

"عجب لطافتے و طبعے لطیف داشت کہ در شہر مثل او نبود"

پھر یہ لطیفہ بھی لکھا ہے کہ ایک بار ان کے کسی دوست نے بہت ہی شکستہ حروف میں انکو ایک رقعہ لکھا جو ان سے پڑھا نہیں گیا، تو اس کی پشت پر انھوں نے عربی میں یہ لکھ بھیجا کہ

انا فیکم خطہ کخطہ فی الشط فلا تکتب لنا

یعنی تمہارا خط ایسا ہے جیسے بطخ کے پاؤں کے نشان دریا کے کنارے ہوں۔[3]

سیر العارفین کے مؤلف ان کے بارہ میں رقمطراز ہیں کہ

"دہلی کے اندر علماء اور فقراء بے شمار تھے لیکن سر آمد علماء روزگار اور اجلۂ فضلائے کبار اس وقت میں شیخ شمس الدین خوارزمی تھے، تمام علماء کے گویا مرجع و ماب تھے، اور ذی علم مولانا کو علم اصول و فروع، معقول و منقول کے جامع سمجھتے تھے" (اردو ترجمہ ص ۱۱۵)

شیخ نظام الدین اولیاء بدایوں سے دہلی مزید تعلیم کے لیے آئے تو [illegible]

---

[1] اخبار الاخیار ص ۶۰ و [illegible] سیر الاولیا ص ۱۰۱ و ۱۰۲ [2] سیر الاولیا ص ۱۰۱ - بزم صوفیہ کے بعض اور میں بھی انکا ذکر ہے لیکن اس میں شمس الدین خوارزمی کے بجائے سہواً شمس الدین دامغانی لکھ دیا گیا ہے [3] سیر الاولیا ص ۱۰۵

کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا، مولانا نے ان کی طرف غیر معمولی توجہ کی، وہ عزیز شاگردوں کو اپنے حجرہ مین بلاکر درس دیا کرتے تھے، چنانچہ یہ شرف ان کے تین شاگردون، قطب الدین ناقلہ، برہان الدین عبد الباقی، اور حضرت شیخ نظام الدین کو حاصل تھا، ان کا کوئی شاگرد درس سے غائب ہوتا تو جب وہ آتا تو اس سے مذاقاً پوچھتے کہ مین نے تمھاری کیا خطا کی تھی جو تم درس مین حاضر نہ ہوئے، بتا دو کہ پھر وہی قصور کرون، اور تم آیندہ بھی حاضر نہ ہوسکو، لیکن جب حضرت نظام الدین اولیاء کا ناغہ ہوجاتا، اور وہ ان کی خدمت مین پہنچتے تو ان کو دیکھ کر بجائے کچھ کہنے کے یہ شعر پڑھتے۔

آخر کم از آن کہ گاہ گاہے   آئی و بما کنی نگاہے [1]

حضرت شیخ نظام الدین اولیاء نے مقامات حریری ان ہی سے پڑھی، اور اس تلمذ کی وجہ سے ان کا احترام برابر قائم رکھا، سیر الاولیاء مین ہے

"حضرت پیش شمس الملک (یعنی مولانا شمس الدین) مقامات حریری تلمذ کردہ بود و حقوق آن نگاہ می داشت" [2]

مولانا شمس الدین نے بھی حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کی شاگردی کے زمانہ مین ان کی بڑی عزت کی، اور ان کی صغر سنی مین بھی تمام علماء سے زیادہ ان کی تعظیم کیا کرتے تھے، [3]

سیر العارفین کے مولف کا بیان ہے کہ سلطان غیاث الدین بلبن نے مولانا شمس الدین کی ذات والا صفات کی قدر کرتے ہوئے ان کو شمس الملک کا خطاب عطا کیا، اور اپنی سلطنت کا مستوفی الملک (یعنی آڈیٹر جنرل) بنایا، جب یہ اعزاز اور عہدہ ملا تو اس عہد کے مشہور شاعر

---

[1] سیر الاولیاء ص ۱۰۲، سیر العارفین (اردو ترجمہ ص ۱۱۶) مین "آخر" کے بجائے "بارے" ہے

[2] سیر الاولیاء ص ۱۰۲ [3] سیر العارفین (اردو ترجمہ) ص ۱۱۶

Marfat.com

تاج الدین ریزہ نے ان کی مدح مین یہ شعر کہا۔

شمسا کنون بکام دل دوستان شدی — مستوفی ممالک ہندوستان شدی[1]

مولانا فخر الدین ناقلہ | مولانا فخر الدین ناقلہ بھی دہلی کے ممتاز عالم تھے۔ فقہ۔ اصول اور عربی ادب مین ان کا علم بڑا گہرا تھا۔ ان کے بھی بہت سے شاگرد پیدا ہوئے۔ بلبن نے ان کو اپنی مملکت کا قاضی بنا کر صدر جہان کے عہدہ پر مامور کیا اور وہ ایک مدت تک یہ فرائض انجام دیتے رہے[2]

ان علماء کے علاوہ قاضی ربیع الدین گازرونی۔ قاضی شمس الدین مراجی، قاضی جلال الدین کاشانی بن قاضی قطب الدین کاشانی۔ قاضی سدید الدین۔ قاضی ظہیر الدین، وغیرہ بھی اس عہد مین اپنے بلند علمی پایہ کے لیے مشہور تھے[3] اور قضاۃ کے منصب پر فائز رہ کر شاہی دربار سے وابستہ تھے، سادات مین ایسے بہت سے بزرگ تھے جن کے زہد و تقوی کی وجہ سے اس دور مین بڑی رونق رہی۔ ان ہی مین شیخ الاسلام سید قطب الدین (جد بزرگوار قاضیان بدایون) سید منتخب الدین، سید جلال الدین، سید معین الدین سامانہ اور کیتھل جنجیر، بیانہ اور بدایون کے بھی سادات تھے۔ تاتاریون کے خروج سے بھی بہت سے سادات دہلی مین آکر جمع ہو گئے تھے۔ (برنی ص ۱۱۱)

ترویج تعلیم | اس عہد مین جن علماء نے درس و تدریس مین خاص شہرت حاصل کی ان مین سے بعض کے نام یہ ہین، مولانا برہان الدین بلخ، مولانا نجم الدین دمشقی۔ مولانا سراج الدین سجزی مولانا برہان الدین بزاز۔ مولانا شرف الدین ولوالجی، اور مولانا منہاج الدین جوزجانی (برنی[4]) ان مین سے موخر الذکر تینون بزرگون سے بلبن کا گہرا لگاؤ رہا، جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے۔ ان

---

[1] اس روایت کی تصدیق سیر الاولیاء سے بھی ہوتی ہے (ص ۳۰۵) سیر الاولیاء مین ریزہ کے شعر مین شمسا کے بجائے "صدرا" ہے اور "مستوفی ممالک" کے بجائے "مستوفی مملکت" ہے [2] تاریخ فیروز شاہی ص ۴۲ و نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۰۶ [3] سیر الاولیاء ص ۵۸۲۔

بزرگوں کے علاوہ اور دوسرے ارباب کمال بھی درس و تدریس کے ذریعہ مختلف قسم کے علوم و فنون کی ترویج میں مشغول تھے۔ تاریخ فیروز شاہی میں ہے:

در عصر پادشاہی سلطان بلبن چندین علما، سرآمدہ کہ از نوادر استادان بودند بر صدر افادت سبق می گفتند .... و چندین استادان و مفتیان و سرآمدگان کہ از شاگردان و پسران علمائے عہد شمسی در گفتن سبق و نوشتن جواب فتوی مشہور بودند در جملہ عہد بلبنی بچندین استادان و بزرگان کہ یکے از ایشان ثانی ما ابا را پیراستہ بودند (ص ۱۱۲-۱۱۱)

اس زمانے میں دو مشہور مدرسے تھے۔ مدرسہ معزیہ اور مدرسہ ناصریہ کے اخراجات شاہی خزانے سے پورے کیے جاتے تھے۔ ان دونوں مدارس کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ مدرسہ ناصریہ کو بھی التتمش نے اپنے بڑے لڑکے ناصر الدین محمود کی وفات پر اس کے ایصال ثواب کے لیے قائم کیا تھا۔

اس عہد کے مدارس میں کلام پاک اور حدیث کی تعلیم ضروری تھی۔ تفسیر میں کشاف، ایجاز اور عمدہ عام طور سے پڑھائی جاتی تھی۔ اب کشاف کے بجائے جلالین کامل و بیضاوی سورہ بقرہ پڑھائی جاتی ہے۔ حدیث میں بخاری اور مسلم کے علاوہ مشارق الانوار، مصابیح الدجی اور مصابیح پڑھائی جاتی تھیں۔ اول الذکر دونوں کتابیں امام صغانی کی ہیں۔ اب ان کتابوں کی جگہ مشکوۃ نے لے لی ہے۔ فقہ کے نصاب میں ہدایہ، قدوری اور مجمع البحرین تھیں۔ قدوری اور ہدایہ کی تعلیم اب تک جاری ہے۔ البتہ مجمع البحرین کی جگہ شرح وقایہ نے لے لی ہے اور اب مجمع البحرین [illegible] ہو کر رہ گئی ہے۔ ابن الساعاتی کی مشہور کتاب بھی جو انھوں نے قدوری اور منظومہ کے مسائل کو پیش نظر رکھ کر ترتیب کیا تھا۔ نحو میں کافیہ و مفصل مقبول تھیں، کافیہ تو

[illegible] ایضاً

اب بھی نصاب میں ہے۔ مفصل کی جگہ شرح ملا جامی نے لی ہے، ادب میں مقامات حریری بہت زیادہ [۵۲] مقبول تھی، [۵۳] منطق میں شرح شمسیہ اور کلام میں شرح صحائف اور تمہید ابو شکور سالمی پڑھائی جاتی تھیں، [۵۴] فارسی میں کیمیائے سعادت، تذکرۃ الاولیا، خمسہ نظامی پڑھنے پڑھانے کا عام رواج تھا، فن تصوف میں قوت القلوب، رسالہ قشیری، مرصاد العباد، لوائح، طوالع الشموس، رقعات قاضی حمید الدین ناگوری وغیرہ ذوق شوق سے پڑھی جاتی تھیں

سلاطین پر بزرگان دین کے اثرات علما و مشائخ کی پرکیف صحبتوں سے سلطین میں جو انقلاب ہوا اس کے اثرات اس کی نجی و سیاسی زندگی دونوں کے لیے مفید ثابت ہوئے، تخت نشین ہونے سے پہلے اس کی مجلسوں میں ساغر و پیمانہ کا دور چلتا، رقص و سرود کا جشن منایا جاتا، قمار بازی بھی ہوتی اہل مجلس پر سونے اور چاندی کی نچھاور کی جاتی۔ لیکن تخت پر جلوہ افروز ہونے کے بعد ان تمام مکروہات سے وہ تائب ہوا، اور رفتہ رفتہ علما و مشائخ کی صحبت سے اس میں اتنے غیر معمولی تغیرات ہوئے کہ

وہ عبادت، ریاضت، روزے، نفل اور شب بیداری میں غیر معمولی اہتمام کرتا، جمعہ کی نماز، نماز باجماعت، اشراق و چاشت، اوابین اور تہجد کی بھی پابندی کرتا۔ [illegible] موسم [illegible] کو [illegible] سفر و حضر میں بھی اوراد و وظائف کو [illegible] نہ چھوڑتا [illegible]

لیکن اس زہد و عبادت کے باوجود وہ ایک مسلمان حکمران کے فرائض سے غافل نہیں رہنا چاہتا تھا، چنانچہ اپنے لڑکوں اور خاص خاص لوگوں [illegible] مولانا [illegible] کے اس وعظ کا ذکر بار بار کرتا، جو انھوں نے سلطان شمس الدین التتمش کے سامنے [illegible] اس کا [illegible] حصہ یہ ہے کہ اگر ایک بادشاہ روزانہ ہزار رکعتیں نماز پڑھتا رہے تمام عمر روزے رکھتا رہے [illegible]

---

[۱] [illegible] ہندوستان کا نصاب [illegible] تاریخ [illegible]

سے بچتا رہے۔ خزانے کو راہ حق میں خرچ کرتا رہے لیکن وہ دین کی حمایت نہ کرتا ہو، اپنی سطوت کو خدا اور رسول کے دشمنوں کے قلع قمع کرنے میں صرف نہ کرتا ہو، شریعت کے احکام کو جاری نہ کراتا ہو، اپنے ملک میں امر معروف کو جاری اور نہی منکر کو مٹانے میں کوشاں نہ رہتا ہو، اور عدل و انصاف سے کام نہ لیتا ہو، تو اس کی جگہ دوزخ کے سوا اور کوئی نہ ہوگی۔ مولانا ضیاء الدین برنی کا بیان ہے کہ بلبن جب وعظ کے اس حصہ کو بیان کرتا تو زار زار رونے لگتا۔[1]

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا بلبن نے ان فرائض کو ادا کرنے کی بھی کوشش کی؟

اپنی ریاضت و عبادت کے باوجود اس کو اقرار تھا کہ وہ ایک دیندار حکمران نہیں ہے، وہ خود کہتا کہ ایک دیندار حکمران کے لیے ضروری ہے کہ اس کی حکومت حضرت عمرؓ بن الخطاب اور حضرت عمرؒ بن عبد العزیز کی حکومت کے طرز پر ہو، لیکن وہ اس کا بھی اعتراف کرتا کہ ایسی حکومت قائم کرنا اس کے بس سے باہر ہے۔[2] لیکن یہ کہنا بھی بیجا نہ ہوگا کہ اس کو اپنے دور حکومت میں دین کی حمایت کی خاطر شریعت اسلام، حمیت اسلام اور شعار اسلام کا بڑا خیال رہا۔ وہ جیسا کہ پہلے آ چکا ہے، نمازیں پڑھتا، روزے رکھتا، نماز باجماعت میں شریک ہوتا، جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے جامع مسجد جاتا، مشائخ سے اپنی گرویدگی کا اظہار کرتا، علماء و صلحاء کی تعظیم و تکریم کرتا، اس نے یہ تمام اوصاف نہ صرف اپنی عاقبت اور آخرت کو درست کرنے کے لیے اپنے میں پیدا کیے، بلکہ اس لیے بھی کہ اس کے ان محاسن سے اس کی رعایا میں بھی خدا ترسی، دینداری اور پرہیزگاری پیدا ہوگی، کیونکہ وہ الناس علی دین ملوکھم کا قائل تھا، وہ سمجھتا تھا کہ اگر کسی حکمران میں نیکی، دینداری اور تقویٰ ہے تو یہ خوبیاں اس کی رعایا میں بھی خود بخود پیدا ہو جائیں گی، اور اگر اس میں صرف برائیاں ہیں تو ساری مملکت میں

---

[1] برنی ص ۴۴ [2] ایضاً ۴۷

Marfat.com

برائیاں ہی برائیاں نظر آئیں گی[1]

بلبن نہ صرف خود شریعت کا پابند ہوا بلکہ اپنی قہر و سطوت سے امر معروف و نہی منکر کے مطابق احکام شرعی کو رواج دینے کی بھی کوشش کی۔ وہ کہا کرتا تھا کہ

"از چنین بادشاہی کہ .... نہ از ہیبت و حشمت و قہر و سطوت او در دلہائے مردمان ترسان و لرزان شود ہرگز دین پناہی و دین پروری کہ جریان امر معروف و نہی منکر است، نیاید" (برنی ص ۴۵)

ایک اور موقع پر ایک حکمران کے فرائض میں یہ بھی بتایا کہ

"امر و جریان امورات شرعی و نہی منہیات و ہوائے نفس لازم داند" (برنی ۴۹)

وہ تو یہ حجت بھی پیش کرتا تھا کہ حکمرانی کے دوران میں ایک حکمران سے جتنی باتیں خداوند تعالیٰ کی رضا اور سنت کے خلاف ہوتی رہتی ہیں۔ وہ معاف ہو سکتی ہیں، اگر وہ حمیت اسلام اور شعار اسلام کو برقرار رکھنے کی خاطر امر معروف و نہی عن المنکر کے مطابق احکام شرعی کو رواج دینے میں کوشاں رہے[2]۔ بلبن کی یہ کوشش بڑی حد تک کامیاب رہی، چنانچہ اس کا اعتراف نہ صرف ضیاء الدین برنی نے بلکہ تیموری دور کے مورخوں نے بھی کیا ہے، طبقات اکبری میں ہے:

"اوامر و نواہی را کما ینبغی رعایت مودے"[3]

اوامر و نواہی کی پابندی کرانے کے لیے بلبن مختلف منصب پر متقی، متدین اور خدا ترس حکام ہی کو فائز کرتا۔ (دیکھئے برنی ص ۳۴، ۴۴، ۴۳، ۶۹) تاریخ فرشتہ میں بھی ہے:

"کار سلطنت را جز با اکابر و مردم دانا نسپردی .... و تا صلاح تقوی و دیانت کسے شخص نشدے شغل و عمل نفرمودے" (ج ا ص ۷۰)

---

[1] برنی ص ۴۳، [2] ایضاً ص ۴۱ [3] طبقات اکبری ج ا ص ۶۹

Marfat.com

اور اپنے ولی عہد کو بھی اسی کی تلقین کی کہ

"قضاۃ و حکام متدین بر خلائق نصب فرمائی تا رواج دین و رونق عدل میان خلائق پذیرا آید۔"[1]

اور وہ متدین اور متقی حکام کی باتوں اور سفارشوں ہی کو قبول کرتا، تاریخ فیروز شاہی میں ہے کہ

"قاضیان لشکر را کہ ایشان بزمان گسنتد سے در تقوی و دینداری مشہور بودے بسیار داشتے و شفاعت کہ ایشان کردندے قبول کردے۔"[2]

اسی طرح حکمرانی کے سب سے اہم فرض عدل و انصاف کا جو نمونہ بلبن نے پیش کیا، اسکی مثال ملنی مشکل ہے، تاریخ فیروز شاہی میں ہے:

"داد دہی اور انصاف پروری میں بھائیوں، لڑکوں، مقربوں اور مخصوص لوگوں کا لحاظ نہ کرتا۔ اگر اس کے نزدیک رہنے والوں میں سے کوئی کسی پر ظلم کرتا تو اس کا انصاف کرنے میں ملتوی نہ کرتا۔ اور جب تک مظلوم کے ساتھ انصاف نہ کر لیتا اس کے دل کو آرام نہ پہنچتا۔ انصاف کرنے وقت اس کی نظر اس پر نہ ہوتی کہ ظلم کرنے والا اس کا حامی و مددگار ہے۔ اس لیے ملکی مصلحت کی بنا پر اس کو تکلیف نہ پہنچائی جائے مظلوموں اور بیکسوں کے ساتھ اس کی شفقت ماں باپ کی طرح ہوتی۔ اس کے لڑکے، عزیز، مخصوصین، والی اور مقطع اس کی عدل پروری سے واقف تھے اس لیے کسی کی بھی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ اپنے غلاموں، کنیزوں، سواروں اور پیدل سپاہیوں کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی کریں۔" (ص ۴۰)

طبقات اکبری میں ہے:

[1] فرشتہ جلد اول ص ۷۶ [2] برنی ص ۳۱، [3] برنی ص ۴۰

"در داد و عدل ہیچ یک از سلاطین سابق عدل او نبود" (ج ۱، ص ۹)

اس کے عدل و انصاف کے قصے آج تک خاص خاص حلقوں میں سنائے جاتے ہیں۔[۱]
(مثال کے لیے دیکھو برنی صفحہ ۴۱-۴۰)

خسرو نے بلبن کی حکومت کی تعریف حسب ذیل شعروں میں اس طرح کی ہے:

غیاث الدین و دنیا شہ بر اورنگ	ز بہر عون مظلومان دل تنگ
خرام پیل بے پشہ بہ پرورد	شہے بود کز بجتا لیش دزود[۱]

خود اس زمانہ کے ہندوؤں نے بلبن کی حکومت کو دل کھول کر سراہا ہے۔ اسی عہد کے کسی ہندو کا لکھا ہوا ایک کتبہ پالم میں ملا ہے جو سنسکرت اور ہریانہ کی مقامی زبان میں ہے۔ یہ کتبہ ۱۳۳۳ بکرمی (مطابق ۱۲۷۶ء) میں لکھا گیا جب بلبن تخت نشین تھا۔ اس میں مسلمان حکمرانوں خصوصاً بلبن کی تعریف کی گئی ہے۔ بلبن کے بارہ میں لکھا ہے کہ اس کی سلطنت میں آسودہ حالی ہے۔ اس کی بڑی اور اچھی حکومت میں غور سے غزنہ اور دراوڑ سے رامیشورم تک ہر جگہ زمین پر بہار ہی بہار کی دل آویزی ہے۔ اس کی فوجوں نے ایسا امن و امان قائم کیا ہے جو ہر شخص کو حاصل ہے۔ سلطان اپنی رعایا کی خبرگیری ایسی اچھی طرح کرتا ہے کہ خود وشنو دنیا کی فکر سے آزاد ہو کر دودھ کے سمندر (شیر ساگر) میں جا کر سو رہے ہیں۔[۲]

ہاں البتہ بلبن کے شاہانہ لباس اور اس کے دربار کی زینت و آرائش کی جو تفصیل تاریخوں میں

---

[۱] مثنوی دول رانی خضر خانی، مطبوعہ علی گڑھ، ص ۵۰

[۲] Epigraphia Indo-Moslemica 1913-1914 ص 35, 45
Palam inscription
بحوالہ سلطنت دہلی کا نظم حکومت از اشتیاق حسین قریشی ص ۲۱۳-۲۱۴

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ظاہری نمود و نمایش مین عجمی فرمانرواؤن کی تقلید کرتا تھا، اور اسکا یہ رنگ مشرکانہ تھا۔ اس کے دربار مین منقش فرش بچھایا جاتا، زربفت کے پردے لٹکائے جاتے، چاندی اور سونے کے برتن رکھے جاتے جن مین میوے، شربت اور پان رکھکر اہل مجلس کی تواضع کی جاتی، کبھی گانا بجانا بھی ہوتا[1]۔ اس کی سواری کے رکاب مین بھی اسی قسم کی شان و شکوہ کا مظاہرہ کیا جاتا۔ بلبن کو یہ احساس تھا کہ یہ عظمت نمائی اور خود پرستی بلکہ اس کے اور بھی بہت سے افعال و اعمال احکام الٰہی اور سنت نبوی کے خلاف ہین، لیکن اس احساس کے باوجود اس نے اپنی شاہانہ عظمت و جلالت کو برقرار رکھنے کے لیے دربار کے تزک و احتشام کے غیر اسلامی طریقے کو قائم رکھا، کیونکہ بہت سے سیاسی مصالح کو سامنے رکھکر اور اس مفتوحہ ملک کے ماحول کو دیکھکر وہ اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ جو بادشاہ دربار کی آرایش، شاہانہ سواری کے مراسم اور سلطنت کے آداب کا لحاظ نہین کرتا اس کا رعب و داب رعیت کے دلون مین قائم نہیں رہتا، اور نہ دیکھنے والون پر اس کی حشمت و جلالت کا کچھ اثر ہوتا ہے، ایسے بادشاہ کے دشمن دلیر ہو جاتے ہین، اور اس کی حکومت مین خلل پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہین۔ اس کا قول تھا کہ بادشاہ کا رعب اور اس کی ہیبت جس قدر اسکے وقار و تمکنت سے رعایا کے دلون مین بیٹھتی ہے، اس قدر سزا اور خشونت سے قائم نہین ہوتی، وہ کہا کرتا تھا کہ بادشاہ کا پرہیبت اور پرجلال نہ ہونا رعایا کی سرکشی اور بغاوت کا باعث ہوتا ہے، ایسی حالت مین غیر مسلم باغیانہ روش اختیار کرتے ہین اور مسلمان فسق و فجور مین مبتلا ہو جاتے ہین اور جو بادشاہ اپنی سطوت کو قائم رکھتا ہے، وہ مدتون حکمرانی کرتا ہے، ورنہ اس کی حکومت مین فتنہ و فساد کا بازار گرم رہتا ہے، عدل و انصاف مین اختلال پیدا ہو جاتا ہے، اور ظلم و تعدی کے دروازے کھل جاتے ہین۔ وہ اس کا بھی قائل تھا کہ اگر ایک بادشاہ باہیبت اور بارعب نہین ہوتا تو اس سے دین حق کی

---

[1] برنی ص ۳۲

رسوائی ہوتی ہے، اور دوسرے ادیان میں رونق آجاتی ہے، پھر مسلمانوں کے معاملات میں بے انصافی ہوتی رہتی ہے[۱]

مگر اس تادیل اور مدافعت کے باوجود وہ دربار کی نمائش، خود پرستی اور اسی قسم کی اور باتوں کو رسوم جبابرہ ہی میں شمار کرتا تھا، اور تمام رسوم جبابرہ کو شرک، خلاف سنت اور موجب عذاب سمجھتا تھا، مگر اس کے خیال میں اس عذاب سے ایک حکمران کے بچنے کی صورت یہ ہے کہ وہ خلق اللہ کی بھلائی میں لگا رہے، اور اپنے میں خداترسی پیدا کرے، ملک سے فسق و فجور دور کرے، سلطنت کے کام عقلمندوں، ایمان داروں اور خداترس لوگوں کے سپرد کرے، اور عدل و انصاف کو پورے طور پر قائم رکھے[۲]

یہ کہنے میں تامل نہیں کہ بلبن نے حکمرانی کی یہ تمام باتیں اپنے میں پورے طور پر پیدا کیں، تیموری دور کے مورخین خواجہ نظام الدین احمد اور ملا عبدالقادر بدایونی نے اس کے اوصاف پسندیدہ کے لیے

---

[۱] برنی ص [illegible] [۲] تاریخ فرشتہ ج اول ص [illegible] [۳] طبقات اکبری میں بلبن کے ذکر میں ہے

"و بارہا می گفت کہ اینکہ بادشاہ در اوضاع و احوال خود، رسوم جبابرہ کار می فرماید، ہمہ اشتراک با خدا و خلاف سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم است، مکافات این جز بعقاب و عذاب نیست و تلافی این توان کرد، مگر آنکہ بچہار چیز، اول آنکہ قہر و سطوت خود را در محل خویش مصروف گرداند و جز از رہایت خلق، و ترس حق در نظر او نباشد، دوم آنکہ نگذارد کہ در ممالک او فسق و فجور علانیہ بوقوع آید، و سد این باب فرماید، و دوستان و بے باکان را دائم منکوب و مخذول دارد، سوم آنکہ کار عمل و شغل بمردم دانا و شایستہ و با دیانت خداترس تفویض نماید و مردم بے اعتقاد را در ملک خود جا ندہد کہ سبب اضلال خلق خدا شوند، چہارم آنکہ در عدالت و دادخواہی استقصا نماید بمرتبہ کہ آثار ظلم و تعدی در دیار او نماند"

(ج ۱ ص ۸۱)

Marfat.com

حسب ذیل اشعار لکھے ہیں:

فر کیخسروی از جبینش خاست   کہ جہان را بعدل و علم آراست

روز خلوت گلیم پوشیدے   بہ نماز و نیاز کوشیدے

روئے بر ریگ و دل چو دیگ بجوش   دل سخن گستر و زبان خاموش

بلبن کے فر کیخسروی نے تو نہیں لیکن اس کے "عدل" "علم" "نماز و نیاز" "روئے بر ریگ" "دل سخن گستر" اور "زبان خاموش" نے اس میں ایسا کردار پیدا کیا جس سے حمیت اسلام اور شعار اسلام کو ضرور فروغ ہوا، اور جب وہ اس دنیائے فانی سے عالم بقا کو سدھارا تو اس کی موت پر ماتم نہ صرف ارکان حکومت بلکہ بزرگان دین نے بھی کیا۔ تاریخ فیروز شاہی میں ہے:

"ملک الامراء کوتوال بلبن کی موت پر چھ مہینے زمین پر سویا، شہر کے تمام ملوک، امراء، صدور، اکابر و معارف بھی چالیس روز تک زمین پر سوئے۔ علماء، ہوش مند اور تجربہ کار لوگ بھی سلطان کی موت پر رنجیدہ اور مغموم ہوئے، اور شہر کے تمام بزرگان دین نے سلطان کی روح کو ثواب پہنچانے کے لیے کھانے تقسیم کیے"۔[۱]

حضرت خواجہ نظام الدین اولیا اور دوسرے بزرگ جب بلبن کا نام لیتے تو اس کے نام کے ساتھ "رحمۃ اللہ علیہ" "طاب اللہ ثراہ" اور "انار اللہ برہانہ" بھی کہتے، خواجہ نظام الدین اولیا نے اپنی مجلس میں اس کے مذہبی عقائد کی تعریف بھی کی ہے۔[۲]

بلبن کے دربار میں شعراء کی کمی

بلبن کو علماء و مشائخ سے کچھ ایسی دلچسپی رہی کہ وہ شعراء کی طرف مائل نہ ہو سکا۔ دربار کی روایات کے مطابق شعراء اس کے سامنے آ کر قصائد پڑھتے اور

۱؎ برنی ص ۱۲۱

۲؎ فوائد الفواد ص ۲۳۲-۲۳۱

Marfat.com

اور انعامات پاتے[1]، لیکن وہ ذوق شعری سے کچھ ایسا عاری تھا کہ علماء کی طرح شعراء اس کے دربار میں رسوخ حاصل نہ کر سکے، مگر اس زمانہ کے شعراء کو بلبن کے شہزادوں اور امراء کے درباروں میں ایسا ملجا و ماوی مل گیا تھا کہ ان کو بلبن کے عدم التفات کا احساس مطلق نہ ہوا شمس دبیر قاضی اثیر، امیر خسرو اور حسن سجزی نے ان شہزادوں اور امراء کی سرپرستی اور [illegible]

---

[1] برنی ص ۳۲، طبقات اکبری جلد اول ص ۸۰، امیر خسرو کے دیوان تحفۃ الصغر میں بلبن کی شان میں کئی قصائد درج ہیں یہ تو نہیں معلوم ہو سکا کہ خسرو نے بلبن کے دربار میں جا کر یہ قصائد پیش کیے، یا غائبانہ اس کی مدح لکھ کر اپنے جذبات کا اظہار کیا ہے ناظرین کی ضیافت طبع کے لیے ہم خسرو کے بعض قصائد کے اشعار یہاں پر درج کرتے ہیں:

یقین کردند جہان را نیامدست زوال — چو از کسوف برون آمد آفتاب جلال

غیاث دنیا و دین سایۂ خدای کہ خلق — بدو نیاز ندہم آفتاب زوال

بروز جمعہ بیاراستند ہمچو عروس — برای شاہ جہان شہر را بزیور و مال

بہ قہر کردند اشکال گردش گردون — بجز دبگردش گردون نماند این اشکال

بتان نادرہ ہستند دختران بدیع — ہمی کنند شمائل روان چو آب زلال

ز طبل شاہی آوازہ کہ بر می خواست — بشرق و غرب ہمی رفت و جنوب و شمال

ایک قصیدہ کا مطلع یہ ہے جس میں خاقانی کے طرز پر کہنے کی کوشش کی ہے،

صبح است در بر دور بدہ با معرفش — وافگند زلف شب ز مدار مرغوش

بلبن کو مخاطب کر کے کہتے ہیں

اعظم غیاث دنیا و دین و غیب مکرمت — کز غیب شد ممالک دنیا مقرش

آفاق کردہ مسرور دوران رکاب او — دیدہ [illegible] نگندہ زیور اقبال در برش

ایک اور قصیدہ کا مطلع یہ ہے، یہ بھی خاقانی ہی کے طرز پر ہے۔

خسرو مالک [illegible] — جناب [illegible] چرخ شد [illegible]

Marfat.com

شاعری میں جو چار چاند لگائے، وہ ہندوستان میں فارسی ادب کی تاریخ کا ایک اہم اور شاندار باب ہے۔ ہم پہلے ان شہزادوں اور امراء کا ذکر کرتے ہیں، پھر ان شعراء کے حالات زندگی اور کارنامے سے ہم ناظرین کو روشناس کرائیں گے۔

شہزادوں کی تعلیم و تربیت بلبن کو اپنے شہزادوں کی دینی اور دنیاوی تعلیم کا بڑا خیال رہا، اس کا دوسرا لڑکا بغرا خان لکھنوتی کا حاکم ہوا تو اس وقت بھی باپ نے بیٹے کو یہ تعلیم دی کہ اگر تم اپنے کو خدا کا بندہ اور نبی کا پیدا کیا ہوا انسان سمجھتے ہو تو ہر حال میں پانچوں وقت نماز با جماعت ادا کرتے رہو، اور یہ حدیث پڑھی کہ جماعت کا تارک منافق اور ملعون ہے، اور امام کی پہلی تکبیر کے ساتھ جماعت میں شریک ہونا دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے، اور اگر نماز ادا نہ ہو سکے تو اس کی قضا ضرور پڑھنی چاہیے کہ اس کی [illegible] بنتی ہے[1]۔

ظاہر ہے کہ بلبن نے اسی طرح اور دوسرے ارکان اسلام کی تعلیم پر بھی زور دیا ہوگا، دنیاوی تعلیم میں شہزادوں نے پہلے تو خطاطی اور زبان و لغت کی تعلیم پائی، پھر دیوان اور مورخوں کی ضروری کتابوں کا مطالعہ کیا، اصول حکمرانی اور رموز جہانبانی سیکھنے کے لیے خواجہ تاج الدین بخاری سے آداب السلاطین اور مآثر السلاطین خاص طور پر پڑھیں۔ خواجہ تاج الدین، سلطان شمس الدین التمش کے ندیم خاص تھے، انھوں نے بلبن کے شہزادوں کو آداب السلاطین ختم کرائی تو سلطان التمش نے ان کو دو گاؤں اور ایک لاکھ جیتل انعام میں دیئے[2]۔

بلبن نے شہزادوں کو خلوت و جلوت میں اٹھنے بیٹھنے اور بولنے چالنے کی بھی خاص تربیت دی، اس کی تاکید تھی کہ وہ اپنا اختلاط علماء، اکابر، اشراف، ارباب دانش، اصحاب ہنر اور نیک بندگان خدا ہی سے رکھیں کہ اس سے دنیا میں نیک نامی اور عقبیٰ میں سرخروئی پیدا ہوتی ہے۔

---

[1] برنی ص ۱۰۱ [2] ایضاً ص ۱۴۴-۱۴۵

Marfat.com

وہ ان کو ایسے لوگوں سے ملنے کی سخت ممانعت کرتا جو کم نسل، اخلاقی حیثیت سے بے مایہ، بد دیانت یا مذہبی عقیدے میں گمراہ ہوتے[1]۔

بلبن کی تعلیم و تربیت سے اس کے بڑے لڑکے محمد سلطان میں گوناگوں اوصاف پیدا ہوئے، سلطان بلبن اس کو اس کے پسندیدہ خصائل کی وجہ سے بہت ہی عزیز رکھتا تھا، وہ نہ صرف اپنی شجاعت، نبرد آزمائی، تدبر اور بصیرت کے لیے سب کی نظروں میں مقبول تھا، بلکہ اپنے عام عادات و اطوار کے لحاظ سے بھی خواص و عوام اور مشائخ و علماء سب ہی کی نگاہ میں محبوب تھا، اس کی تہذیب و شائستگی کا یہ حال تھا کہ جب دربار میں بیٹھتا تو دن کا دن اور رات کی رات گذر جاتی لیکن اپنا زانو نہیں بدلتا کسی نے اس کی زبان سے کوئی نا ملائم لفظ نہیں سنا، مشائخ سے ان کا ادنیٰ خادم بن کر رہتا، ایک روز شیخ عثمان اور حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے صاحبزادے حضرت شیخ صدر الدین دوسرے درویشوں کے ساتھ شہزادہ کے یہاں ایک مجلس سماع میں شریک ہوئے، عربی اشعار پر ان درویشوں پر وجد طاری ہو گیا، اور وہ رقص کرنے لگے شہزادہ بھی دست بستہ کھڑا ہو گیا، اور برابر زار و قطار رو رہا تھا[2]۔

شہزادہ محمد سلطان کا علمی دربار | شہزادہ کی مجلس فضلا و شعراء سے ہمیشہ بھری رہتی اور اس میں برابر شاہنامہ، دیوان سنائی، دیوان خاقانی اور خمسہ نظامی پڑھے جاتے اور ان پر بحث و تمحیص ہوتی، اگر کبھی کوئی ندیم ایسا شعر پڑھ دیتا جو پند و نصائح سے بھرا ہوتا تو شہزادہ اس کو سن کر رونے لگتا، اور بعض اوقات اس پر ایسی رقت طاری ہو جاتی کہ شرکائے مجلس کو اس کے تاثرات دیکھ کر حیرت ہوتی۔

ارباب ذوق شہزادہ کی سخن فہمی کے بے حد معترف تھے، خسرو کا بیان ہے کہ شہزادہ سخن فہمی، باریک بینی، ذوق صحیح اور متقدمین اور متاخرین کے اشعار کو حافظہ میں محفوظ رکھنے میں یکتا تھا۔

[1] برنی ص ۵، [2] ایضاً ص ۶۸-۶۷ [3] ایضاً ص ۶۷-۶۸

جیسا کسی کو نہ پایا۔ شہزادے نے ایک بیاض تیار کی تھی جس مین اپنے مذاق کے مطابق بیس ہزار اشعار انتخاب کر کے درج کیے تھے۔ ان اشعار کے انتخاب پر خسرو اور حسن سجزی بھی داد دیتے تھے، یہ بیاض ایسی نادر چیز تھی کہ جب شاہزادہ کا انتقال ہوا تو بلبن نے اپنے خاص دوات دار امیر علی کو دے دی، امیر علی کے بعد امیر خسرو کے ہاتھ آئی، ارباب ذوق اس کی نقلین لیتے اور بیاضون مین درج کرتے تھے۔[1]

شہزادہ محمد سلطان کا علمی دربار ملتان مین لگتا، دہلی مین بلبن کے یہان علماء و فضلاء کا بڑا اجتماع ہوگیا تھا، ان مین سے بعض ارباب علم محمد سلطان کی فیاضی و زرپاشی سن کر دہلی سے ملتان منتقل ہوگئے تھے، شہزادہ کی علمی مجلس کا ذکر کرتے ہوئے فرشتہ رقمطراز ہے:

"ہمیشہ مجلس ہایون خود را بہ فاضلان سعادت قرین و شاعران فراست آئین آراستہ در حق ہمگنان انواع الطاف و اعطاف مصروف داشتے و زمانہ از وجود فائز الجود ش بہار بہار و چمن چمن نسرین ونسترن درجیب و دامن کردے۔" (ج ۱ ص ۷۸)

دہلی کے شعراء مین سے خسرو اور حسن سجزی کی وجہ سے محمد سلطان کے دربار کی رونق خاص طور پر بڑھی، اور ان تینون سخن فہمون اور سخن سنجون کا اجتماع ہوا تو شہزادہ کی بزم ادب مین پانچ سال تک بڑی رنگینی اور کیفیت رہی، شہزادہ ان دونون ارباب کمال کو اس مدت مین اپنے بے پایان لطف و نوازش اور انعام و اکرام سے سرفراز کرتا رہا، خسرو دل کھول کر شہزادہ کی شان مین قصائد کہتے، اور شہزادہ مال و دولت نچھاور کر کے ان کی داد دیتا، چنانچہ خسرو اس کے جود و سخا و خلق کے بارہ میں اس کو مخاطب کر کے کہتے ہین:

جود تو گوش صدف را پارہ کرد   تام لولو ہر کسے لالا نہاد

---

[1] برنی ص ۶۷-۶۶، فرشتہ ج ۱ ص ۷۹

مشک ارزان شد بوصفِ خلق تو | کلک من چو روئے در سودا نہاد
مشتری جز مدح تو ننوشت ہیچ | خامہ را بر روئے کاغذ تا نہاد

حسب ذیل قصیدہ میں خسرو نے شاہزادہ کی شان میں اپنے والہانہ جذبات کا اظہار بڑے دلکش پیرایہ میں کیا ہے۔ عشقیہ تشبیب میں حسن الفاظ کی دل آویزی اور طرز ادا کی شگفتگی کے ساتھ جذبات میں بھی بڑی رنگینی ہے۔ صنعت التفات (یعنی ممدوح کی مدح کے وقت ضمیر حاضر سے اسکو یاد کرنا) میں شہزادہ کو مخاطب کرتے ہیں:

زہے رویت شگفتہ لالہ زاری | در حسن تراگل پردہ داری
رخت را بہتر از مہ می شمارم | وزین بہتر نمی بینم شماری
درختِ صندل آمد قامتِ تو | کہ می پیچد در و زلفت چو ماری

اس سراپا نگاری کے بعد خیالِ یار، خیالِ وصل اور خیالِ فراق کی مصوری کر کے گریز کرنا چاہتے ہیں، جس سے گریز میں بڑی دلکشی پیدا ہوگئی ہے۔

چو خود رفتی بتسکینِ دلِ من | خیالِ خویش را بغرست باری
نخواہم یادگاری از تو لیکن | خیالت آنکہ بہ بی یادگاری
دلم یک چند بود اندر پس کار | فراقت باز پیش آورد کاری
گلے نشگفتہ بختم را ز وصلت | زغم ہر موئے بر تن گشت خاری

اسی کے بعد ممدوح کا ذکر لاتے ہیں۔

زشاخ بخت چون برگے ندارم | بخواہم از جناب شاہ باری
شہنشہ نصرت دنیا محمد | کہ نازد چرخ چوں او شہر یاری

شہزادہ کے وقار، تمکنت، حکمرانی، بلندی اقبال، اصابت رائے، اور جود و سخا کی

تعریف خاص انداز مین کرتے ہیں،

بگاہ زلزلہ کوہ گران سنگ ... ز داتشش عاریت خواہد وقاری

جہان دارا توئی دارا جہان را ... جہان دا یم ہمی گوید کہ آری

زمین شد مست ز اقبالت کہ دارد ... نگہبان ہمچو رایت ہوشیاری

سپہر پیر از رائے تو ہر دم ... گزد انگشت ہمچو شیرخواری

گمر زد لاف گوہر با تو دریا ... کہ ابر از زادگر وتن سنگساری

چو دو بار یدن آمد ابر دستت ... گہر گیرد گل اندر ہر دیاری

دعائیہ اشعار پہ قصیدہ ختم کرتے ہیں:

ز بہر نظم خسرو در ثنایت ... کشد ہر لحظہ در شاہواری

حدیث مدح چون پایان ندارد ... بدعوت بہ کہ باشد اختصاری

مدار دور عالم باش ودو ملک ... بجو ناہد ز عالم را مداری

حسود ملک را بر دار می کن ... و زین بہ ار شی زان می کن بداری [1]

تحفۃ الصغر کے علاوہ وسط الحیوۃ مین شہزادہ محمد کی شان مین تقریباً ۲۲ قصائد ہیں، جن میں کبھی ابوالفرج رونی، کبھی انوری، کبھی ظہیر فاریابی، کبھی اسمٰعیل کمال اور کبھی اپنے خاص رنگ میں اشعار کہکر اپنے قلم کی روانی دکھاتے ہیں، اور یہ روانی دریا کی موجوں کی طرح لہرین مارتی ہوئی دکھائی دیتی ہے،

بحر مجتث مقصور میں ابوالفرج رونی کے ایک طویل قصیدہ کا مطلع یہ ہے:

بدیع نیست بخشیدن ستارہ در آب ... بروز بین کہ بھرے است چنارہ در آب

[1] دیوان وسط الحیات۔ علی گڈھ اولینی ص ۲۸

خسرو نے ابوالفرج رونی ہی کی تقلید مین بحر مجتث مثمن مخبون مجنون مقصور مین ایک طویل قصیدہ کہا ہے جس کے تین بند ہین تیسرے بند کے شروع مین کہتے ہین

سپیدہ دم کہ دمد آفتاب روشن تاب ۔۔۔ زمانہ را کند از آفرین شاہ خطاب

یگانہ نصرت دین قاآن ملک محمد راد ۔۔۔ خدایگان فلک مرکب ہلال رکاب

گرفتہ منزل رفعت بر آسمان تقش ۔۔۔ گرچہ منزل گردون زآسمان القاب

بہ بند بازوے او بست ہر قوت دین ۔۔۔ زمانہ رشتہ انصاف وگوہر خطاب

جہان زمعدلت اوست قائم ارنہ بچرخ ۔۔۔ بروج منقلب اند و ستارگان قلاب

انوری نے سلطان سنجر کی شان مین ایک قصیدہ کہا تھا جس کا مطلع یہ ہے:

گر دل و دست بحر و کان باشد ۔۔۔ دل و دست خدایگان باشد

خسرو نے اسی کی تقلید مین بحر بدل کر یعنی بحر ہزج مثمن سالم مین شہزادہ کے لیے ایک قصیدہ لکھا ہے جس کا مطلع یہ ہے:

کسے را کین چنین زلف و بنا گوش آنچنان باشد ۔۔۔ اگر در دیدہ و دل جاے سازد جاے آن باشد

اس کے بعض اشعار ملاحظہ ہون:

درونم ز آتش اندیشہ بند از بند می سوزد ۔۔۔ معاذ اللہ چو کسے کو را تپ اندر استخوان باشد

انوری نے اسی قافیہ کے ساتھ یہ شعر کہا ہے۔

ظلم را دائم از سیاست او ۔۔۔ تپ لرزہ در استخوان باشد

خسرو شہزادہ کو مخاطب کر کے کہتے ہیں:

جہان را تاج سلطانی محمد شاہ بن سلطان ۔۔۔ کہ تاج سلطنت او راست تا ملک جہان باشد

نہ تنہا جون یافت از رب بخت او از حق اگر دون ۔۔۔ کہ ہم ہموارہ بیدار است وہم دائم جوان باشد

Marfat.com

قصیدہ اس شعر پر ختم ہوتا ہے

بدار ملک دولت جاودان می باش دشمن را | بدار ملک بر می کش کہ ملک او بہان باشد

انوری نے اپنے قصیدہ کو اس شعر پر ختم کیا ہے،

درجہان ملک جاودانت باد | خود چنین ملک جاودان باشد

ظہیر فاریابی کا ایک قصیدہ ابوبکر بن محمد کی شان میں ہے جس کا مطلع یہ ہے،

دریں ہوس کہ من افتادہ ام بینا دانی | مرا بجان خطرست از غم تو تا دانی

کمال اسمعیل نے بھی اسی قافیہ میں ایک قصیدہ کہا ہے، اس کا مطلع یہ ہے،

بگویم ار نہ کند رخنہ در مسلمانی | تو ئی کہ نیست ترا در ہمہ جہان ثانی

ان ہی دونوں ارباب کمال کے قصیدوں کو سامنے رکھ کر خسرو نے شہزادہ محمد سلطان کی شان میں ایک قصیدہ کہا جس کی تشبیب کے بعض اشعار ملاحظہ ہوں،

چون زلف غالیہ گون بر عذار بنشانی | نہد بہ پیش رخت آفتاب پیشانی

نشانہ زخم زبان گرچہ می کشد زلفت | نمی کند سر موئے کم از پریشانی

خراب کرد جہان چشم کافرت افسوس | کہ نیست ہیچ کیے را غم مسلمانی

حدیث روئے تو از دم صبا بشنید | بہ بست لعل لبت از سپید دندانی

برون کشید سر از آب روشن آن سبزہ | کہ داشت جوئے لبت زیر آب پنہانی

کمال اسمٰعیل کا ایک قصیدہ حسب ذیل مطلع کے ساتھ ہے،

زہے ز سنبل تر کردہ لالہ را پردہ | بر آسمان زدہ عکس رخت سراپردہ

اس ردیف، قافیہ اور وزن میں بھی خسرو نے شہزادہ کی شان میں ایک قصیدہ کہا ہے جس کے چند اشعار ہدیۂ ناظرین ہیں:

Marfat.com

مکش بگرد رخ از خط دل ربا پرده | کرکس زشب نکند آفتاب را پرده
زبیم آن که رسد چشم آفتاب بتو | بر بند ذابر بہر لحظہ در ہوا پردہ
کند بہ پیش خطت پردہ پوشی سبزہ | چو گل بباغ کشند بر سر گیا پردہ
نوای عیشِ تو کاہنگ او بنہ پردہ است | بساختہ فلک از بہر او نوا پردہ
نسیم خلق تو روزی خلق را چون گل | کشاد از پس ہر پردۂ جدا پردہ

لیکن یہ سمجھنا صحیح نہیں کہ خسرو نے صرف پرانے استاذہ ہی کی خوشہ چینی کرکے شہزادے کی مدح کی بلکہ اپنے خاص رنگ میں بھی قصیدہ کہکر اپنا زور کلام دکھایا ہے۔ مثلاً حسب ذیل مدح میں بہاریہ تشبیب کا جو بہتر سے بہتر نمونہ ہوسکتا ہے، وہ پیش کرتے ہیں۔ ابر نیسانی سے بلبل کی شور انگیزی، گل و نرگس کی زرفشانی سے روئے زمین کی طلاکاری، مرغان چمن کی نغمہ سرائی، باد نسیم کی عنبر بیزی، غنچہ کی کجکلاہی، بند قبا کی چستی۔ باد صبا کی مستانہ خرامی، لالہ کی خون افشانی، چشم نرگس کی افسون خوانی، سرو و سوسن کی سرکشی، بنفشہ کی تواضع و فروتنی، ابر کی سیارہ افشانی کی مصوری کرکے بہار کی جیتی جاگتی تصویر کھینچ دی ہے،

وقت آن آمد کہ بر بالائے گردون بر شود | ابر نیسانی کزو آواز بلبل تر شود
از زر افشان گل و نرگس ہمہ روئے زمین | شد چنانکہ از خاک را در مشت گیری زر شود
صبح دم مرغان ببانگ آیند و ز باد نسیم | خاک زیر پر مرغان بیضۂ عنبر شود
گر قبا را چست بند دگر کلہ را کژ نہد | غنچہ را آن دم کہ بر خود خواب اندر سر شود
آب را باد صبا زنجیر در گردن کند | دست بید انجیر را چون بید با خنجر شود
ہر زمان دریا ئی نیلوفر سپہر روئے آب | بفگند تا از حبابش قبۂ اسپر شود
آب را مے کہ از تندی چہ گنبدہا کند | چون زبا را ان آبہ دریائے نیلوفر شود

Marfat.com

نو بہار از لالہ و بلبل را بطرف خون نشاند / تا چرا عاشق بر رخ لالہ را خرم شود

بر زمین گنبد ناگون قطرہا افتند ز ابر / تا سلک مروارید تر در گوش سیسبر شود

زلف سنبل دام و چشم نرگس افسون خوان شدست / تا مگر بلبل بدان افسون بدام اندر شود

سرو و سوسن را بنفشہ زان تواضع می کند / تا مگر در خدمت آزادگان درخور شود

اب اس بہاریہ تشبیب کے ساتھ گریز ملاحظہ ہو،

کار دور نگون شود گردان ز دور ہر مجلسے / ساقیا راوست مطلق پر زدہ ساغر شود

باغ می گوید کہ من در وجہ ساقی می نہم / ہر زر و سیمی کہ گل را جیب و دامن تر شود

غنچہ نو خیز می خواہد ز بستان بر کند / تا بسوئے مجلس شہزادہ کشور شود

شہ نصیر دولت و دین کز نسیم دولتش / بادہ زرین شاہان را بلبہ افسر شود

رائے او از یک نظر در تمامہ چرخ افگند / ماہ را بینی کہ اندر خانۂ دیگر شود

شہزادہ محمد سلطان کی تمنا اسی ادب وفن کی فضا میں شہزادہ محمد سلطان کی تمنا اور خواہش ہوئی کہ ملتان ہر قسم کے علوم و فنون کا مرکز ہو جائے، چنانچہ شیخ عثمان ترمذی جو اپنے وقت کے بہت بڑے عالم اور صاحب دل بھی تھے، ملتان تشریف لائے تو شہزادہ نے ان کا پرجوش خیر مقدم کیا، نذرانے اور ہدیے پیش کیے، اور ان سے بہت اصرار کیا کہ وہ ملتان میں قیام فرمائیں لیکن انھوں نے اس کو قبول نہیں کیا،[1]

خسرو اور سعدی اسی طرح شیخ سعدی کی خدمت میں شیراز دو بار قاصد بھیج کر ان سے ملتان آنے کی التجا کی، زاد راہ بھیجا، اور ملتان میں ان کے لیے ایک خانقاہ اور اس کے مصارف کے لیے گاؤں وقف کر دینے کا وعدہ بھی کیا، لیکن شیخ سعدی نے دونوں مرتبہ اپنی پیری کا عذر کیا

[1] برنی ص ۶۶

Marfat.com

اور ہر مرتبہ دست خاص سے اپنی بیاض میں سے کچھ اشعار لکھ کر شہزادہ کو تحفہ بھیجا۔ فرشتہ کی روایت ہے کہ اس تحفہ کے ساتھ شیخ سعدی نے شہزادہ سے خسرو کی سفارش بھی کی، یعنی اس سے ہندوستان کے اس جوہر قابل کی تربیت اور قدر افزائی کرنے کو لکھا[1]۔ میخانہ کے مولف عبدالنبی خان جواہر الاسرار مولفہ شیخ آذری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ شیخ سعدی ہندوستان آئے اور امیر خسرو کی صحبت میں رہے، اور ان کی تعریف یہ شعر کہکر کی ہے:

خسرو سرمست اندر ساغر معنی بریخت　　شیرہ از خمخانۂ مستی کہ در شیراز بود

ایک اور موقع پر خسرو کے لیے یہ بھی کہا

جلد بخم دارد شیرازه شیرازی

شیخ آذری کی اس روایت کو بعض تذکرہ نویسوں نے غلط بتایا ہے۔ اس لیے مولف میخانہ نے لکھا ہے:

"اما چون توان گفت کہ شیخ آذری غلط کردہ است زیرا کہ او یکے از اکابر است و این قسم بزرگان ہم وہمی فرمایند ولیکن آنچہ بخاطر مولف کتاب میخانہ عبدالنبی خان فخر الزمانی می رسانیست کہ حضرت شیخ مصلح الدین در اوائل جوانی در ایام سیاحت وقتے کہ خسرو ہم صغر سن بود بہ ہند رسانده و با او صحبت داشتہ" (ص ۹۳)

لیکن یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ شیخ سعدی جوانی ہی میں خسرو سے ملے۔ شیخ سعدی کی ولادت ۵۸۹ھ بتائی جاتی ہے، اور خسرو ۶۵۱ھ میں پیدا ہوئے، یعنی ان کی پیدائش کے وقت سعدی ۶۲ سال کے تھے، تو پھر کیونکر یقین کیا جائے کہ وہ اپنی جوانی میں خسرو سے ملے۔ مولانا شبلی شعر العجم جلد دوم (ص ۱۰۲) میں رقمطراز ہیں کہ آذر نے آتشکدہ میں لکھا ہے کہ

[1] فرشتہ ج ۱ ص ۷۵

شیخ سعدی شیرازی خسرو سے ملنے کے لیے شیراز سے دہلی آئے، اگرچہ یہ روایت قرین قیاس نہیں اور اور بعض تذکرہ نویسوں نے صراحتاً اس واقعہ سے انکار کیا ہے، تاہم اس سے اس قدر ثابت ہوتا ہوتا ہے کہ آذری کے نزدیک خسرو اس پایہ کے شخص تھے کہ سعدی کا ان سے ملاقات کے لیے سفر کرنا ممکن تھا، میخانہ کے مؤلف نے تذکرہ مخزن اخبار کی جو روایت نقل کی ہے، اس میں شیخ سعدی اور خسرو کی ملاقات کا ذکر نہیں ہے، البتہ اس میں یہ ضرور ہے کہ شہزادہ محمد سلطان کے بھیجے ہوئے تحفے اور امیر خسرو کے اشعار شیخ سعدی کے پاس پہنچے تو انھوں نے نقد وجنس تو فقرا و مساکین میں تقسیم کردی اور امیر خسرو کے اشعار پڑھ کر ان کی تعریف کی۔

"اشعار امیر خسرو را مطالعہ می فرمود وتحسین بسیار نمودہ"

شہزادہ محمد سلطان کی شہادت افسوس کہ اس علم دوست، علم پرور اور باکمال شہزادہ کی عمر نے وفا نہ کی، ۶۸۳ھ میں چنگیز خانیوں نے ایتمر خان کی قیادت میں ہندوستان پر حملہ کیا، تو انھوں نے لاہور اور دیبالپور کی غارت گری کرتے ہوئے ملتان کا رخ کیا، شہزادہ محمد سلطان ملتان سے نکلا اور لاہور کے پاس دریا کے کنارے ایتمر خان کا مقابلہ کیا، اور اس کو شکست دی، شہزادے کے لشکری مغلوں کے تعاقب میں آگے بڑھ گئے، شہزادہ محمد نے ظہر کی نماز نہیں پڑھی تھی، دریا کے کنارے پانچ سو لشکریوں کے ساتھ نماز پڑھنے لگا کہ یکایک دو ہزار مغل کمین گاہ سے نکل کر شہزادہ پر حملہ آور ہوئے، شہزادے نے نماز سے فارغ ہو کر بڑی دلیری اور جانبازی سے ان کا دیر تک مقابلہ کیا، اور قریب تھا کہ مغل شکست کھا کر فرار ہو جائیں کہ اچانک ایک تیر شاہزادہ کو آکر ایسا لگا کہ اس کے زخم سے جانبر نہ ہو سکا، اور اس کی شہادت ہندوستان کی تاریخ کا ایک بڑا ہی المناک واقعہ ہے، اس کی علم دوستی کا حال یہ تھا کہ اس میدان جنگ میں بھی خسرو اور حسن دہلوی اس کے ہمرکاب تھے، شہزادے کی شہادت کے بعد مغل ان دونوں کو گرفتار

Marfat.com

گرکے اپنے ساتھ لے گئے۔ خسرو نے اسی گرفتاری اور اسیری میں اپنے مربی کی شہادت پر دو نہایت ہی دردانگیز اور غمناک مرثیے لکھے، جو "منظوم سحر حلال" کی حیثیت رکھتے ہیں، ایک مدت تک لوگ گھر گھر ان مرثیوں کے اشعار پڑھتے تھے اور اپنے مقتول عزیزوں پر نوحہ کرتے تھے[1] پہلا مرثیہ سعدی شیرازی کے مرثیۂ نوحہ کی بحر رمل مثمن مقصور میں ہے، اس میں گیارہ بند ہیں، ہر بند میں بارہ اشعار ہیں، پہلے بند میں شہزادہ کی شہادت کے جانگداز سانحہ پر خون کے آنسو بہاتے ہوئے لکھتے ہیں،

واقعہ است این یا بلا کز آسمان آمد پدید | آفت ست این یا قیامت کز جہان آمد پدید
رخنۂ کامسال در ہندوستان آمد پدید | راہ در بنیاد عالم داد سیل فتنہ را

بہت ہی رنج وقلق کے ساتھ کہتے ہیں کہ شہزادہ کی موت سے مجلس یاران درہم برہم ہوگئی اور اپنے اضطراب کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

مجلس یاراں پریشان شد چون برگ گل زباد | برگ ریزی گوئی اندر گلستاں آمد پدید
ہر مژہ بے دیدن یاران سنانے شد بچشم | تیر بالا چون ز نوک ہر سناں آمد پدید
دل نہ پیچد چوں؟ ز نامہ رشتۂ صحبت گسست | ذرہ ریزد چوں؟ خلل در ریساں آمد پدید

بڑی حسرت سے اسی مجلس یاران کے دوبارہ اجتماع کی تمنا کرتے ہیں لیکن پھر یاس بھرے لہجے میں کہتے ہیں کہ مجلس کے بچھڑے ہوئے دوست بنات النعش (سات ستارے جو قطب کے ستاروں کے گرد گھومتے نظر آتے ہیں) ہو کر رہ گئے ہیں، پھر یہ بنات النعش پروین داسپں میں

---

[1] منتخب التواریخ میں ہے "دو مرثیۂ ترکیب بند کہ در دیوان غرۃ الکمال مسطور است بنظم درد دہ در دہلی فرستاد تا یک ماہ و بیشتر آن ترکیب بند ہا را مردم می خواندند و بر کشتگان خویش خانہ بخانہ نوحہ می کردند" یہ دونوں مرثیے میری نظر سے وسط الحیوۃ میں گذرے ہیں۔

ملے ہوئے ستارے) کیسے بن سکتی ہے، یعنی اب بچھڑوں کا جمع ہونا ممکن نہیں۔

من نخواہم جز بہاں جمعیت واین کے شود — خود خیال ست این بنات النعش پروین کے شود

دوسرے بند میں ملتان سے لاہور تک شہزادہ کی فوج کشی، جان بازی اور شمشیر زنی کا ذکر ہے، جس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ شہزادہ کی پامردی اور جوانمردی کام نہ آئی، اور اس کی ساری تدبیریں تقدیر کے سامنے بیکار ہو کے رہ گئیں،

او دریں تدبیر آگہ نہ ز تقدیر فلک — صفحۂ تدبیر را خط مشیت درکشید

تیسرے بند سے آٹھویں بند تک مغلوں سے خونریز لڑائی کا ذکر ہے، کہتے ہیں کہ لڑائی کیا تھی، قیامت تھی،

نے فزع بود آں قیامت راسمین دیدہ ام — گر قیامت را نشان این است پس من دیدہ ام

شہزادہ کی موت سے مسلمانوں کی فوج کو جو نقصان پہنچا اس کا ذکر کر کے اپنے کو تسکین دیتے ہیں کہ اس کی شہادت کوئی عیب نہیں، نمرود نے حضرت ابراہیم کو آگ میں ڈالا، نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کو دار پر چڑھایا، اسی طرح شہزادہ دین کی خاطر کافروں کے ہاتھ شہید ہوا لیکن اس تسکین و تسلی کے باوجود خسرو اپنے اندوہ و غم کو ضبط نہیں کر سکے ہیں، شہزادہ کی موت پر ہر طرف جو آہ و بکا ہوئی اس کی تصویر آٹھویں بند میں کھینچتے ہوئے پہلے تو شاعرانہ انداز میں کہتے ہیں کہ اس موت پر آفتاب رویا، ماہتاب رویا، دریا میں مچھلیاں روئیں، ہوا میں پرندے روئے، ستاروں کے آنسو شبنم کی صورت میں ہے، پھر ملتان کے لوگوں پر کیا گزری، اسکو بیان کرتے ہیں:

[illegible] مرد و زن گریہ کناں و مو کناں — کو بکوی و سو بسوی و جا بجا بگریستند

[illegible] گریہ دیا نگہ دل کن می نخت — بسکہ در ہر خانہ اہل عزا بگریستند

Marfat.com

ہم بآب چشم خود کردند ترتیب و ضو   مغفرت جویان کہ در وقتِ دعا بگریستند

دیدہ خون افشاند بر گل چون گلوے کشتگان   بسکہ ہر کس کشتگانِ خویش را بگریستند

نوین بند مین ایک دوسرے پیرایہ مین شدتِ غم کا اظہار ہے جس کا آخری شعر یہ ہے

موے سرتا چند از یغم زار و گریان بر کنم   این تنِ چون موے بارے از سر جان بر کنم

پھر دسویں بند مین دوستوں کی جدائی کا بڑاہی درد انگیز ماتم ہے، شہزادہ کی بزم کے دوستوں کو یاد کرکے نوحہ کرتے ہیں، اور کہتے ہیں

حیف باشد مردمان در چشم ما از چشم دور   دیگران را چون توان دیدن بجاے دوستان

دوستان رفتند غیرے راچہ گیرم در کنار   چون کشم بر قامت ہر کس قباے دوستان

آخری بند میں دوستوں اور شہزادہ کے لیے دعا کرتے ہیں جس کا پہلا شعر یہ ہے

یارب از خورشید رحمت نور دہ جان بادشان   جان ز فیض نور چون خورشید تابان بادشان

آخرین برسم تعزیت سلطان بلبن کو تسکین دیتے ہین، اور اس کے بقیہ دونوں شہزادوں کے لیے دعائیں کرتے ہین،

چون محمد رفت شہ را عاقبت محمود باد   کیقبادش اسعد و کیخسروش مسعود باد

یہ مرثیہ شروع سے آخر تک کچھ ایسا درد انگیز اور المناک ہے کہ اس کو پڑھ کر آج بھی اس ہر دل عزیز شہزادہ کی موت کا غم تازہ ہو جاتا ہے، دوسرے مرثیہ کا مطلع یہ ہے:

اے دل بغم نشین کہ ز شادی نشان نماند   اے دیدہ خون گری کہ طرب در جہان نماند

اس مرثیہ کا بھی ہر شعر غم والم سے بھرا ہوا ہے، خسرو منگلوں کی قید سے چھوٹ کر دلی آئے تو شہزادے کی موت پر جو مراثی لکھے تھے، غیاث الدین بلبن کے دربار میں جا کر پڑھے، دربار مین کہرام مچ گیا، کسی کو کسی کا ہوش نہ تھا، سلطان بلبن اس قدر رویا کہ اس کو

Marfat.com

بخار آ گیا[1] وہ شہزادہ کی شہادت کے بعد لب گور ہوتا چلا گیا، برنی کا بیان ہے کہ شہزادہ کی موت کے بعد وہ ملکی مصالح کی بنا پر دربارین تو پورے وقار و تمکنت کے ساتھ آتا لیکن رات کو اپنے محبوب فرزند کی یاد میں زار و قطار روتا، کپڑے پھاڑ لیتا، اور سر پر خاک ڈال لیتا یہاں تک کہ اسی غم میں ایک روز عالم جاودانی کو سدھارا،

مرثیہ حسن سجزی | خسرو نے اپنے مذکورۂ بالا مراثی میں اندوہ و غم، کرب و الم اور سوز و گداز کی جو مصوری کی ہے، اس سے زیادہ موثر اور دردانگیز مرقع کھینچنا ممکن نہ تھا، اسی لیے شہزادہ کے دوسرے ہم جلیس اور اس کے عہد کے دوسرے بے مثل اور قادر الکلام شاعر حسن سجزی نے اس دردناک حادثہ کا مرثیہ نظم کے بجائے نثر میں لکھا، جو خسرو کے مراثی ہی کی طرح بہت مقبول ہوا، بڑا طویل مرثیہ ہے لیکن ہر زمانہ میں ذوق و شوق سے پڑھا گیا، حتی کہ تیموری دور کے مورخوں میں نظام الدین بخشی مؤلف طبقات اکبری اور ملا عبد القادر بدایونی مؤلف منتخب التواریخ نے اپنی اپنی تاریخوں میں اس طویل مرثیہ کو نقل کرکے گویا اس کی داد دی ہے، اس کے کچھ ٹکڑے ہم ناظرین کی خدمت میں بھی پیش کرتے ہیں، تاکہ شہزادہ کی موت پر حسن سجزی کے جذبات مین جو تلاطم پیدا ہوا اس کا اندازہ ہو، اور ان کی نثر نگاری کا نمونہ بھی سامنے آ جائے، گو یہ اسلوب بیان انھوں نے اپنی مشہور و معروف تالیف فوائد الفواد میں اختیار نہیں کیا،

اس مرثیہ میں ایک فاضلانہ تمہید کے بعد میدان جنگ کا نقشہ ہے، پھر شہزادہ کی بہادرانہ مردانگی کا ذکر کرکے اس کی ناگہانی شہادت کی تصویر کھینچتے ہیں کہ یکایک ایک تیر قضا شہزادہ کو آکر لگا اور اس کے زخم سے اس کی روح اس کے قالب سے نکل کر روضۂ رضوان کی طرف منتقل ہو گئی، اور معلوم ہوا کہ اسی وقت دین محمدی کی پشت غمزدہ یتیموں کے دل کی طرح ٹوٹ گئی اور دولت محمدی کی دیوار گور غریبان کی طرح پست ہو گئی، ملک کی قوت کھو گئی اسلام کا سہارا جاتا رہا،

[1] شعر العجم ج ۲ ص ۱۱۵ سے برنی ص ۱۱۰،

"ہم درعین این عنا داشتائے این آشوب و بلا ناگاہ تیرے از شست قضا بر بال آن شہباز فضائے غزا رسیدہ و مرغ روح از قفس قالب آنحضرت بجانب گلشن روضۂ رضوان نقل کرد، انا للہ وانا الیہ راجعون، ہمان زمان پشت دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم چون دل جیتان زار شکست و سدِ ملتِ احمدی صلی اللہ علیہ وسلم چون گورِ غریبان پست بیفتاد و اعتقادی کہ بازوی ملک را بود از دست بہ شد و اعتمادے کہ بقیۂ اسلام داشت از جائے برفت۔"

غروب آفتاب کے وقت شہزادہ کی روح عالم بالامین پرواز ہوئی۔ آسمان سوگوار ہوکر نیلگوں ہوگیا۔ سیارے اشکبار ہوگئے۔ زحل نے اہل ہند کی تعزیت میں سیاہ لباس پہن لیا، مشتری نے شہزادہ کے خون آلود کپڑے دیکھ کر اپنا لباس چاک کر لیا، مریخ رنج اور ناسف میں اس طرح تڑپنے لگا جیسے حوت (مچھلی) آفتاب کے سامنے اور حمل (بھیڑ) قصاب کے سامنے تڑپتی ہو۔ آفتاب اس شرم سے کہ اس حادثہ کو ہونے سے کیون نہ روک دیا، زمین میں ڈوب گیا، زہرہ نے یہ دیکھکر کہ اجرام فلکی کس مصیبت مین آگئے ہیں، طنبورہ کو زور سے اور دف کو دوسرے دھن مین بجانا شروع کیا، اور بیناراگ الاپنے لگی، اور شہزادہ کی وفات پر رونے لگی عطارد نے جو لڑائی اور فتح کا حال لکھا کرتا ہے، دوات کی سیاہی سے اپنا منہ سیاہ کرلیا اور غم مین کاغذ سے اپنے کو لپیٹ لیا، ہلال بھی افق مین سر پیٹ کر سوگوار بنا ہوا تھا، اب فارسی عبارت ملاحظہ ہو

راست وقت غروب آفتاب عمران شاہ کہ آفتابش زرد شدہ بود بمغرب فنا رفت، وگردون برشعار سوگواران جامہ در نیل زدہ و اشک سیارہ بر اطراف رخسارہ روان گردیدن گرفت، زحل بر وقت تقاضائے وفاء شرط عزا کسوت سیاہ گردانید و ار

مرگ او بر اہل ہندوستان نوحہ می کرد، و مشتری بر دریغ آن اندام گرد اندود قبائے خون آلود وراعہ چاک می کرد، و دستار بر خاک می زد و مریخ کہ دست قوت او چون چشم ترکان وروی معیشت او چون جبہ زنگیان تنگ و تاریک باد از تاسف آن خار خار کہ در دل خون انگیخت چون حوت در پیش آفتاب و چون حمل در تیغہ قصاب می طپید، و آفتاب از شرم آنکہ چرا در دفع این حادثہ وقمع این واقعہ نکوشید بر نیامد و در زمین فرو شد، و زہرہ چون دید کہ اجرام از چنگ ایام چہ زحمت یافتند زد و فی الطنبور نغمہ دف را ورق نگرد و اغنیہ و سماع در پردہ دیگر آغاز کرد و بر وفات آن شاہ بندہ نواز خود بجائے ساز نالیدن گرفت، و عطارد کہ در غزوات و فتوحات بہ موافقت کاتب فتح نامہا در قلم می آورد و دران نظم از سواد دوات خود روی سیاہ می کرد و از اوراق دفتر خویش پیراہن کاغذین می دوخت و ما حالے در صورت ہلالے با قامت منحنی دران قیامت زمین سر بدیوار و درافق می زد۔"

اس کے بعد شہزادہ کے ایصال ثواب کے لیے دعائیں ہیں،

خسرو اور حسن سجزی کے مراثی کے پڑھنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اگر شہزادہ سلطان محمد کی زندگی وفا کرتی تو ہندوستان کی علمی تاریخ کا رخ کچھ اور ہی ہوتا، شہزادگی ہی کے زمانہ میں تو اس کا دربار علم و فن کا گہوارہ بن چکا تھا، جب وہ تخت نشین ہوتا تو معلوم نہیں شعراء و فضلاء کی سرپرستی کس کس طرح کرتا، مولانا ضیاء الدین برنی لکھتے ہیں کہ

"میں نے بارہا امیر خسرو اور امیر حسن کو حسرت اور افسوس کے ساتھ کہتے سنا کہ اگر ہم لوگوں اور دوسرے ارباب ہنر کی قسمت یاور ہوتی تو خان شہید زندہ رہتا، اور بلبنی تخت پر متمکن ہوتا، اور ہم اور تمام ارباب ہنر دولتیوں میں غرق ہو جاتے، لیکن ارباب فضلاء و کمال کی قسمت کھوٹی تھی، زمانہ نے ان کی طرف کبھی انصاف کی آنکھوں سے نہیں

Marfat.com

دیکھا، اور نہ کبھی ان کو صاحب دولت واستطاعت دیکھ سکتا ہے، غدار اور سفلہ نواز فلک
میں اتنی طاقت کہاں سے آسکتی تھی کہ ایک مہربان، ہنرشناس اور ہنرپرور بادشاہ کو شاہی
تخت پر بیٹھنے دیتا اور ارباب ہنر کو فروغ ہوتا" (۶۹-۶۸)

شہزادہ بغرا خان بلبن کے دوسرے لڑکے ناصرالدین محمود المعروف بہ بغرا خان کی بھی تعلیم و تربیت شہزادہ محمد سلطان ہی کی طرح ہوئی، اس نے بھی خطاطی، زبان اور تاریخ کی تعلیم خاص طور سے پائی، لکھنوتی سے اودھ آکر اس نے اپنے لڑکے کیقباد کو آداب السلاطین کے حوالے سے جو رموز حکمرانی بتائے ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے آداب السلاطین کا بڑا گہرا مطالعہ کیا تھا،[1] مگر شہزادہ محمد سلطان اور اس کے طبائع میں فرق تھا، اس لیے محمد سلطان کو جو محبوبیت حاصل ہوئی وہ اس کو حاصل نہ ہوئی لیکن وہ بھی علم دوست، ہنرپرور اور خصوصاً ماہرین فنون لطیفہ اور ارباب نشاط کا دلدادہ رہا، فرشتہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا دربار رقاصوں، سازندوں، گویوں، اور ظریفوں سے بھرا رہتا تھا، لیکن امیر خسرو کے دیباچۂ غرۃ الکمال سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شہزادہ بھی شعروشاعری کا ذوق رکھتا تھا، اور شعراء کو اپنی زرپاشیوں سے سیراب کرتا رہتا تھا، ایک بار سلطان غیاث الدین بلبن کے بھتیجے اور اس کے دربار کے ممتاز رکن خان کشلی خان کی قیام گاہ پر شعراء کا اجتماع ہوا، اس میں بغرا خان بھی شریک تھا، شعرا نے اپنے اپنے کلام کشلی خان اور بغرا خان دونوں کو مخاطب کرکے سنائے، شعراء میں شمس دبیر، قاضی اثیر کے علاوہ خسرو بھی تھے، خسرو کی زمزمہ سنجی سے بغرا خان اتنا متاثر ہوا کہ صلہ کے طور پر ان کو ایک لگن بھر کر روپے دیے، یہ بات کشلی خان کو ناگوار ہوئی، خسرو اسی کے دربار سے وابستہ تھے، اس کی ناگواری کے بعد اس کے دربار سے علحدہ ہو کر بغرا خان کے یہاں سامانہ

---

[1] برنی ص ۱۴۱، ۱۴۳ تاریخ فرشتہ ج ا ص ۷۰

چلے گئے، جس نے ان کو ندیم خاص بنا کر بڑی قدر، وعزت کی، وہ خود لکھتے ہیں:

"بندہ بندیمی خاص مخصوص گشتم، وبر قاعدہ خدمت قیام نمودم، روز بروز کار براوج می شد۔" (دیباچہ غرۃ الکمال)

خسرو نے اس قدر شناسی سے متاثر ہو کر اس کی شان میں کئی قصیدے کہے جن میں ایک کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں۔

چو بخت روشن من سر بر آسمان آورد | مرا بہ حضرت شہزادۂ جہان آورد
خدایگانِ سلاطینِ عصر نصرتِ دین | کہ بخت بر در او سر بر آستان آورد
بلند مرتبہ محمود شاہ بن سلطان | کہ عزم او کرۂ چرخ زیر ران آورد
عنانِ باد بہ یک بارگی برفت از دست | ازان کمیت کہ باد با وہم عنان آورد
برائے ضبط جہان آفتاب تیغت را | قضا زمادر ایام توامان آورد
حدیث چشمۂ خورشید بر فلک می رفت | فلک حکایت آن تیغ در میان آورد
نسیم بزم تو چون بزم بوستان بگرفت | بہ پردہ داری گل را بہ بوستان آورد
بہ تیغ سایۂ گل را ہمی برد سوسن | کہ او بہ مجلس تو یاد گلستان آورد
حدیث جود تو یاران بگوش ماہی گفت | صدف زگفت تو آتش آب در دہان آورد
بیا و بزم تو دل غنچہ گشت نرگس را | زبا و لرزہ چو در شخص ناتوان آورد
چو بخت دید کہ دستم کسے نمی گیرد | گرفت دستِ من و بر خدایگان آورد

۶۷۸ھ میں بغرا خان اپنے باپ کے ساتھ لکھنوتی کی مہم پر گیا، تو اس کے درباری شعراء شمس دبیر اور قاضی اثیر کے علاوہ خسرو اور حسن سجزی بھی اس کے ہم رکاب تھے، لکھنوتی پہنچکر خسرو کو دہلی کی یاد زیادہ ستانے لگی، مولانا شمس دبیر کی خواہش تھی کہ خسرو ان کے آقا کی مجلس ہی کو

Marfat.com

پر رونق بنائے رکھیں، لیکن امیر خسرو نے بنگال کے معاوضہ میں دہلی دینا پسند نہیں کیا، اسلیے وہ دہلی واپس آ گئے،

جن شعراء نے بغرا خان کی منادمت آخر وقت تک کی، ان میں دو کے نام نمایاں ہیں، مولانا شمس الدین دبیر اور قاضی اثیر،

شمس دبیر | مولانا شمس دبیر کا پورا نام شمس الدین تھا، دہلی کے ملوک سلاطین کے دربار سے وابستہ ہوئے، تو دبیر (سکریٹری) کے فرائض انجام دیتے رہے، اس لیے ان کے نام کا جزء دبیر ہو گیا، تذکرہ نگاروں اور خواجگان چشت کے ملفوظات میں ان کا ذکر عام طور سے شمس دبیر ہی کے نام سے ہے، سنام وطن تھا، تاریخ فرشتہ میں ہے،

"شمس الدین نام شاعرے کہ ساکن قصبہ سنام بود......" (جلد دوم ص ۳۰۹)

خواجہ امیر حسن سجزی مرتب فوائد الفواد نے ان کو اپنا قریبی عزیز اور ہم قوم بتایا ہے، خواجہ نظام الدین اولیاء نے اپنی مجلس میں ایک بار مولانا شمس دبیر کا ذکر فرمایا تو امیر حسن سجزی نے کہا

"بندہ را با دنسبت قرابت ہست...... خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر فرمود کہ ہم قوم بود، بندہ گفت آرے[1]"

مولانا شمس دبیر کی ابتدائی تعلیم کا حال تو معلوم نہیں ہو سکا لیکن ان کی علمی استعداد سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر قسم کے علوم کی تعلیم پائی تھی، مولانا عبدالحی نے ان کا شمار علماء میں بھی کیا ہے، اور لکھا ہے کہ ممتاز علماء اور شعراء میں تھے[2]

شمس دبیر اور بابا گنج شکر | فوائد الفواد کی ایک روایت سے اتنا معلوم ہو سکا کہ انھوں نے علم سلوک پر قاضی حمید الدین ناگوری کی کتاب لوائح بابا فرید الدین گنج شکر سے پڑھی تھی[3] اس زمانے سے بابا...

---

[1] فوائد الفواد ص ۱۲۸ و ۱۲۲ [2] نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۵۵ [3] فوائد الفواد ص ۱۲۰ و سیر العارفین اردو ترجمہ ص ۸۸، ۸۹ . تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۳۰۱

Marfat.com

ان کے استاد تھے، اور غالباً ان سے بیعت بھی کی تھی[1]۔ کیونکہ بابا صاحب کے مجموعۂ ملفوظات راحت القلوب میں ان کی مجلس کے شرکا میں ان کا بھی کئی بار ذکر آیا ہے، ۲۷ر شعبان ۶۵۵ھ میں ان الفاظ میں ذکر ہے،

"شیخ بدرالدین غزنوی نے عرض کی کہ اہل سماع کی بیہوشی کہاں سے آئی، شیخ الاسلام نے فرمایا، اس روز سے کہ جب انھوں نے "الست بربکم" کی ندا سنی اور بیہوش ہوگئے، وہ بیہوشی ابتک ان میں سرایت کی ہوئی ہے، اسی لیے جب بھی یہ سماع سنتے ہیں بیہوشی ان میں اثر کرتی ہے، اور وہ بیہوش ہو جاتے ہیں، اس وقت شمس دبیر نے زمین کی طرف رخ کرکے کہا اس روز جب کہ الست بربکم کی ندا آئی تو کیا سب روحیں ایک تھیں، فرمایا "ہاں"۔

۲۵ر شوال ۶۵۵ھ کی مجلس میں ان کا ذکر اس طرح آتا ہے کہ ایک موقع پر انھوں نے بابا فرید الدین گنج شکر کی شان میں ایک طویل قصیدہ کہا، اور ان کی اجازت سے ان کو سنانا شروع کیا، بابا صاحب اس قصیدہ کو سنتے جاتے اور جابجا ان کی اصلاح فرماتے جاتے، مولانا شمس الدین دبیر اس سے خوش ہوئے، اس کے بعد بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ کیا صلہ چاہتے ہو، شمس دبیر نے کہا کہ ایک بوڑھی ماں کی خبرگیری کرتا ہوں، لیکن تنگیٔ معاش سے پریشان ہوں، بابا صاحب نے فرمایا جاؤ شکرانہ لے آؤ، مولانا شمس دبیر نے پچاس جیتل (یا جیتل) لاکر پیش کیے، بابا صاحب نے اپنے دست مبارک سے اسی وقت مجلس کے حاضرین میں تمام جیتل تقسیم کر دیے، جن میں چار حضرت نظام الدین اولیاءؒ کو بھی ملے، پھر بابا صاحب نے فاتحہ پڑھی، اس کے بعد شمس دبیر کی مالی پریشانی جاتی رہی، یہ روایت فوائد الفواد (ص ۱۲۸ - ۱۲۷) سیر العارفین (اردو ترجمہ ص ۸۹) اور تاریخ فرشتہ (ج ۲ ص ۳۸۹) میں بھی ہے لیکن راحت القلوب میں ہے کہ بابا صاحب کی دعاؤں کے چند روز بعد مولانا شمس دبیر

---

[1] نزہۃ الخواطر میں ان کے بارہ میں ہے: واخذ الطریقۃ عن الشیخ فرید الدین مسعود الاجودھنی۔ [2] راحت القلوب ص ۳۱

Marfat.com

سلطان غیاث الدین کے دبیر ہوگئے، فوائد الفواد اور سیر العارفین میں ہے کہ غیاث الدین کے لڑکے کے دبیر ہوئے، تاریخ فرشتہ میں ہے کہ شمس الدین التتمش کے لڑکے کے وزیر ہوئے،

شمس دبیر اور بغرا خان | ملا عبد القادر بدایونی نے ان کا ذکر سلطان ناصر الدین محمود کے عہد میں کیا ہے اور ان کو عہد ناصری کا ملک الکلام بتایا ہے[1] اور ان کا ایک قصیدہ بھی نقل کیا ہے، جو ملا صاحب کے خیال کے مطابق سلطان ناصر الدین محمود کی شان میں کہا گیا تھا، گو آخر میں یہ بھی لکھ دیا ہے کہ

"سلطان غیاث الدین بلبن در آخر حال اور اشتی مملکت بنگالہ را کامرد وساختہ در ملازمت پسر بزرگ خویش نصیر الدین بغرا گذاشتہ بود" (ج ۱ ص ۹۴)

لیکن ملا عبد القادر بدایونی نے شمس دبیر کے متعلق جتنی باتیں لکھی ہیں، ان میں زیادہ تر تسامحات ہیں، مثلاً اوپر کے اقتباس میں بلبن کے بڑے لڑکے کا نام نصیر الدین بغرا بتایا گیا ہے، جو صحیح نہیں اس کا نام محمد سلطان تھا، البتہ اس کے چھوٹے لڑکے کا نام ناصر الدین (نصیر الدین نہیں) محمود بغرا خان تھا، جو لکھنوتی کا ایک آزاد حکمران تھا، اور اسی کے مناومت میں مولانا شمس دبیر برابر رہے جیسا کہ آگے ذکر آئے گا، ملا عبد القادر بدایونی کو دہلی کے سلطان ناصر الدین محمود اور بلبن کے لڑکے ناصر الدین محمود (والی لکھنوتی) کا دھوکا ہوا، اسی لیے انھوں نے شمس دبیر کو عہد ناصری کا شاعر بتایا ہے، اور جو قصیدہ لکھنوتی کے والی ناصر الدین محمود کی شان میں کہا گیا ہے، وہ دہلی کے سلطان ناصر الدین کی طرف منسوب کر دیا، اور شاید ان ہی کے بیان کو سامنے رکھکر فرشتہ نے

---

[1] ملا عبد القادر کی عبارت یہ ہے کہ

"از جملہ کہ در عہد ناصری کوس فراختہ بہ رتبۂ ملک الکلامی رسیدہ بود شمس الدین دبیر است"

منتخب التواریخ کے انگریزی مترجم نے ملک الکلامی کے بجائے ملک الکلام لکھا ہے، اور اس کا ترجمہ ملک جو Eloquence کیا ہے۔ (انگریزی ترجمہ جلد اول ص ۱۳۲)

لکھ دیا ہے کہ

"زود ی شمس الدین وزیر پسر شمس الدین التمش شدہ (ج ۲ ص ۳۹۰)

تذکرہ نویسوں میں مظفر حسن اور مولانا عبد الحئی نے بھی غالباً ملا عبد القادر ہی کے بیان پر بھروسہ کیا ہے، مظفر حسن نے تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ اپنے تذکرہ روز روشن میں لکھا ہے،

"شمس الدین دبیر بتوجہ ناصر الدین غازی منشی ممالک گردید"

نزہتہ الخواطر میں بھی ہے:

"وہ سلطان ناصر الدین محمود بن التمش کے عہد میں دیوان انشا کے متولی تھے،
اور اسی کے شان میں بڑے پر زور قصائد کہے"

لیکن درحقیقت شمس دبیر جیسا کہ فوائد الفواد میں ہے، حضرت بابا گنج شکر کی دعاؤں کی بدولت سلطان غیاث الدین کے لڑکے یعنی ناصر الدین محمود بغرا خان کے دبیر ہوئے، اس کی تصدیق امیر خسرو کے دیوان غرۃ الکمال کے دیباچہ سے بھی ہوتی ہے، اس دیباچہ میں وہ مولانا شمس کے نام کے ساتھ برابر دبیر لکھتے ہیں، اور ان کو شہزادہ بغرا خان کے ندیم ہی کی حیثیت سے یاد کرتے ہیں، مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

"روزے شہزادہ خورد بغرا خان بزرگی فرمود و در خانۂ خان معظم کشلو خان کہ ابن عم او بود مہمان آمد، بدان سبب کہ از عشرت ایشان مدام دور بسلطان می رسید از حرفا خلوتے چند برابر داشت تا شمس الدین دبیر و قاضی اثیر برا اثر در آن قران السعدین و اجتماع نیرین ......"

بلبن کے ابتدائی دور میں مولانا شمس الدین اور زیادہ معزز اور معتمد امیر ہو گئے۔ جیسا کہ امیر خسرو کے اس قصیدہ سے معلوم ہوتا ہے جو انھوں نے اپنی صغر سنی میں اس وقت لکھا جب وہ دربار کے مختلف امراء کی مدح میں قصائد لکھ کر اپنے شاعرانہ کمال کا سکہ جمانے اور دربار میں رسوخ

حاصل کرنے کی بھی پوری کوشش کر رہے تھے، چند اشعار یہ ہیں:

دبند زر دل و دیدہ نرگس و سمنش ‏ ‏ ‏ کند چو باد صبا وصف غنچہ دہنش

بکوہ لالہ گرفتیست سنگ تر دامن ‏ ‏ ‏ کہ تا بسینہ زند پیش سیمگون سمنش

چرا بہ بحر معلق شدست چون ہاروت ‏ ‏ ‏ اگر دخندہ کند رہ نمائی سمنش

سپہر عز و علا شمس دین و دول کہ گشت ‏ ‏ ‏ میان سنبلہ فضلی بسر دو دانہ حسنش

بچرخ آئینہ وش عکس زآرزوش آمد ‏ ‏ ‏ کہ کردہ اند خطاب آفتاب تیغ زنش

چو نوک خامہ او در رہ خطا برود ‏ ‏ ‏ چرا نہ پیش او باز نا نہ ختنش؟

اور جب بغرا خان دہلی سے سامانہ کا گورنر بنا کر بھیجا گیا، تو مولانا شمس بھی اس کی معیت میں گئے، سامانہ میں ان کی حیثیت اور بھی زیادہ ممتاز ہوگئی، چنانچہ امیر خسرو سامانہ بغرا خان کے یہاں پہنچے، تو وہاں کے قیام کے زمانہ میں مولانا شمس دبیر کی شان میں بھی قصائد کہے، ان میں سے ایک قصیدہ کے بعض اشعار ہدیۂ ناظرین ہیں،

نا کشش مست زگلزار برون آوردند ‏ ‏ ‏ وزتہ مقنعہ رخسار برون آوردند

باز کردند گریبانش کہ گر ماز دہ بود ‏ ‏ ‏ سینہ چو گل و گلنار برون آوردند

بلبلان ریختنی کعب پاش از دل گل ‏ ‏ ‏ اے بسا زر کہ بمنقار برون آوردند

گل کہ در خاک بغلطید زرشک اندمش ‏ ‏ ‏ پارہ پارہ شدہ از خار برون آوردند

چون غم سوختہ گشتند روان آب حیات ‏ ‏ ‏ از خط صدر جہاندار برون آوردند

شمس دین مردمک چشم خرد کز دل او ‏ ‏ ‏ فضل را قیمت دینار برون آوردند

از پے کشتن دشمن دو زبان تکمش ‏ ‏ ‏ گوئی خود از دہن مار برون آوردند

لہ یہ قصیدہ کے منتخب اشعار ہیں پورا قصیدہ نقل نہیں کیا گیا ہے۔

Marfat.com

در پناہِ قلمش جان بر د از تیرِ خدنگ — شرزہ شیرے کہ زنے زار برون آوردند

اے دبیرے کہ بہ پروانۂ نوک قلمت — تیغ خورشید ز زنگار برون آوردند

زان ولایت کہ در آن خامۂ تو تیرہ بزد — عَلَمِ فتنہ نگونسار برون آوردند

گرہ کلکِ ترا اہل سخن بکشادند — زان ہمہ لولوئے شہوار برون آوردند

نافۂ مشک ز خلق تو بکہسار رخزید — مو گرفتند ز کہسار برون آوردند

اجودھن کی حاضری | مگر اس دنیاوی اعزاز کے باوجود مولانا شمس دبیر نے بابا گنج شکرؒ کے یہاں کی حاضری نہیں چھوڑی، کبھی کبھی اجودھن میں حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ کا بھی ساتھ ہو جاتا تھا، چنانچہ حضرت خود فرماتے ہیں:

"میں شمس دبیر شیخ جمال الدین ہانسوی علیہ الرحمہ ایک ہی وقت شیخ کے یہاں سے واپس ہوئے چند منزل ہم لوگ ساتھ رہے، پھر ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں سے دو راستے ہو جاتے تھے، انھوں نے (یعنی شمس دبیر نے) سنام کی راہ لی، اور ہم لوگ سرستی کی جانب روانہ ہوئے، جب ہم لوگ ان سے رخصت ہوئے تو شیخ جمال الدین نے شمس کی طرف منہ کرکے یہ مصرع پڑھا، ع

اے یار قدیم ودستانی روی

اس وقت اس مصرع نے عجیب کیفیت پیدا کر دی[1]"

سیر الاولیاء میں بھی ایک روایت ہے جو معلوم نہیں مذکورۂ بالا روایت ہی کو تصرف کرکے لکھی گئی ہے، یا کوئی علحدہ روایت ہے، بہرحال یہ بھی پڑھنے کے لائق ہے،

سلطان المشائخؒ نے فرمایا۔

"شیخ جمال الدین ہانسوی، خواجہ شمس الدین دبیر اور دوسرے یار دن اور

---

[1] فوائد الفواد ص ۱۲۸

عزیزوں کو ایک ساتھ (شیخ کے یہاں سے) مراجعت کا اتفاق ہوا، شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز سے وداع کے وقت شیخ جمال الدین نے کچھ وصیت کرنے کو کہا۔ اہل ارادت کے آداب میں یہ ہے کہ سفر پر روانہ اور شیخ سے جدا ہوتے وقت وہ وصیت چاہتے ہیں، اگر شیخ درخواست کرنے سے پہلے ہی وصیت کر دے تو بہت اچھا ہوتا ہے، ورنہ مرید اس کے لیے درخواست کرتے ہیں، شیخ شیوخ العالم نور اللہ مرقدہٗ نے فرمایا، میری وصیت یہ ہے کہ سفر میں ان کو (یعنی میری طرف اشارہ کیا) خوش رکھو۔

ع مقصود توئی دگر بہانہ است

شیخ جمال الدین اس حکم کے مطابق بڑے لطف سے پیش آئے، خواجہ شمس الدین دبیر بھی جو معدنِ لطافت ہی کیا ظرافت تھے بڑی تعظیم و تکریم کا اظہار کرتے رہے ......" (ص ۱۷۹)

حضرت بابا گنج شکرؒ کے وصال (کے موقع پر (۶۶۴ھ میں) مولانا شمس دبیر اپنے مرشد کے پاس ہی تھے، وفات سے کچھ روز پہلے انھوں نے نظامی کی مندرجۂ ذیل مثنوی سنائی:-

جہان چیست بگذر ز نیرنگ او | رہائی بچنگ آر از چنگ او
مقیمے نہ بینی درین باغ کس | تماشا کند ہر یکے یک نفس
درین چارسو، ہیچ بیگانہ نیست | کہ کیسہ بر مرد دیوانہ نیست
ہر دم در نو برسے می رسد | یکے می رود دیگرے می رسد
جہان گرچہ آرامگاہے خوش است | شتابندہ را نعل در آتش است
دو در دارد این باغ آراستہ | در و بند این ہر دو برخاستہ
در آ از درے باغ بنگر تمام | ز دیگر در بے باغ بیرون خرام
اگر زیرکی با گلے خو مگیر | کہ باشد ہوا بانش ناگزیر

درین دم کہ داری بہ شادی بسیچ — کہ آیندہ در زیر پیت و بپیچ
یکے را در آرد بہ ہنگامہ تیز — دگر را ز ہنگامہ گوید کہ خیز
نظامی سبک باش یاران شدند — تو ماندی بہ غم غمگساران شدند

بابا گنج شکر نے یہ مثنوی سنی تو متاثر ہو کر بیہوش ہو گئے، اور جب ہوش آیا تو مولانا شمس دبیر کو اپنی بارانی عطا فرمائی،[1]

حضرت نظام الدین اولیاءؒ مولانا شمس کے حسن طبع اور اخلاق کے مداح تھے، مگر ان کو ان سے ایک ہلکی سی شکایت یہ تھی کہ انھوں نے دنیاوی اعزاز بابا گنج شکر ہی کی دعاؤں کے ذریعہ حاصل کیے، مگر باباصاحب کے وصال کے بعد ان کے خاندان والوں کے ساتھ انھوں نے کوئی حسن سلوک نہیں کیا، حضرت نظام الدین اولیاء کے الفاظ یہ ہیں:

"امادر انچہ روزگار او بساخت، اگرچہ خدمت شیخ قدس اللہ سرہ العزیز نقل فرمودہ بود در حق فرزندان و اہل بیت شیخ چندان توفیق خدمت نیافت یا ندانست یا کسے او را نگفت"[2]

لکھنوتی میں قیام | طغرل کی بغاوت اور سرکشی فرو کرنے کے لیے ۶۸۰ھ میں جب سلطان غیاث الدین لکھنوتی کی مہم پر جانے لگا تو اس نے سامانہ سے بغرا خان کو بھی ساتھ چلنے کا حکم دیا، بغرا خان اپنے خلوت و جلوت کے تمام ہمراہیوں کی معیت میں باپ کے ساتھ روانہ ہوا، مولانا شمس دبیر اور خسرو بھی اس کے جلو میں تھے، فوائد الفواد میں امیر حسن سجزی خود روایت کرتے ہیں کہ اس سفر میں مولانا شمس دبیر کے ہمراہ وہ بھی تھے۔

"در آنکہ سلطان غیاث الدین بہ لکھنوتی رفت مرا ان لشکر بندہ داد (یعنی مولانا شمس دبیر)

---

[1] راحت القلوب ص ۸۰ [2] فوائد الفواد ص ۱۲۰ یہ ملفوظ ۷۱۳ھ کا ہے۔

Marfat.com

ہم عنان شاہ را ہ چہ در کشتی و چہ در خشکی یکے می شدیم"۔ (ص ۱۲۸)

سلطان غیاث الدین طغرل کی بغاوت فرو کر کے لکھنوتی سے دہلی واپس آنے لگا تو بغرا خان کو لکھنوتی کی اقلیم عطا کی، اور اس کے ساتھ چتر، دورباش اور دوسرے لوازم شاہی بھی دیے، اور نصیحتیں بھی کیں، جن کو مولانا شمس الدین ہی نے قلمبند کیا۔ ضیاء الدین برنی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان بلبن کے دو دبیر تھے، عمدۃ الملک خواجہ علا اور ملک قوام الدین۔ موخر الذکر لکھنوتی کی مہم میں ساتھ تھا، اور اسی نے لکھنوتی سے فتحنامہ لکھکر دہلی بھیجا تھا[۱]، مولانا ضیاء الدین برنی اس مہم میں مولانا شمس الدین کا بغرا خان کے دبیر کی حیثیت سے تعارف کراتے ہیں، ان کا بیان ہے کہ سلطان بلبن نے بغرا کو نصیحت کرتے وقت اپنی خلوت میں پہلے تجربہ کار بوڑھے امراء کو بلایا، پھر بغرا خان سے کہا کہ اپنے دبیر شمس کو دوات، قلم اور کاغذ میرے پاس لانے کو کہو، تاکہ میں تمھارے لیے ان سے کچھ نصیحتیں لکھوا دوں، بغرا خان نے شمس دبیر کو سلطان کے سامنے پیش کیا، سلطان نے بغرا خان اور شمس دبیر دونوں کو اپنے سامنے بیٹھنے کو کہا، اس کے بعد سیاست و حکمرانی کے اصول و رموز سے متعلق جو قیمتی نصیحتیں کیں، ان کو مولانا شمس الدین لکھتے رہے، یہ نصیحتیں تاریخ فیروز شاہی کے ۱۲ صفحوں (۱۰۶-۹۵) میں درج ہیں،

شمس دبیر اور خسرو جب سلطان غیاث الدین بلبن لکھنوتی سے رخصت ہوا، تو خسرو بھی اس کے ساتھ ہو گئے، مولانا شمس دبیر کو یہ گوارا نہ تھا کہ خسرو جیسے دوست اور شاعر کی صحبت سے محروم ہو جائیں اور اپنے آقا بغرا خان کی منادمت کے لیے بھی ان کو پسند کرتے تھے، لیکن خسرو کو بنگالہ جیسی جگہ پسند نہ تھی، اور ان کو اپنے عزیزوں کی جدائی بھی شاق تھی، اس لیے مولانا شمس الدین دبیر اور قاضی اثیر کے اصرار کے باوجود سلطان بلبن کے ساتھ دہلی واپس ہو گئے، وہ خود غرۃ الکمال کے دیباچہ

---

[۱] تاریخ فیروز شاہی ص ۹۱،

مین رقمطراز ہیں:

"ملک شمس الدین دبیر و قاضی اثیر خواستند کہ بر لباس ماتم دامن گیری کنند اما فراق عزیزانم گریبان گیر بود ضرورت یوسف وار زان چاہ زندان سوے مصر جامع روان گشتم و در سایۂ علم ظل الٰہی در شہر پیوستم۔"

سلطان بلبن کی وفات کے بعد بغرا خان لکھنوتی مین بنگالہ کا حکمران بن بیٹھا، اور اس کے لڑکے کیقباد نے دہلی کے تخت پر اپنا قبضہ جمایا اور اس طرح باپ بیٹے کی دو متوازی حکومتیں قائم ہوگئیں، لیکن کیقباد بہت جلد اپنے درباریون کے ہاتھ مین کٹھ پتلی بن گیا، اور سلطنت دہلی کی حالت روز بروز خراب ہوتی گئی، بغرا خان نے پہلے تو بیٹے کو نصیحت آمیز خطوط لکھ کر سمجھانے کی کوشش کی لیکن جب اس پر کوئی اثر نہ ہوا تو خود فوج لے کر بہار کی سرحدون تک بڑھ آیا، امرائے دہلی بھی پوری جنگی تیاری کے ساتھ کیقباد کو اودھ لے آئے، اور گھاگرا اور سرو (شاید سرجو مراد ہو) کے درمیان باپ بیٹے کی ملاقات ہوئی، بغرا خان کی معیت مین شمس دبیر بھی تھے، اور باپ بیٹے کی اس ملاقات کے مراحل طے کرانے مین پیش پیش رہے، خسرو نے اس تاریخی ملاقات کو اپنی مشہور و معروف مثنوی قرآن السعدین مین نظم کیا ہے، اس مین مولانا شمس دبیر کا ذکر اس طرح کیا ہے:

جست رسولے کہ گذارد پیام | ہر چہ بگوئید بگوید تمام
گر سخن از صلح بود یا نبرد | کم نکند ہیچ ز نیروے مرد
دید کہ کس نیست ز برنا و پیر | در خور این کار چو شمس دبیر[1]

اس موقع پر خسرو کی بھی ملاقات مولانا شمس دبیر سے ہوئی، اور ایک دوسرے سے بڑے والہانہ انداز سے ملے، امیر خسرو اپنے بچھڑے ہوئے مربی اور سرپرست کو دیکھ کر رونے لگے،

---

[1] قرآن السعدین ص ۱۰۰۔۱۰۱ علی گڈھ اڈیشن

Marfat.com

ایک رقعہ میں رقمطراز ہیں :

"ناگاہ ذات منور شمس الدین دبیر نور اللہ الیٰ یوم الدین چون آفتاب قیامت بر سر این ذرہ آمد طلعت الشمس کشمس الطلوۃ از گرمی آن مہر بر خود بسوختم و خونم از حرارت در دل بیرون جوشید از غایت احتراق طاقت آن نداشتم کہ سوئے او توانم دید معہذا چشم بجائش تیز کردم آب چشم من بگشت۔"

آب در چشم بگردد چو ببینی خورشید خاصہ خورشیدے کش خانہ بود اندر چشم

مولانا شمس کے نام کی رعایت سے آفتاب طلعت الشمس کشمس الطلوۃ مہر خورشید وغیرہ کے الفاظ بار بار لائے ہیں۔ ان کی صحبت میں امیر خسرو تین دن تک رہے، قاضی اثیر بھی مولانا شمس کے ساتھ تھے۔ اس صحبت کا ذکر امیر خسرو مذکورہ بالا رقعہ میں بڑے لطف ولذت سے کرتے ہیں اور جب مولانا شمس رخصت ہونے لگے تو انھوں نے امیر خسرو کو اپنا ایک دیوان عطا کیا، چنانچہ امیر خسرو لکھتے ہیں :

"بعد از سلطان بسیار بندہ را وداع کرد و آیت العود خیر برخواند و دیوان خاص کہ نظمش از نثر و شعرے کہ می گوید ایادگار بکاتب سپرد و خود دبقر دولت خرامید۔"

خسرو ان سے بڑے کرب و بے چینی سے جدا ہوئے، چنانچہ لکھتے ہیں :-

"و ناوید ان آن عزیز را بر نعمہ برخدائے علیم حوالہ کرد۔"

مولانا شمس دبیر اپنے آقا بغرا کے ساتھ ۶۸۶ھ میں لکھنوتی واپس گئے، اور غالباً وہیں

لہ اعجاز خسروی کا رسالہ خامسہ کے ص ۵۷ کے حاشیہ پر یہ درج ہے:

"شمس الدین نام یکے از مریدان حضرت نظام الدین اولیا بود و بساتین الانس از تصنیفات اوست۔"

یہ تو غلط ہو کہ حضرت نظام الدین اولیاء کے مرید تھے لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ بساتین الانس ان ہی کی تصنیف ہے۔

Marfat.com

عالم جاودانی کو سدھارے، روز روشن میں ان کی تاریخ وفات ۷۰۰ھ لکھی ہے (ص ۲۵۴)

امیر خسرو مولانا شمس دبیر کی سخن سنجی و سخن فہمی کے برابر معترف رہے۔ ایک بار دہلی میں کشلو خان کے یہاں شعر و شاعری کی مجلس ہوئی، اس میں شہزادہ بغرا خان کے ساتھ مولانا شمس الدین دبیر اور قاضی اثیر بھی شریک ہوئے، امیر خسرو بھی جو اس وقت محض ایک نوخیز شاعر تھے، اس بزم میں حاضر تھے، لیکن وہ خود لکھتے ہیں کہ ان دونوں کی حیثیت بڑے سیاروں یعنی زہرہ اور مشتری کی تھی، اور وہ محض عطارد (کاتب فلک) کی طرح وہاں موجود تھے۔ پھر ان کی سخن سنجی کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان کی نظم سیاروں (نثرہ اور شعری) سے ہم کلامی کرتی ہے، ملا عبد القادر بدایونی لکھتے ہیں کہ شاعر شمس الدین دبیر کے فضائل و کمالات بیان سے باہر اور تعریف و توصیف سے مستغنی ہیں، انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ امیر خسرو اپنے اشعار کے اچھے ہونے کا معیار ان ہی کی پسندیدگی پر رکھتے تھے، اور اس پر وہ فخر کرتے تھے، مگر تعجب ہے کہ ملا صاحب نے اس سلسلہ میں یہ کیسے لکھ دیا:

در دیباچہ غرۃ الکمال و در آخر ہشت بہشت کلام خود را بہ ذکر محامد و نشر مناقب او زیور تمام بخشیدہ" (ج ا ص ۱۹۴)

غرۃ الکمال کے دیباچہ میں تو شمس دبیر کی مدح ضرور ہے، لیکن ہشت بہشت کے آخر میں شمس دبیر کا نہیں بلکہ مولانا شہاب الدین مہمرہ کا ذکر ہے، جیسا کہ پہلے دکھایا جا چکا ہے۔

حال کے تذکروں میں مولانا شمس کا ذکر روز روشن اور نتائج الافکار میں ہے، روز روشن میں ہے:

"طبعش از اقسام شعر، سوئے قصیدہ بسیار مائل بود۔" (ص ۳۵۲)

نتائج الافکار میں ہے کہ اس بلند پایہ شاعر کا کلام اب کہیں نہیں ملتا،

Marfat.com

"کان شاعراً بلیغاً مجید الشعراء" (ج ۲ ص ۵۵)

شمس دبیر کے کلام کی نایابی | لیکن افسوس ہے کہ اس بلند پایہ شاعر کا کلام اب کہیں نہیں ملتا۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے ان کا جو قصیدہ نقل کیا ہے وہی ان کی کل کائنات ہے جو ہم تک پہنچی ہے، یہ قصیدہ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، مولانا شمس نے اپنے آقا و ولی نعمت ناصر الدین محمود بغرا خان کی شان میں کہا ہے۔ قصیدہ میں ناصر الدین بغرا خان کے نام کے بجائے محمود لکھا گیا ہے، کیونکہ وہ اسی نام سے مشہور تھا قصیدہ ملاحظہ ہو:-

این همه کار دلم از تو بسامانی خام | دادهٔ دوش مرا وعدهٔ مهمانی خام
پخته کردم همه شب چشم ندانستم کان | طمعی بود از آن گونه که می‌دانی خام
پخته دارم دل از اندیشهٔ رویت که جداست | رنگ تو پخته همین نقرهٔ پیشانی خام
سست می‌دارم و هرچند قوی می‌کندم | ریسمانی است ز من تا به پریشانی خام
لیکن از عیش خورم پخته چو مهمان توام | کز ثوابی است قوی دادن قربانی خام
گفتیم هیچ مسلمان نخورد خام ببین | غم تو می‌خوردم این است مسلمانی خام
خام می‌خواهم از سینهٔ خود بشگافم | پخته بنمایم اندک که تو می‌خوانی خام
بس که در حسن تو در فر ملک حیرانم | کار ناپخته من ماند ز حیرانی خام
چو ملک خسرو ثانی است نماند هرگز | کارم از دولت خسرو ملک ثانی خام
ناصر دنیا و دین آنکه به پیش ملکش | شد ز شاهان هوس ملک سلیمانی خام
شاه محمود شه آن سلطان کز فر پدر | دیگر آرزو ولیش نیست سلطانی خام
آفتاب کرمش گر سوی بستان تابد | نام از شاخ برون میوهٔ بستانی خام
چو کند چرخ اگر بار و تارت نکشد | چو کشد بار گران مرکب پالانی خام

Marfat.com

دشمنت لائق آنست کہ در خام کشی | بہ کہ در کالبد خام چہ پیشانی خام
غسل خصم است بجون جائے زرہ پیراہن | در گلوہی کشدش ہر دم زندانی خام
ہمہ کار تو ز ز دبختہ و بد خواہ ترا | کار بر ہرزہ و مصداق پشیانی خام
خصمت آن غول برہنہ است کہ از گل جہان | پوستے دارد و آن نیز چو بستانی خام
خلق را گر نکشی مانُدہ ہر روز د دوقت | دانہ خانہ چو دست آس زبے نانی خام
خصم اگر گردد پر باد چہ باک است ارچہ | گردچون شیر علم حملہ ز کشمانی خام
سحر فرعون چہ آرد چہ فرد خواہد برد | اژدہاے علمی از دم ثعبانی خام
خسرو الشمس دبیرست قوی پختہ سخن | نیست چون وفریان سوختہ دیوانی خام
ہست آویختہ شعرش چو زر پختہ ونیست | غشش چون سخن پختہ خاقانی خام
پختہ گرُ ست فلک بہر تو مملکت یارب | پختہ او بکرم باز مگر دانی خام [1]

اسی قصیدہ کے کچھ اشعار روز روشن اور نزہتہ الخواطر میں بھی نقل کئے گئے ہیں، ان کے علاوہ اور اشعار میری نظر سے کسی اور تذکرہ میں نہیں گذرے، حالانکہ انھوں نے اپنا ایک دیوان مرتب کرکے خسرو کو دیا تھا، ہندوستان کے خزانۂ ادب کا یہ قیمتی سرمایہ شاید زمانہ کے دست برد کی نذر ہو گیا، سیر الاولیا میں ان کا ایک حسب ذیل شعر منقول ہے، جو محبت الٰہی کے سلسلہ میں درج کیا گیا ہے،

آوسربستہ من اشک مرا در دل گفت | خیز بانے تو برون رو کہ گذر یافتہ

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے اشعار اہل دل کی مجلسوں میں بھی پڑھے اور نقل کیے جاتے تھے لیکن رفتہ رفتہ ان پر گمنامی کا پردہ پڑ گیا،

---

[1] منتخب التواریخ ج ۱ ص ۱۹۲ - ۹۴

Marfat.com

پروفیسر محمود شیرانی مرحوم نے (اردو جنوری ۱۹۳۲ء ص ۹۵) ایک مضمون میں لکھا تھا کہ شمس نظام الدین اولیاءؒ کا استاد بھی ہے، انھوں نے مقامات حمیدی (شاید مقامات حریری مراد ہو) اس سے پڑھی، اور علم حدیث حاصل کیا، بلبن شمس کو اپنے فرزند بغرا خان کا مستوفی بتاتا ہے، تاج ریزہ مبارکباد میں کہتا ہے،

شمسا کنون بکام دل دوستان شدی مستوفی ممالک ہندوستان شدی

پروفیسر محمود شیرانی مرحوم کو شمس کے نام سے غلط فہمی ہوئی، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے استاد مولانا شمس الدین خوارزمی تھے، جو شمس دبیر سے الگ ایک علحدہ شخصیت تھی، اسی قسم کی غلط فہمی امیر خسرو کے سوانح نگار جناب محمد سعید احمد مارہروی کو بھی ہوئی ہے، وہ تو یہ بھی لکھتے ہیں کہ امیر خسرو کی استادی کا فخر خواجہ شمس الدین خوارزمی کو بھی اس لحاظ سے حاصل ہے کہ انھوں نے آپ کی مشہور تصنیف پنج گنج کی اصلاح فرمائی ہے، دیوان غرۃ الکمال کے دیباچہ اور پنج گنج کے آخری گنج یعنی مثنوی ہشت بہشت میں حضرت امیر خسرو نے آپ کے علم و فضل کی بہت کچھ تعریف کی ہے، اور ان کی شاگردی کا اعتراف کیا ہے، جناب سعید احمد مارہروی نے وہ قصیدہ بھی نقل کیا ہے، جو ہم شمس دبیر کے نام سے گذشتہ اوراق میں نقل کر چکے ہیں جناب سعید احمد مارہروی نے نہ صرف شمس دبیر اور مولانا شمس الدین بلکہ شہاب مہمرہ کو بھی خلط ملط کر دیا ہے، کیونکہ یہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ ہشت بہشت کی اصلاح مولانا شہاب مہمرہ نے کی، اور امیر خسرو کو ان ہی کی شاگردی کی سعادت حاصل ہوئی۔

قاضی اثیر افسوس ہے کہ مولانا شمس دبیر کے دوست اور اس زمانہ کے بلند پایہ شاعر قاضی اثیر کے حالات یا ان کے اشعار کے نمونے ہم کو کہیں سے نہیں مل سکے، اس لیے ان کے متعلق کچھ لکھنے سے ہم سردست قاصر ہیں۔

امراء بلبنی دربار کا گل سرسبد علاء الدین کشلی خان تھا، جو بلبن کا بھتیجا اور اس کی حکومت

کا باربک تھا، مولانا ضیاء الدین برنی نے لکھا ہے کہ وہ سخاوت میں اپنے وقت کا حاتم طائی تھا۔ بلکہ وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ میں نے معتبر لوگوں خصوصاً امیر خسرو سے یہ سنا ہو عطا و بخشش کے علاوہ چوگان اور شکار کھیلنے میں اس کی طرح کسی ان نے کوئی فرزند پیدا نہیں کیا۔[1] تاریخ فرشتہ میں ہے کہ مصر، شام، روم، بغداد، خراسان، ترکستان اور ماوراء النہر وغیرہ مشہور مقامات سے فضلاء و شعراء اس کی بخشش کا شہرہ سن کر اس کے یہاں آتے، اور انعام و اکرام سے مالا مال ہو کر اپنے وطن واپس جاتے۔ وہ اپنی بخشش اور سخاوت کی وجہ سے ہر شہر اور ہر ملک میں مشہور تھا۔[2] اس کی غیر معمولی فیاضی کا ذکر کرتے ہوئے مولانا ضیاء الدین برنی رقمطراز ہیں کہ ایک بار خواجہ شمس معین نے اس کی شان میں ایک مدح کہی، برنی نے خواجہ شمس معین کا تعارف محض ملک قطب الدین حسن غوری کے ندیم خاص کی حیثیت سے کرایا ہے، جنھوں نے اپنے مربی کے محاسن میں کئی جلدیں لکھیں لیکن فرشتہ نے ان کا نام خواجہ معین الدینؒ کے صاحبزادے کی حیثیت سے کیا ہے، بہرحال انھوں نے اپنی نظم جشن نوروز کے موقع پر شاہی دربار میں بلبن کے سامنے مطربوں کو گانے کے لیے دی، اس تقریب میں دستور یہ تھا کہ دربار کے خان اور ملک سلطان کی خدمت میں پیش کیے جاتے، اور ان میں سے ہر ایک کے کارنامے بیان کیے جاتے اور اسی موقع پر شاہی مطربوں نے کشلی خان کی شان میں مذکورہ مدح پڑھی، جس کا ایک شعر یہ ہے:

شہ علاء الدین ایغ تغلق معظم باربک ۔۔۔ پور کشلی خان معظم خسرو روے زمین

کشلی خان نے یہ مدح سنی تو مجلس ختم ہونے کے بعد خواجہ شمس معین کو اپنی پائگاہ کے تمام گھوڑے انعام میں عطا کیے۔ اور مطربوں کو دس ہزار ٹنکے دیے۔ فرشتہ کا بیان ہے کہ

---

[1] برنی ص ۱۱۳ [2] تاریخ فرشتہ ص ۸۰

Marfat.com

مجلس ختم ہوئی تو کشلی خان نے خواجہ شمس الدین کو اپنے یہاں بلاکر مجلس نوروزی کے تمام پر تکلف اور قیمتی سامان ان کو دیدیئے۔ اس کے علاوہ مطربوں کو دس ہزار تنکے دیے۔ برنی اور فرشتہ دونوں رقمطراز ہیں کہ بارہا ایسا ہوا کہ یہ عالی ہمت امیر نقد، اسباب، سامان سب کچھ انعام واکرام میں لٹا دیتا، یہاں تک کہ اس کے پاس جسم کے کپڑے کے سوا کچھ نہ رہتا[1]۔ ہلاکو خان نے اس کی خوبیاں سن کر اس کو اپنے یہاں آنے کی دعوت دی، اور عراق کا نصف حصہ اسکے حوالہ کر دینے کا وعدہ کیا، لیکن کشلی خان نے اپنی شوکت وحشمت سے اس کے دربار کی رونق بڑھانے کے بجائے دہلی ہی کے دربار کی زینت بن کر رہنا پسند کیا۔

دربار کے امرا میں خسرو سب سے پہلے کشلی خان ہی کے دامن دولت سے وابستہ ہوئے اور دو سال تک اس کے دربار میں رہے، اور جیسا کہ خود لکھتے ہیں، اس کی بوستان مجلس کو اپنی سوسن زبان کی نسیم سے تازہ اور شگفتہ رکھا، اس کی مدح میں بہت سے قصائد لکھے، ایک قصیدہ کا مطلع یہ ہے:

صبا امروز پیغام گل آورد ست سوے من — کہ یادت می دہم وقت شراب و موسم گلشن

یہ قصیدہ خسرو نے اس زمانہ میں کہا جب ان پر خاقانی کا رنگ غالب تھا، چنانچہ یہ قصیدہ خاقانی کے اس قصیدہ کی تقلید میں کہا گیا ہے جس کا مطلع یہ ہے:

ضمان وار سلامت شد دل من — کہ دارِ عزلتش داد ند مسکن

گو اس کی بحر مختلف ہے، خاقانی کا قصیدہ بحر ہزج مسدس میں ہے اور خسرو کا قصیدہ بحر ہزج مثمن سالم میں ہے، پھر بھی ایک ہی قافیہ میں دونوں کے کچھ اشعار بھی ناظرین ملاحظہ فرمائیں

[1] برنی صفحہ ۱۱۴-۱۱۳ فرشتہ ج ۱ ص ۸۰۔

Marfat.com

خاقانی	خسرو
بوحدت رستم از غرق آب وخشت	بجنگ از بیندش رستم بلرزد ہم چو تیغ خود
بہ رستم رستہ گشت از چاہ بیژن	ز سر تا پائے گردد آب افتد در چہ بیژن
دلم آبستن خرسندی آمد	شہنشہ اختیار الدین محمد شاہ کشلی خان
اگر شد ادر گیتی سستم ون	کہ گشت از زادن ہمتائے او عقیم اختر استرون
اگر ناہید در عشرت گہ چرخ	فلک برنا چو در مجلس نشینی شاد در دولت
سراید شعر من در ساز ارغن	شراب ارغوانی در کشی با نغمت ارغن
ازین نو زند عنافل چند اُمّی	منم امروز و صحن باغ و بازی کردنے با گل
وزین نطقند منکر چند الکن	کہ بلبل از چہ گویا گشت و سوسن از چہ شد الکن
مراد کاف و نون طاہا و یاسین	ترا اقبال خواہد داد دولت باز تا دایم
کہ عین رحمت است از فضل ذوالمن	نخواہد از کسے یاری مگر از ایزد ذوالمن

کشلی خان کی شان میں خسرو کا مندرجۂ ذیل قصیدہ بھی خاقانی ہی کے رنگ میں کہا گیا ہے، خاقانی کے ایک قصیدہ کا مطلع ہے

صبح ست کمانکش اختران را
آتش زدہ آب پیکران را

اس کی بحر بدل کو خسرو کہتے ہیں:

مبارک باد در دولت رسیدن شاہ گیہان را
پناہ لشکر اسلام پشت دین یزدان را

شہنشہ اختیار الدین چراغ چشم کشلی خان
کہ روشن کرد عکس جبہتش درگاہ سلطان را

عدو شیطان ست در فعل و دو شاخی یا سیخ تیرش
ہمائے لائے لاحول [illegible] بہر دفع شیطان را

گر از خون عدو بے آب گیرد نوک پیکانش
کند ہم خون شیطان آب بدہد نوک پیکان را

Marfat.com

خراسان گیر شد صیت حسام ہندیت آری | بہندستان کشیدی تیغ و بگرفتی خراسان را
عدو بندا ہمان بندہ است احسانِ ترا خسرو | کہ دایم بود خود بندہ شود کے خسرو احسان را

کشلی خان کی شان میں ایک اور قصیدہ کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں، اس کی تشبیب بہت ہی رنگین اور سامعہ نواز ہے۔

بیا کہ وقت مے لعل دل نواز آمد | نیاز بر ہمہ خوبان کہ وقت ناز آمد
پیالہ بر کف من نہ لبالب از مے لعل | پیالہ کہ چو لعل تو دل نواز آمد
کرشمہ کہ کند نرگس تو مگذارش | کہ آن شگافتہ پردہائے راز آمد
مدار تا بہ چہ چرخ قطب دولت دین | کہ قطب زآمدن او دراہتزاز آمد
سپہر مرتبہ محمود شاہ کشلی خان | کہ بخت بر در او بندہ چون ایاز آمد
نشانہ نظر و سائبان دولت بخت | کہ فتح بر علم نصرتش طراز آمد

کشلی خان کی قیام گاہ پر اکثر بزم مشاعرہ منعقد ہوتی، اس کی ایک بزم کا ذکر امیر خسرو نے غرۃ الکمال کے دیباچہ میں بھی کیا ہے، جس میں شعراء کے علاوہ شہزادے اور دوسرے معززین بھی شریک تھے، امیر خسرو نے شہزادوں میں بغرا خان اور شعراء میں شمس دبیر اور قاضی اثیر کے نام خاص طور پر لیے ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ اس بزم میں شمس دبیر اور قاضی اثیر نے اپنی سخنوری کا سکہ خوب جمایا، وہ خود بھی اپنے کمالات کے اظہار میں ان دونوں سے کم نہیں رہے، اس سخن آرائی سے شہزادے اور ان کے ندما بے حد محظوظ ہوئے، اور سونے اور چاندی کے سکے گلاب کی پنکھڑیوں کی طرح مجلس میں بکھرے ہوئے تھے، بغرا خان کو خسرو کی شیریں کلامی میں کچھ ایسی لذت محسوس ہوئی کہ اس نے ایک لگن (طبق) بھر کر روپئے خسرو کو دیئے، یہ خسرو کی توبڑی قدر دانی تھی، لیکن کشلی خان کی غیرت نے اس کو پسند نہ کیا۔

Marfat.com

بقول مولانا شبلی مرحوم کہ اس کا وابستۂ دولت دوسرے دربار کا احسان اٹھائے۔ اس کے چہرہ سے ملال کے آثار ظاہر ہوئے، خسرو نے اس کے بعد بار بار مختلف موقعوں پہ اس کی تلافی کرنی چاہی، لیکن کشلی خان کے دل سے وہ پھانس نہ نکلی، اس لیے خسرو نے اس کے دربار سے جدا ہو کر بغرا خان کے سایۂ عاطفت میں پناہ لی،

امیر علی سرجاندار اس عہد کا ایک دوسرا فیاض اور علم دوست ملک امیر علی سرجاندار تھا، سرجاندار (بادشاہ کے دستۂ محافظ کا سردار) تو اس کا فوجی عہدہ تھا، اختیار الدین شاید خطاب ہو، باپ کا نام ایبک تھا، اسی لیے بعض جگہ اس کا نام اختیار الدین علی بن ایبک بھی آتا ہے، لوگ اس کے جود و سخا و بخشش و فیاضی کی وجہ سے اس کو حاتم خان، اور "شاہ عہد" بھی کہتے تھے[۱]، وہ جب کسی کے ساتھ کچھ حسن سلوک کرتا تو ہزاروں روپے دے ڈالتا، اس کی کوئی بخشش سو ٹنکے سے کم نہ ہوتی، کسی کو گھوڑے اور خلعت دیتا تو چاندی کے سامان کے بغیر نہ دیتا، فقیروں کو خیرات میں سونے اور چاندی کے ٹنکے تقسیم کرتا، جیتل کا نام زبان پر لانا ننگ سمجھتا، سلطان بلبن کو اس کی فیاضی معلوم ہوتی تو وہ خوش ہو کر کہتا کہ شکر ہے کہ میرا مولازادہ ایسا سخی اور جواد ہے، اور اس کے انعام اور جاگیر میں اضافہ کرتا رہتا، ایک روز بلبن نے اس سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تم سرمستی کی حالت میں اتنی بخشش کرتے ہو، اگر نشہ میں نہ رہ کر ایسی سخاوت کرو تو میں تم کو فیاض اور سخی سمجھوں، اسی روز سے اس نے شراب چھوڑ دی، اور اس کی سخاوت اور بھی زیادہ بڑھ گئی،[۲]

---

[۱] برنی نے لکھا ہے کہ وہ سلطان بلبن کا مولازادہ یعنی غلام کا لڑکا تھا، (ص ۱۱۸) ڈاکٹر وحید مرزا نے معلوم نہیں کس سند پر اس کو سلطان بلبن کا Cousin (ابن عم) بتایا ہے،

[illegible] ؛ [۲] برنی ص ۱۱۹ — ۱۱۸

شہزادہ محمد سلطان کی وفات کے بعد خسرو نے اسی ملک کے یہاں ملازمت کرلی تھی، جو اس زمانہ میں اودھ میں کسی عہدہ پر مامور تھا، ناصرالدین بغرا خان اور کیقباد کی جو ملاقات اودھ میں ہوئی تو اس موقع پر امیر علی کیقباد کے جلو میں تھا، اور اس کے ساتھ خسرو بھی تھے، کیقباد باپ سے مل کر دہلی واپس جانے لگا تو اس نے امیر علی کو اقطاع اودھ کی حکومت عطا کی اور خان جہان کا خطاب دیا، خسرو اپنے اس محسن کے ساتھ اودھ میں دو سال رہے اور اس کے بے پایاں لطف و کرم کا اظہار اس کی شان میں کئی قصیدے لکھ کر کیا ہے، غرۃ الکمال میں اس کی مدح میں دو قصیدے منقول ہیں، ایک قصیدہ کی سرخی میں لکھتے ہیں کہ علی کا عین عید کے عین اور ماہ نو سے مشابہ ہے، اسی مناسبت سے قصیدہ کی پوری تشبیب ہلال ہی پر ہے، کہتے ہیں:

هلال عید جہان را ز نور خویش آراست | شراب چو شفق و جام چون هلال کجاست
مگر شراب شفق خورد شب ز جام هلال | که هر گهر در و بود جمله در صحراست
به نیم دائره مانند هلال در گردش | هزار نقطهٔ نقش ستارگان پیداست
چو هست بر صفت نون عین و لام هلال | تو نعل توسن شاه ار نخوانیش خطاست

گریز کے ساتھ مدح کے دو تین شعر ملاحظہ ہوں۔

نه بلکه شیشهٔ می زان شدست حلقه نمای | که خان ز نیزه به بازی عید حلقه رباست
سماک نیزهٔ ملک اختیار دولت و دین | که هر نیزه او ماه عید حلقه نماست
ستوده حیدر ثانی علی بن ایبک | که همچو شیر خدا روز رزم بی همتاست

آگے چل کر اپنے ممدوح کے جود و کرم کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

به بحر گفتم مانی بدست خان ز کرم | روان به لرزه در آمد که آن محل نه مراست

Marfat.com

کہ سخا ور یاقوت بخشش کف اوست | کہ عطا خس وخاشاک مایہ کف ماست

دیباچہ عزۃ الکمال میں خسرو لکھتے ہیں کہ حاتم خان نے اپنے کف در موج سے ان کو طشت بھر بھر کر اتنے روپیے دیے کہ اگر وہ اس دولت کو محفوظ رکھتے تو ان کے اہل وعیال تمام عمر عزت وخوش حالی سے زندگی بسر کرتے رہتے، اسی جذبۂ احسان شناسی میں انھوں نے اس کی شان میں ایک اور مدح کہی جس کی سرخی میں لکھتے ہیں کہ "احسان وجود بیش از مبالغہ شد"۔ چنانچہ اس مدح کے شروع میں کہتے ہیں،

خجستہ باد خداوندرا ولایت نو | فراز چرخ کشیدن طراز رایت نو

ستودہ خان معظم گزیدہ حاتم خان | کہ شد خطاب نوین زینت ولایت نو

مرملوک جہان اختیار دولت کرد | زمانہ از کرمش ہر زمان روایت نو

علی بن ایبک کز ذوالفقار تیغ کند | ہمہ ضلالت ہندوستان ہدایت نو

آخر میں پھر فرماتے ہیں:

چو زندہ گشت ز نامت حکایت حاتم | بدلیست حاتم طائی بدیں حکایت نو

زبہر جود تو آنند رشتہ در گردن | زکان اگرچہ بود لعل در حمایت نو

خسرو نے حاتم خان کے محل پر بھی ایک نظم لکھی ہے، اس نے ان کو ایک گھوڑا بھی دیا تھا یہ گھوڑا ان کو پسند نہ آیا، اس پر ایک دلچسپ مثنوی لکھ کر اس کی خدمت میں پیش کی، اور اس سے یہ گھوڑا واپس لے کر دوسرے گھوڑے کی فرمائش اس طرح کی،

اے ز تو عالمے در آسایش | کار تو بخشش است وبخشایش

از من خستہ از چہ رنجیدی | کہ نہ بخشودی و بخشیدی

گرچہ دانم کہ از پشیمانی | دادہ خویش باز نستانی

Marfat.com

اسپ دیگر بدہ مرا بستان
لیک زین ظالم برآر دستان

اسپ فرما و آنچہ اسپ خورد
ورنہ زآن پایگاہ جان نبرد

اسپ بے کہ مدہ اگر خواہی
کہ نمیرد چو من زبے کاہی

نکشید آنچہ من کشیدم ازو
بخشد ہر چہ من چشیدم ازو

من خود اینک بیک نفس کردم
خبر آن جہان ہمی شنوم

می روم تا تہی کنم یک راہ
غلہ وان قیامت از جو کاہ

دل بدادم زہر جان دادن
ایستادم زہر افتادن .

نزیم من چنین کہ دارم حال
تو بحال نکو بمان صد سال

باد اسپ مرادت اندر زین
این دعا مستجاب باد امین

خسرو کو اودھ میں رہتے دو سال کی طویل مدت گذر گئی تو ان کو اپنی ماں کی یاد ستانے لگی، بالآخر اپنے محسن سے اجازت لے کر دہلی واپس آئے، حاتم خان نے خسرو کو رخصت کرتے وقت دو طشت اشرفیاں بطور زاد راہ عنایت کیں،[۱]

ملک الامرا فخر الدین بلبنی دربار کا ایک اور علم نواز امیر ملک الامرا فخر الدین تھا، وہ دہلی کا کوتوال بھی تھا، اس کے نیک کاموں میں صدقہ وخیرات کی بڑی شہرت تھی، اس کے یہاں بارہ ہزار وظیفہ خوار کلام پاک پڑھنے کے لیے تھے، جو ہر روز ایک ہزار بار کلام پاک ختم کرتے یہ امیر ہر روز نئے کپڑے پہنتا، اور جو اتارتا وہ محتاجوں کو دیدیتا، اس کا پلنگ اور بستہ بھی بدلا جاتا، اور وہ یتیموں اور مستحق لوگوں کے لیے رکھ دیے جاتے، ہر سال ایک ہزار غریب لڑکیوں کے لیے جہیز کے بھی سامان فراہم کرتا،[۲]

---

[۱] قران السعدین، علی گڑھ اڈیشن ص ۲۲۲ [۲] برنی ص ۱۱۶

شعراء | بلبن اور اس کے شہزادوں کے درباری شعراء کا ذکر جا بجا اتنا آگیا ہے کہ بظاہر ان کے لیے اب ایک علٰحدہ سرخی قائم کرنے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی ہے لیکن ان کے کچھ حالات ایسے بھی ہیں، جن کو اگر یہاں پر بیان نہیں کیا گیا تو بڑی کمی محسوس ہوگی، اس سلسلہ میں اگر بعض واقعات کے تکرار سے ناظرین کو کچھ تکدر پیدا ہو جائے تو ہم ان سے پہلے ہی معذرت کے خواہان ہیں۔

یہاں پر جن شعراء کا ذکر خاص طور پر ہم کرنا چاہتے ہیں، ان میں سب سے نمایاں نام امیر خسرو کا ہے،

خسرو | خسرو اپنے دور کی فارسی شاعری کے پیغمبر تھے۔ اس وقت سے اب تک ان کے متعلق اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ ان کے بارہ میں کوئی نئی بات لکھنا مشکل ہے، لیکن اس کتاب میں ان کا ذکر اتنا آیا ہے کہ ان کی سخن وری اور سخن سنجی کے ساتھ ان کے حالات مختصر طور پر بیان کرنا بھی ضروری ہے،

خاندان | خسرو ترک النسل تھے، ان کا خاندان لاچین کے قبیلۂ ہزارہ سے تعلق رکھتا تھا، لاچین غالباً قبیلہ کے سردار کا نام تھا جس سے یہ قبیلہ موسوم ہوا، یہ قبیلہ کش میں آباد تھا، جو ماوراء النہر میں واقع ہے، یہ کش سے قرشی اور وہاں سے بلخ آیا، خسرو کے آباء و اجداد تیرہویں صدی میں دریائے سندھ کو عبور کر کے ہندوستان داخل ہوئے، اور کچھ عرصہ ہندوستان کے شمال مغربی علاقہ میں رہے، پھر اسکے بعض افراد شمس الدین التمش کے عہد میں دلی آئے، اور اس کے دربار میں ملازم ہوئے، ان ہی میں خسرو کے والد بزرگوار سیف الدین محمود بھی تھے، یہ تو معلوم نہ ہو سکا کہ سیف الدین محمود شمس الدین التمش کے دربار میں کس عہدہ پر مامور تھے، لیکن یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اس کے دربار کے معزز امیر تھے، خسرو نے دیباچہ غرۃ الکمال میں ان کے نام کے ساتھ

"امیر" اور "سیف شمسی" لکھا ہے، برنی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو بارہ ہزار ٹنکے سالانہ وظیفہ ملتا تھا[1]، وہ اپنی بہادری اور نبرد آزمائی کے لیے مشہور تھے، جیسا کہ دیباچہ غرۃ الکمال میں امیر خسرو لکھتے ہیں:

"پدرم سیف شمسی کہ از نور پیشانی تیغ آفتاب بود و نصف شکنی اشتہار یافتہ"

ان کی امارت کے ساتھ ان کی خدا ترسی کی بھی تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ

"ہم از طریق دنیا امیر بود و ہم از جانب عقبیٰ صاحب ولایت با آنکہ امی بود......"

غالباً ان کو مومن پور المعروف بہ پٹیالی[2] میں کوئی جاگیر ملی تھی، اور یہیں وہ سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ ان کی شادی عماد الملک کی لڑکی سے ہوئی جن کا شمار شاہی دربار کے معزز امراء میں ہوتا تھا، اس شادی سے ان کے تین فرزند ہوئے، اعزالدین علی شاہ، ابوالحسن یمین الدین خسرو، اور حسام الدین قتلغ۔

وطن و تعلیم خسرو مومن پور یعنی پٹیالی ہی میں ۶۵۱ھ (مطابق ۱۲۵۳ء) میں پیدا ہوئے[3]، سیر الاولیاء میں ہے کہ خسرو کی پیدائش کے وقت ان کے والد بزرگوار ان کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر اپنے محلہ کے ایک مجذوب اور صاحب نعمت بزرگ کے پاس لے گئے، انھوں نے

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۱۰۰ [2] پٹیالی ضلع ایٹہ یو۔ پی کا ایک چھوٹا سا قصبہ ہے [3] قران السعدین میں خسرو لکھتے ہیں

انچہ بتاریخ ز ہجرت گذشت | بود سنہ شش صد و ہشتاد و ہشت

سال من امروز اگر بر رسی | راست بگویم ہمہ شش بود و سی

یعنی ۶۸۸ھ میں ان کی عمر ۳۶ سال کی تھی، اس لحاظ سے وہ ۶۵۲ھ میں پیدا ہوئے لیکن وسط الحیوۃ میں فرماتے ہیں:

کنوں کز شش صد و ہشتاد چار است تاریخ | مرا ہم سی و سہ آمد بود سی چہار

اس شعر کے مطابق ان کا سنہ ولادت کا ماذ ۶۵۱ھ ہوتا ہے۔

بچہ کو دیکھتے ہی فرمایا۔

"آوردہ کسے را کہ دو قدم از خاقانی پیش خواہد بود" (ص ۳۰۱)

ہوش سنبھالا تو تعلیم کے لیے مکتب میں بٹھائے گئے۔ ان کے والد نے خود تو تعلیم نہیں پائی تھی، کیونکہ ان کے خاندان میں سپہگری کا پیشہ تھا، لیکن انھوں نے اپنے لڑکوں کو شوق سے تعلیم دلانی شروع کی۔ خسرو اپنے دیوان تحفۃ الصغر میں لکھتے ہیں کہ ان کے استاد خواجہ سعد الدین ان کو خوش نویسی سکھانے میں ان کی پیٹھ پر دُرّے لگاتے، لیکن ان کے سر میں زلف پیچاں کا سودا ایسا سمایا ہوا تھا کہ وہ لکھنے پڑھنے کی طرف کم مائل رہے، اور شعر گوئی کی دھن میں جو کچھ موزون ناموزون کہہ سکتے تھے، اسی کی مشق وصلیوں پر کیا کرتے تھے۔ اس کم عمری میں اپنی شعر گوئی کا ایک واقعہ تحفۃ الصغر کے دیباچہ میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک روز میں اپنے استاد خواجہ سعد الدین کے ساتھ خواجہ اصیل نائب کوتوال کے یہاں گیا۔ وہاں ایک صاحب علم اور "دریائے سخن کے شناور" خواجہ عز الدین نظر بند تھے، جب ہم دونوں وہاں پہنچے تو خواجہ موصوف کے ہاتھ میں ایک بیاض تھی، وہ اس کا مطالعہ کر رہے تھے، انھوں نے گفتگو شروع کی، تو ان کے منہ سے موتی جھڑنے لگے، میرے استاد نے ان سے میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ کمسن لڑکا میرا شاگرد ہے۔ شعر و شاعری میں بھی بلند پروازی کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کو کچھ اشعار پڑھنے کے لیے دیجیے دیکھیں کہ کس طرح پڑھتا ہے، انھوں نے بیاض مجھکو دیدی، اور میں نے اس میں سے اشعار پڑھنے شروع کیے، میری خوش الحانی سے سب کی آنکھوں میں آنسو بھر گئے، اور سب متحیر رہے، میرے استاد نے خواجہ موصوف سے پھر کہا کہ شعر پڑھنا تو آسان ہے، لیکن اس کا امتحان لیجیے کہ وہ شعر کہہ بھی سکتا ہے کہ نہیں، انھوں نے چار بے جوڑ چیزوں مو، بیضہ، تیر، خربزہ کے نام لیے کہ ان کو ملا کر شعر کہو، میں نے برجستہ

Marfat.com

یہ اشعار موزون کیے۔

بر موئے کہ در دو زلف آن صنم است — صد بیضۂ عنبرین بر آن موئے ضم است
چون تیر مدان است دلش را زیرا کہ[1] — چو خربزہ دندانش میان شکم است

جب میں نے یہ رباعی پڑھی تو خواجہ عزالدین کو بڑی حیرت ہوئی۔ انھوں نے بہت داد دی اور میرا نام پوچھا۔ میں نے کہا خسرو۔ والد بزرگوار کا نام پوچھا، میں نے اصل نام کے بجائے قبیلہ کا نام بتایا، یعنی لاچین۔ خواجہ صاحب نے ظرافت سے کہا۔ لاچین یعنی چین نہیں۔ پھر کہا، ترک خطا است یعنی ان کو ترک کہنا خطا ہے۔ میں نے اسی کو الٹ کر کہا یہ خطا ترک است یعنی قطعاً وہ ترک ہے۔ دریافت کیا تم دوم خریدۂ ناصری ہو، عرض کی سلطانی شمسی ہوں۔[2] خواجہ صاحب نے کہا کہ تمھاری نسبت سلطانی ہے، اس لیے اپنا تخلص سلطانی رکھو۔[3]

مشق سخن | خسرو نے اس نصیحت پر عمل کیا، تحفۃ الصغر کی اکثر غزلوں میں یہی تخلص ہے۔ اسی کم عمری میں خسرو نے شاعری شروع کی، وہ خود لکھتے ہیں کہ جب میرے دودھ کے دانت بھی نہیں ٹوٹے تھے، تو میں نے شعر گوئی کی ابتدا کی،[4] لیکن جب وہ آٹھ سال کے ہوئے تو والد بزرگوار ایک معرکہ میں شہید ہو گئے، آگے چل کر خسرو نے باپ کی یاد میں ایک مرثیہ کہا جس کا ایک شعر یہ ہے

سیف از سرم گذشت و دل من دو نیم شد — دریائے خون روانہ شد و در یتیم شد

---

[1] مولانا شبلی نے شعر العجم (ج ۲ ص ۱۰۵) میں یہ شعر اس طرح لکھا ہے۔

چون تیر بداں راست دلش را زیرا کہ — چون خربوزہ دندانش درون شکم است

[2] سلطانی اشرفی کو کہتے ہیں، دام کی رعایت سے یہ لفظ لائے تھے [3] یہ روایت تحفۃ الصغر کا محض خلاصہ ہے [4] دیباچہ غرۃ الکمال میں ہے: در آن صغر سن کہ دندان می افتاد سخن می گفتم و گوہر از دہانم فرو می ریخت۔

بظاہر خسرو پر بڑی مصیبت آگئی، لیکن اس میں بھی مصلحت خداوندی پوشیدہ تھی، والد کی شہادت کے بعد اپنے نانا عماد الملک کی نگرانی اور سرپرستی میں آگئے، اور یہ سرپرستی ان کے لیے بڑی نعمت ثابت ہوئی۔ اس کا اعتراف وہ خود بھی کرتے ہیں:

"جد من بر سر من بود، آں جد نبود، بلکہ دولتے بود، وصاف دولتے .... (دیباچہ غرۃ الکمال)[1]

عماد الملک کی سرپرستی

عماد الملک بڑے طنطنہ کے امرا میں سے تھے، شمس الدین التمش کے عہد سے بلبنی عہد تک عارض ممالک کے عہدہ پر فائز رہے، دبدبہ وحشمت کا یہ حال تھا کہ دو سو ترک غلام، دو ہزار ہندو، اور دو ہزار سوار برابر ان کی خدمت کے لیے تیار رہتے تھے،[2] اپنے دفتر کے کام کرنے والوں کو اپنے پاس بلاتے، مہمان رکھتے، خلعت دیتے، اور ان کو بیس ہزار ٹنکے اپنی تنخواہ میں سے دیدیتے، دسترخوان بچھتا تو انواع واقسام کے کھانوں کے پچاس ساٹھ خوان آتے، امرا وملوک کے علاوہ جو بھی موجود ہوتا، کھانے میں شریک ہوتا، اگر کھانا بچ جاتا تو غربا میں تقسیم کر دیا جاتا، کوئی دسترخوان پر شریک ہونے سے معذور رہتا تو اس کے گھر کھانا بھیجا جاتا، عماد الملک خاص قسم کا پان کھایا کرتے تھے، جو اپنی لذت اور لطافت کے لیے بہت پسند کیا جاتا، ان کی مجلس میں پچاس ساٹھ غلام یہی پان برابر تقسیم کرتے رہتے تھے، ان کے دربار کے تمام آداب بڑے بڑے خوانین وملوک ہی کی مجلسوں کی طرح تھے، مولانا ضیاء الدین برنی نے لکھا ہے کہ نیک کاموں میں انھوں نے اتنے گاؤں وقف کیے تھے، کہ ان کے زمانے یعنی فیروز شاہی عہد تک لوگ ان کے اوقاف سے گذر اوقات کرتے ہیں، اور عماد الملک کے ایصال ثواب کے لیے کلام پاک پڑھتے رہتے ہیں،[3] عہد بلبنی میں عماد الملک کا شمار سلطنت کے چار ستونوں میں ہوتا تھا،

---

[1] دیباچہ غرۃ الکمال [2] تاریخ فیروز شاہی برنی ص ۱۱۲ - ۱۱۵

تحصیل علم | اسی امارت و ثروت بھرے ماحول مین خسرو نے پرورش پائی، عماد الملک کی مجلس مین علماء، شعراء، اور ارباب نشاط سب ہی شریک ہوتے تھے ظاہر ہے کہ خسرو کو اپنے نانا کی مجلسون مین علم و ادب اور موسیقی کے ذوق کے نشو و نما مین کس قدر مدد ملی ہوگی۔ ان کے درسی علوم و فنون کی تحصیل کی تو تفصیل معلوم نہ ہو سکی، لیکن تحفۃ الصغر کے دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بارہ سال کی عمر مین ان مین اتنی غیر معمولی قابلیت پیدا ہوگئی تھی کہ فارسی شاعری کے اساتذہ مثلاً انوری اور سنائی وغیرہ کے کلام کا مطالعہ کر سکتے تھے۔ اور پھر اسی صغر سنی مین ان اساتذۂ فن کے تتبع مین اشعار کہنے بھی شروع کر دیے تھے، اپنی ابتدائی زندگی مین تو انھون نے غالباً مختلف علوم و فنون پڑھنے کی کوشش نہین کی لیکن آگے چل کر ان مین جو علمی استعداد پیدا ہوئی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مختلف زبانون کے جاننے کے علاوہ مذہب، فقہ، نجوم، ہیئت، صرف و نحو پر غیر معمولی درک رکھتے تھے،

مختلف زبانوں سے واقفیت کا اظہار وہ خود اپنی مثنوی نہ سپہر کے ان اشعار میں کرتے ہیں

من بزبا نہاے کسان بیشترے | کردہ ام از طبع تنا سا گذرے
دانم و دریافتہ و گفتہ ہمم | جستہ در روشن شدہ زان بیش و کمم[1]

ان زبانون مین ترکی و فارسی تو گویا ان کی فطری مادری زبانین تھی، دیباچۂ غرۃ الکمال میں ہندی کے متعلق کہتے ہین

ترک ہندوستانیم من ہندوی گویم جواب | شکر مصری ندارم کز عرب گویم سخن

پھر اسی دیباچہ مین ایک جگہ یہ بھی فرماتے ہین کہ وہ میٹھی ہندی بول سکتے ہیں۔

چو من طوطی ہندم راست پرسی | زمن ہندوی پرس تا نغز گویم

لے نہ سپہر، مرتبہ ڈاکٹر وحید مرزا مطبوعہ کلکتہ ص ۱۷۲،

پھر عزۃ الکمال کے دیباچہ مین لکھتے ہین کہ انھون نے ہندی مین نظمین لکھ کر دوستون

مین تقسیم کیں،

"جزوی چند نظم ہندی نیز نثر دوستاں کردہ شدہ است، این جا ہم بذکرے

پسندہ کردم"۔

خسرو کے نام سے بہت سے ہندی گیت، دوہے، ٹھمے، مخمس، چوپائیان مشہور ہیں،

ایک ہندی تصنیف خالق باری بھی ان ہی کی بتائی جاتی ہے، آیا یہ سب واقعی ان ہی کی ہین یا ان کے

نام سے منسوب ہو گئی ہین۔ اس پر بحث ابتک جاری ہے، ہم ان مباحث سے گریز کرتے

ہین لیکن یہ حقیقت ہے کہ خسرو ہندی کے بھی بہت بڑے شاعر تھے۔

مذکورۂ بالا شعر کے اس مصرع

شکر مصری ندارم کز عرب گویم سخن

سے یہ گمان ہوتا ہے کہ خسرو عربی نہیں جانتے تھے لیکن مولانا شبلی رقمطراز ہین کہ امیر کے کلام سے معلوم

ہوتا ہے کہ عربی کی تحصیل تمام تھی، اعجاز خسروی مین ان کے بعض خطوط عربی مین بھی ہین[1]، عزۃ الکمال

کے دیباچہ مین انھون نے اپنے عربی اشعار کے کچھ نمونے بھی دیے ہین، شاید اسی قسم کے نمونون کو

دیکھ کر مولانا شبلی نے لکھا ہے کہ وہ عربی مین ادبائے عرب کے ہمسر ہین، عزۃ الکمال کے دیباچہ

مین فارسی اور عربی شاعری کا جو موازنہ کیا ہے۔ اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ عربی ادب پر

ان کی نظر گہری تھی،

اس سلسلہ مین انھون نے فارسی، عربی، ترکی اور ہندی زبانون کے مختلف پہلوؤن

پر جو بحث کی ہے اس کو پڑھ کر یہ کہنے مین تامل نہین کہ وہ فن زباندانی کے حقائق و دقائق سے

---

[1] اعجاز خسروی نولکشور پریس۔ و سالار ثانیہ ص ۱۶۳، ۱۶۸

اچھی طرح واقف تھے، اور صرف و نحو پر پوری دسترس رکھتے تھے، کچھ دنوں عربی زبان کی طرح فارسی زبان کی صرف و نحو مرتب کرنے کی فکر میں رہے لیکن پھر فارسی زبان کی عام مقبولیت اور شہرت کا خیال کرتے ہوئے اس کام کو سعی لا حاصل سمجھا، مثنوی نہ سپہر میں رقمطراز ہیں

از عربی کردہ ہمہ کس شرفے — واہل عرب راز شرف در طرفے
لیک بہ شیرین سخن پارسیان — ضابطۂ نہاد کسے از اہل بیان
من بتوانم چو ز دل خواست کنم — کز پئے این ہمہ روشے راست کنم
لیک چو محتاج نہ اند اہل زبان — وانیست کشادے ز پئے بستہ زبان
چون بدر بستہ نہ بیسنم لب کس — بیہدہ دود حیلہ چہ مانم بہوس

اسی مثنوی نہ سپہر میں فلکیات سے متعلق جا بجا ایسی باتیں لکھی ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ نجوم و ہیئت میں بھی بڑا درخور تھا، لیکن انھوں نے یہ تمام علوم و فنون کسی استاد سے حاصل کرنے کے بجائے اپنی غیر معمولی ذہانت اور طباعی سے خود ہی حاصل کئے تھے،

اساتذۂ فن کی تقلید سولہ سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے خسرو نے سخن سنجی میں اچھی خاصی مہارت پیدا کر لی، اور اس زمانہ میں بھی ان کے اشعار کچھ ایسے مقبول ہوئے کہ گویے مجلسوں میں گانے لگے جن کو سن کر بڑے بوڑھے وجد کرتے تھے۔ ذہن رسا نے اس کمسنی میں بھی کسی شاعر کے آگے زانوے تلمذ تہ کرنے پر آمادہ نہیں کیا، بلکہ فطری ذوق ہی کو اپنا استاد تسلیم کرتے رہے، اساتذۂ فن کے کلام پڑھتے اور ان ہی کے رنگ میں کہنے کی کوشش کرتے، شروع میں انوری سے متاثر تھے، تحفۃ الصغر میں ان کے ایک قصیدہ کا مطلع یہ ہے،

باز بلبل در غزل خوانی شدہ ست — عاشقِ سرو گلستانی شدہ ست

لہ نہ سپہر ص ۱۴۲-۱۴۳

اسی مین انوری کو خراج تحسین ادا کرتے ہوئے کہتے ہین :

خہ کہ در عہد تو سلطان سخن　　　خسرو لاچین سلطانی شدہ ست

تا کشند گردون بہ چشم انوری　　　خاک من کحل سپاہانی شدہ ست

اسی زمانہ مین خاقانی کے رنگ کی بھی تقلید شروع کی ۔ مثلاً خاقانی کا ایک مشہور نعتیہ قصیدہ ہے ، جس کا مطلع یہ ہے :

ہر صبح سر ز گلشن سودا بر آورم　　　وز صور آہ بر فلک اودا بر آورم

اسی کی تقلید مین خسرو نے غیاث الدین بلبن کی شان مین ایک قصیدہ کہا ، جسکا مطلع یہ ہے ۔

صبح از کمین چو رخ بہ تماشا بر آورد　　　چرخ آتشین حجاب بر اعضا بر آورد

اسی قصیدہ مین آگے چل کر کہتے ہیں :

خاقانی ار ز خاک بر آید بہ صد زبان　　　انصاف این قصیدہ غرا بر آورد

اسی طرح خاقانی کے ایک قصیدہ کا مطلع یہ ہے ،

کرد خزان تاختن بر صف خیل بہار　　　باد وزان بر رزان گشت بدل کینہ دار

خاقانی نے اس قصیدہ مین تقریباً ۵۴ اشعار کہے ہین ۔ خسرو نے بھی اسی قافیہ مین دو مسلسل قصیدے کہے ہیں ، جن مین تقریباً ۸۰ ابیات ہین ، ان کے قصیدہ کا مطلع یہ ہے '

قلب خزان را شکست تاختن نو بہار　　　قالب آفاق کرد جوشن سبز آشکار

خسرو نے خاقانی کے حسب ذیل قصیدہ

ما فتنہ بر توایم و تو فتنہ بر آئینہ　　　ما را نگاہ در تو ترا اندر آئینہ

کے جواب مین ایک قصیدہ کہا جس کا مطلع یہ ہے :

اے ماہ بستہ روئے تو مہر اندر آئینہ　　　مویت ز شانہ ریختہ عنبر بر آئینہ

Marfat.com

لیکن خسرو نے اپنے دیوان تحفۃ الصغر کے دیباچہ میں اعتراف کیا ہے کہ وہ اس عمر میں خاقانی کے تتبع مین ناکامیاب رہے، لکھتے ہین کہ اگرچہ خاقانی کے مغلق اشعار حل کر لیتا تھا لیکن کم عمری کے سبب ان کے کلام کے دقائق واضح نہ ہوتے تھے۔ میری ہمت بلند تھی پھر بھی ان کا کلام اتنا بلند تھا کہ میرے فہم کی رسائی وہان تک نہیں ہوتی تھی، ان کے اصلی الفاظ ملاحظہ ہون ؛

"چند گاہے فتراک دولت خاقانی را بدوال گیری دست آویزی نمودم وانچہ تعلق بلفظ داشت تعلیق کردم اگرچہ ابیات مغلق ورمی یافتم اا ور آمد وبیرون شد ارکان آن مبانی وابواب آن معانی جا بجا ہنگام برست کشادہ نمی شد کہ کلید دہان ۔ ازین سبب صغرسنی ہنوز دندانہا خورد بود وبرہ ول نفوذی نیافت وبریسنت آب وگل قصوری داشت اگرچہ از ہمت عالی با آسمان سخن می گفتم سخنم بر زمین انی افتاد واما علو سخن استاد بالاتر از ان بود کہ دست ہمت من بدان پایہ رسد"

ترتیب دیوان تحفۃ الصغر لیکن اس ناکامیابی کے اعتراف کے باوجود خسرو خاقانی اور دوسرے اساتذہ کی تقلید مین قصائد لکھ کر اور جدت پسندی اور ذہن رسا سے کام لے کر اپنی صغرسنی مین اپنے شاندار مستقبل کا پتہ خود ہی دے رہے تھے، اور جب ابھی ۲۰ سال ہی کے تھے، تو اپنا ایک دیوان تحفۃ الصغر کے نام سے مرتب کر لیا جس مین تقریباً ۳۵ قصیدے، پانچ ترکیب بند، کچھ متفرقات اور ایک مثنوی ہے۔ قصیدے غیاث الدین بلبن، شہزادہ سلطان محمد، اور ملبنی دربار کے امراء امیر علی حاتم خان، اختیار الدین کشلی خان، شمس الدین قوام الملک اور عزالدین وغیرہ کی شان مین ہین، ایک ترکیب بند مین اپنے نانا عماد الملک کی وفات پر مرثیہ کہا ہے، مثنوی مین قلعہ پٹیالی کے بدتہذیب اور وحشی افغانون کی ہجو ہے۔

Marfat.com

خسرو اور سلطان المشائخ | تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ خسرو کے کلام میں روز بروز لطافت، حلاوت اور شوکت ان کے مرشد حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی دعا اور کرامت کی بدولت پیدا ہوتی گئی، ان کا پورا گھر حضرت سلطان المشائخؒ کے حلقۂ ارادت میں داخل تھا، ان کے نانا اور والد بزرگوار دونوں ان کے مرید تھے[1]، ظاہر ہے کہ خسرو کو بچپن ہی سے ان کے فیوض و برکات حاصل کرنے کا موقع ملا، وہ خود بھی اپنی شاعری کے سارے کمالات کو محض اپنے مرشد کے لعاب دہن کی برکت سمجھتے تھے، اپنے مرشد کی شان میں ایک قصیدہ کہتے ہوئے رقمطراز ہیں،

خوش اندم کہ من ز اعتقاد ضمیر | گرفتم بکی دست آن دست گیر
بہ نہ بحر از آن جانبم راہ شد | چو کشتی مرا دست آن شاہ شد
من از وے لعاب دہان یافتم | کہ زین گونہ آب دہان یافتم[2]

سیر الاولیا میں ہے کہ خسرو کے نانا کے دولتکدہ کے پاس ہی سلطان المشائخ کی قیام گاہ تھی، خسرو نے اسی زمانہ میں شعر کہنا شروع کیا تھا، وہ جو بھی نظم کہتے سلطان المشائخ کی خدمت میں پیش کرتے، ایک روز سلطان المشائخ نے ان سے کہا کہ اصفہان کے شعراء کے طرز میں کہا کرو یعنی کلام عشق انگیز ہو، خسرو نے اسی پر عمل کرنا شروع کیا، اور اس کو انتہائے کمال تک پہنچا دیا، ایک بار انھوں نے سلطان المشائخ کی مدح کہی، اور جب اس کو آکر سنایا تو سلطان المشائخ نے پوچھا کیا صلہ چاہتے ہو، خسرو نے جواب دیا، کلام میں شیرینی، اس وقت چارپائی کے نیچے طشت میں شکر رکھی تھی، سلطان المشائخ نے حکم دیا کہ لاؤ، اور اپنے سر کے اوپر چھڑک لو،

[1] سیر العارفین کے مولف کا بیان ہے کہ عماد الملک بڑے اولیا کرام میں سے تھے، (اردو ترجمہ ص

[2] مثنوی نہ سپہر، مرتبہ ڈاکٹر وحید مرزا ص ۲۷

دو دیکھ کہا بھی لو۔ اسی کے بعد ان کے کلام میں بڑی شیرینی پیدا ہو گئی۔ امیر خسرو آخر عمر میں بچھتایا کرتے کہ کوئی اور بہتر صلہ مانگتے تو وہی ملتا۔ امیر خسرو جب کوئی کتاب لکھتے تو پہلے سلطان المشائخ کی خدمت میں پیش کرتے۔ وہ اس کو ہاتھ میں لے کر اس پر فاتحہ (یعنی فاتحۃ الکتاب) پڑھتے۔

امیر خسرو میں کمال اسی وجہ سے پیدا ہوتا گیا، سلطان المشائخ کو یہ بھی خیال رہا کہ کہیں امیر خسرو شعر و شاعری میں پڑ کر اسی میں الجھے نہ رہیں، اس لیے ان کو بہتر کام میں بھی لگایا، اور ان کی ہدایت کے مطابق تہجد کے وقت کلام پاک کے سات پارے پڑھا کرتے تھے، ایک روز سلطان المشائخ نے ان سے پوچھا ترک! تمہارا کیا حال ہے، امیر خسرو نے جواب دیا، اب رات کے آخر حصہ میں گریہ طاری رہتا ہے۔ سلطان المشائخ نے فرمایا

"الحمد للہ اندکے ظاہر شدن گرفت"[1]

سلطان المشائخ کو خسرو سے ایسا لگاؤ پیدا ہو گیا تھا کہ ان کے خلوت میں جانے کی جب کسی کی بھی ہمت نہ ہوتی، تو اس وقت خسرو ہی ان کے پاس بھیجے جاتے، کیونکہ وہ غایت شفقت میں فرمایا کرتے کہ میں سب سے تنگ ہو جاتا ہوں حتی کہ اپنے سر سے بھی تنگ آجاتا ہوں لیکن خسرو سے کبھی تنگ نہیں آتا۔[2]

سلطان المشائخ کی صحبت میں رہتے رہتے امیر خسرو نے جس عشق مجازی کا راگ اپنی شاعری میں الاپنا شروع کیا تھا، وہ عشق الٰہی سے بدل گیا، رفتہ رفتہ ان میں عشق الٰہی کی ایسی سوزش پیدا ہو گئی کہ سلطان المشائخ فرمایا کرتے کہ قیامت کے روز مجھ سے پوچھا جائے گا کہ کیا لائے تو میں کہوں گا کہ یہ ترک اللہ کا سوز سینہ[3]، وہ ان کو محبت میں ترک بچہ کہا کرتے تھے، آخر میں ترک اللہ

---

[1] سیر الاولیاء ص ۳۰۲ [2] سیر الاولیاء ص ۳۰۲۔

[3] سفینۃ الاولیاء ص ۱۶۰

Marfat.com

کہنے لگے تھے۔[1] از راہ لطف و کرم یہ بھی فرماتے کہ بہشت میں امیر خسرو کے بغیر نہ داخل ہوں گا۔[2]

سلطان المشائخ نے اپنے مرید کی شاعری کی بھی بڑی قدر کی۔ سیر الاولیاء میں ہے کہ ایک[3] بار امیر خسرو ان کے سامنے اپنی ایک غزل گانے لگے، جب اس شعر پر پہنچے

رخ جملہ وانمود و مرا گفت تو ببین ۔۔۔ زین ذوق مست و بے خبرم کین سخن چہ بود

تو سلطان المشائخ نے نگاہ محبت سے امیر خسرو کو دیکھا اور بے خود ہو گئے۔ اسی تذکرہ میں یہ روایت بھی ہے کہ ایک روز امیر خسرو کے صاحبزادے امیر حاجی نے ان کی ایک غزل حضرت سلطان المشائخ کے سامنے شروع کی اور جب یہ شعر سنایا،

خسرو تو کیستی کہ درآئی درین شمار ۔۔۔ کین عشق تیغ بر سر مردان دین زدہ است

تو سلطان المشائخ پر وجد طاری ہو گیا، اور جب امیر حاجی نے اس کو بار بار دہرایا تو سلطان المشائخ نے اسی وجد و کیف میں اپنی ایک دستار امیر حاجی اور ایک امیر خسرو کو دیدی۔[4]

سلطان المشائخ نے اپنے محبوب مرید کی شاعری پر یہ اشعار کہہ کر اپنی شفقت کا اظہار کیا ہے:

خسرو کہ بہ نظم و نثر مثلش کم خاست ۔۔۔ ملکیت ملک سخن آن خسرو ماست

آن خسرو ماست ناصر خسرو نیست ۔۔۔ زیرا کہ خدائے ناصر خسرو ماست[5]

امیر خسرو کو بھی اپنے مرشد سے کچھ ایسا والہانہ لگاؤ پیدا ہو گیا تھا کہ ان کی فریفتگی اور شیفتگی کے قصے آج تک مجلسوں میں دہرائے جاتے ہیں۔ ان کو ہر قسم کا دنیاوی اعزاز حاصل ہوا لیکن اس کے باوجود بھی مرشد کی خدمت ہی کو سعادت عظمیٰ سمجھتے تھے، کبھی خلوت میں ان کے

---

[1] حضرت شیخ المشائخ کی شان میں ایک قصیدہ کہتے ہیں۔

برزبانت چو خطاب بندۂ ترک اللہ رفت ۔۔۔ دست ترک اللہ گیر و ہم بہ اللہش سپار

[2] سیر الاولیاء ص ۳۰۲ [3] ایضاً ص ۵۱۶-۵۱۵ [4] ایضاً ص ۳۰۸

ادنیٰ خادم بن کر رہتے، کبھی جلوت میں خوش الحان قوال کے لباس میں ان کو اپنی غزلیں سناتے اور جو شعر ان کو پسند آجاتا اس کو بے خود ہو کر بار بار گاتے۔

خسرو کی جامعیت

قدرت نے خسرو کی آواز میں بھی بڑا درد اور سوز عطا کیا تھا، جس وقت وہ خوش گلوئی کے ساتھ اپنا کلام سناتے تو اس میں عجیب کیفیت اور تاثیر پیدا ہو جاتی، آگے چل کر وہ موسیقی کے بھی اساتذۂ فن میں شمار کیے جانے لگے، اور انھوں نے بہت سے نئے راگ بھی ایجاد کیے جیسا کہ آئندہ ذکر آئے گا۔ بذلہ سنجی اور حاضر جوابی میں بھی وہ اپنی مثال آپ تھے، غرضیکہ یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ ان کے ذہن، ان کے دل اور ان کی آواز میں کونسی چیز قابلِ ترجیح تھی، مولانا شبلی نے بجا طور پر کہا ہے کہ ہندستان میں چھ سو برس سے آج تک اس درجہ کا جامع کمالات نہیں پیدا ہوا اور سچ پوچھو تو اس قدر مختلف اور گوناگون اوصاف کے جامع ایران و روم کی خاک نے بھی ہزاروں برس کی مدت میں دو ہی چار پیدا کیے ہوں گے۔[1]

خسرو اور علاء الدین کشلی خان

خسرو کی عمر ۲۰ سال کی ہوئی تو ان کے نانا عماد الملک کا انتقال ہو گیا، نانا کی وفات کے بعد فکرِ معاش ہوئی۔ وہ سلطان غیاث الدین بلبن، اس کے شہزادوں اور امراء کے دربار میں اپنے قصیدوں کی وجہ سے متعارف ہو چکے تھے۔ پہلے کہا جا چکا ہے کہ سلطان بلبن کو شعر و شاعری سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، پھر خسرو ابھی بہت ہی کمسن شاعر تھے، اس لیے بلبن ان کی طرف خاص طور پر مائل نہیں ہوا، گو خود انھوں نے اس کی شان میں بہت سے قصائد کہے ہیں، لیکن شہزادوں اور امراء کی نظریں خسرو کی طرف اٹھی ہوئی تھیں، ایک دل آویز شخصیت کے لیے جتنے اوصاف ضروری ہو سکتے ہیں وہ سب خسرو میں موجود تھے، دینداری، سخن آرائی، بذلہ سنجی اور خوش الحانی، ان ہی چیزوں کو شہزادے اور امراء اپنے ندیم خاص کے لیے پسند کرتے تھے، خسرو

[1] شعر العجم جلد ۲ ص ۱۳۲

ہیں یہ ساری چیزیں موجود تھیں۔ ان کو کسی شہزادہ یا امیر کے دربار میں رسائی حاصل کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ پھر امرا کا یہ عجیب وغریب دور تھا۔ مولانا ضیاء الدین برنی کا بیان ہے کہ شمسی، ناصری اور بڑی حد تک بلبنی دور میں بھی خوانین وملوک میں رشک وحسد اس پر ہوتا تھا کہ کون زیادہ فیاضی کرتا ہے۔ اگر کوئی خان یا ملک یہ سن لیتا کہ فلاں خان یا ملک کے دسترخوان پر پانچ سو آدمی کھاتے ہیں تو اس کو غیرت آجاتی، اور وہ یہ کوشش کرتا کہ اس کے دسترخوان پر ایک ہزار آدمی شریک رہیں، اگر ان میں سے کسی کو یہ خبر ملتی کہ فلاں ملک نے اپنی سواری کے موقع پر دو سو ٹنکے صدقے کیے ہیں، تو وہ چار سو ٹنکے صدقے میں دیتا، اسی طرح اگر ایک کو معلوم ہوتا کہ کسی نے پچاس گھوڑے اور دو سو آدمیوں کو کپڑے دیے ہیں تو وہ غایت رشک میں سو گھوڑے اور پانچ سو آدمیوں کو کپڑے عطا کرتا،[1] غرضیکہ ان امرا کے جود وسخا کی کوئی انتہا نہ تھی، ایسے ماحول میں تمام امرا خسرو کو اپنے دربار کی زینت وآرایش بنانے کے لیے چشم براہ تھے لیکن خود انھوں نے سلطان بلبن کے بھتیجے اور اس کے دربار کے باربک علاء الدین کشلی خان (عرف ملک چھجو) کے دامن دولت سے وابستہ ہونا پسند کیا، اور دو سال تک اپنی سخن سنجی اور نغمہ سرائی سے اس کو محظوظ کرتے رہے،

خسرو اور بغرا خان پہلے کہا جا چکا ہے کہ ایک روز کشلی خان کے یہاں شعراء کا اجتماع ہوا جس میں شہزادہ بغرا خان بھی شریک ہوا۔ اس مجلس میں خسرو نے بھی اپنا کلام سنایا، شہزادہ بغرا خان کو ان کا کلام کچھ ایسا پسند آیا کہ اس نے ایک طشت بھر کر خسرو کو روپے انعام دیے، یہ بات کشلی خان کو ناگوار ہوئی کہ اس کا وابستۂ دولت دوسرے کا ممنون ہو، یہ ناگواری اس حد تک بڑھ گئی کہ خسرو اس کے دربار سے علحدہ ہو گئے، اور بغرا خان کے یہاں سامانہ چلے گئے۔ اس کا ذکر بھی آچکا ہے کہ بغرا خان نے

[1] برنی ۲ - ۱۱۰

اس کو ندیم خاص بنا کر ان کی بڑی عزت کی، احسان شناسی میں انھوں نے اس کی شان میں بھی اچھے اچھے قصیدے کہے ہیں، ۶۷۸ھ میں بغرا خان باپ کے ساتھ لکھنوتی گیا تو اس کی معیت میں وہ بھی تھے، لکھنوتی پہنچے تو یہ جگہ ان کو پسند نہ آئی، بغرا خان نے اپنے خاص درباریوں کے ذریعہ انکو روکنا چاہا، لیکن انھوں نے وہاں رکنا پسند نہ کیا، اور بلبن کے ساتھ دہلی واپس چلے آئے۔

خسرو اور شہزادہ محمد سلطان لکھنوتی کی مہم میں بلبن کو جو فتح و کامرانی حاصل ہوئی اس کا جشن دہلی میں دھوم دھام سے منایا گیا، اس موقع پر باپ کی خدمت میں مبارک باد پیش کرنے کے لیے شہزادہ محمد سلطان قیمتی تحائف لے کر ملتان سے دہلی آیا، یہ علم نواز اور ہنرپرور شہزادہ خسرو کا کلام پہلے ہی سن چکا تھا، دہلی کے قیام کے دوران میں اس نے ان کو اپنے یہاں بلا کر اور ان کا کلام سننے کا اشتیاق ظاہر کیا، ان کے پاس جو کچھ اس وقت نیا کلام موجود تھا، انھوں نے جا کر سنایا، شہزادہ سن کر بے حد محظوظ ہوا، خلعت اور انعام و اکرام عطا کیا[1]، اور اپنا ندیم خاص بنا لیا، اور جب ملتان جانے لگا تو ان کو ساتھ لیتا گیا، حسن دہلوی بھی شہزادہ کے ساتھ گئے، فرشتہ کا بیان ہے کہ خسرو شہزادہ کے مصحف دار اور حسن دوات دار مقرر ہوئے[2] پانچ سال تک ان دونوں جلیل القدر شاعروں نے شہزادہ کی بزم کو اپنی سخن آرائی ... سے بہشت بنائے رکھا، خسرو خود ہی عزۃ الکمال کے ... میں کہتے ہیں:

"پنج سال دیگر پنج آب ... در لطائف فانی آب دادم"[3]

شہزادہ محمد سلطان بھی خسرو کو ہر طرح کی عنایات سے نوازتا تھا، لیکن خسرو کو دہلی کی یاد برابر ستاتی رہی، دہلی ان کے خیال میں ایک جنت تھی، اس کو قبلۂ اسلام کے نام سے یاد کرتے تھے، اس کی سربفلک عمارتوں، محل سراؤں، اس کے تالابوں، مرغزاروں، اور باغوں کی خوشبوؤں کو

[1] دیباچہ عزۃ الکمال [2] فرشتہ ج ۱ ص ۱۰۲ [3] اس عبارت میں تجنیس لفظی بھی ملاحظہ ہو۔

Marfat.com

یاد کرکے ملتان میں بے چین ہو جاتے تھے، وہ سال میں شہزادہ کے ساتھ ایک بار دہلی آتے، ڈاکٹر وحید مرزا کا خیال ہے کہ اسی [illegible] میں ان کی شادی بھی ہو گئی تھی[1]، اور جب وہ اپنی والدہ اور بیوی سے رخصت ہوتے تو ان کو انتہائی شاق ہوتا، لیکن ان کی زندگی کا یہ دور مسرتوں سے معمور رہا، اب وہ ایک نومشق شاعر نہیں رہے تھے، بلکہ ان کی شہرت ہندوستان سے باہر ایران تک پہنچ گئی تھی، اور جیسا کہ ہم گذشتہ صفحات میں لکھ چکے ہیں کہ جب شہزادہ محمد سلطان نے سعدی شیرازی کو اپنے دربار میں آنے کی دعوت دی تو انھوں نے اپنی ضعیفی کے سبب خود تو آنے سے معذوری کا اظہار کیا، لیکن ہندوستان کے شعراء میں خسرو کے اشعار کی تعریف کی، اور اس جوہر قابل کی تربیت اور قدر افزائی کرنے کو لکھا، لیکن خسرو کو شہزادہ محمد سلطان کی سرپرستی سے جلد ہی محروم ہونا پڑا، پہلے ذکر آچکا ہے کہ ۶۸۳ھ میں چنگیز خانیوں نے ہندوستان پر یورش کی، تو شہزادہ محمد سلطان نے ملتان سے نکل کر لاہور کے پاس ان کو روکا، لیکن ان سے لڑتا ہوا شہید ہوا، خسرو اس کے ساتھ تھے، شہزادے کی شہادت کے بعد چنگیز خانیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے، اس گرفتاری کا حال انھوں نے اپنے قصیدہ حکم الحکم میں بہت ہی پر درد طریقہ پر لکھا ہے، اس میں تقریباً دو سو اشعار ہیں، جو رضی نیشاپوری کے ایک قصیدہ کے ہم وزن اور ہم ردیف ہیں، اس کی ابتدا فقر و تصوف اور مواعظ و حکم سے کی گئی ہے، پھر بتایا گیا ہے کہ شہزادہ محمد سلطان کی شہادت کے بعد اس کے سپاہی خاک و خون میں آلودہ ہو گئے، مغلوں نے ان کے سر کاٹ کر فتراک میں لٹکا دیے، خود خسرو قید کر لیے گئے، ایک بد شکل چوڑے منھ، گندہ دہن اور کچی داڑھی مونچھ والے مغل کے حوالے کر دیے گئے، جو خود تو گھوڑے پر سوار ہوا، اور خسرو کو پیاسا اور برہنہ جسم رکھ کر بے دردی سے پاپیادہ گھسیٹ کر اپنے ساتھ لے چلا، ان کے پاؤں میں آبلے پڑ گئے،

---

[1] دیکھو دی لائف اینڈ ورکس آف امیر خسرو، از ڈاکٹر وحید مرزا، لکھنؤ یونیورسٹی،

Marfat.com

ضعف سے لاغر ہوگئے۔ ان کی آنکھوں سے برابر اشک جاری تھے، خود فرماتے ہیں۔

اسیر گشتم و از بیم آن کہ خون ریزد　　نمی نماند ز خون در تن نحیف و نزار
چو آب بے سر و پا می دویدم و چو حباب　　ہزار آبلہ در پا ز رفتن بسیار
ز پا بہای من از آبلہ جدا شد پوست　　چنان کہ باز شود ہر ز پاے پا افزار
ز رنج سخت شدہ جان چو قبضہ شمشیر　　ز ضعف چوب شدہ تن چو دستہ جقار
دمے نماند بتابم ز بود و رہ تشنہ　　دمے شدہ شکم من ز ماندۂ ناہار
برہنہ ماندہ تن چون درخت گاہ خزان　　ہزار بارہ چو گل از خراش خار آزار
بگریہ مردمک دیدہ قطرہا می ریخت　　چناں کہ بگسلد از گردن عروسی ہار
فرو جہ کہ مرا پیش کردہ رہ می رفت　　نشستہ بر فرسے چون پلنگ بر کہسار
کشادہ از دہنش نکہتے چو بوئے بغل　　فتادہ بر زنخش سبلتے چو موئے زہار
ز ماندگی قدمے گر بماندمی بستوہ　　گہے طمانچہ کشیدے ز خشم گہ تکما

اسی سفر میں مغلوں نے ان کے سر پر توبرہ چڑھا دیا تھا، ایک دوسرے موقع پر کہتے ہیں

من کہ بر سر نمی نہادم گل　　توبرہ بر سر نہاد و گفتا جل

اسیری سے رہا ہوئے تو خوش نہ تھے، مقتول اور بچھڑے ہوئے دوستوں کی یاد میں بےچین رہے، پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ انھوں نے اپنے مربی شہزادہ محمد سلطان (خان شہید) کی شہادت پر بڑے دل گداز اور الم ناک مرثیے لکھے، جو ایک عرصہ تک گھر گھر پڑھے جاتے تھے، ان کو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں،

اسیری سے رہائی کے بعد خسرو دہلی آئے۔ ان کو دیکھ کر بے حد خوش ہوئے۔ ماں بھی بیٹے کے فراق میں نیم جان ہو رہی تھیں، اسی سبب ان کی مسرت کی کوئی انتہا نہ تھی، خسرو دہلی کو

Marfat.com

قبۃ الاسلام سمجھتے تھے، اور ماں کے قدم کے نیچے بہشت دیکھی[1]، اس لیے شہزادوں اور امراء کے درباروں سے الگ رہ کر قبۃ الاسلام کی بہشت ہی مین کچھ دنون رہنا پسند کیا، پھر دہلی سے مومن پور عرف پٹیالی آگئے، جہان گنگا کے کنارے مقیم رہے،

ترتیب دیوان وسط الحیٰوۃ | اسی زمانہ مین انھون نے اپنا دوسرا دیوان وسط الحیٰوۃ مرتب کیا، جس مین تقریباً ۵ قصائد، ۲ ترجیعات، ۴۲ قطعات، ۷ مثنویان، ۱۵ رباعیات اور ۳۰۰ غزلین ہین،[2] ان ہی کے بیان کے مطابق دیوان مین کل اشعار کی تعداد آٹھ ہزار چار سو اکتالیس ہے،[3] اس دیوان کی ترتیب کے وقت ان کی عمر ۳۴ سال کی تھی، علی گڈھ مین یہ زیور طباعت سے آراستہ تو ضرور ہوا، لیکن غالباً اس کی عام اشاعت نہ ہو سکی، اسی لیے صرف محدود حلقہ مین یہ پہنچ سکا، اس کے شروع مین جناب فضل احمد حافظ صاحب کا ۱۵۶ صفحے کا بڑا ہی پر مغز اور فاضلانہ مقدمہ ہے، جس سے

---

[1] غرۃ الکمال میں لکھتے ہیں "چون خدائے رشتۂ عمرم دراز دادہ بود، خلاص یافتم و آن شرہ بلا اقدام و تماشا قبۃ الاسلام آمدم و زیر قدم مادر بہشتی شدم"

[2] دیکھو مقدمہ وسط الحیٰوۃ نوشتہ فضل احمد حافظ ص ۳۴۔

[3] یہ تعداد حسب ذیل اشعار میں بتائی ہے،

واسطہ ست از پے حیات ابد	این کتاب از چنین خجستہ خطاب
در شمردن ز بیتہاے ترش	ہشت ابر آمدست بریک آب
غیم یعنی کر ہشت بار بخوان	ما بیک بارہ دیدہ ایم صواب
چار صد چل یکے ست ہشت ہزار	ہمہ بیت اند جمل کشادہ نقاب
این شمارہ ... بندہ کرفست	ہیچ کس را ورد محل جواب

غیم کے اعداد ۱۰۵۰ کو آٹھ گنا کیا جائے تو ۸۴۰۰ = ۸ × ۱۰۵۰ ہوئے، اس میں ما کے اعداد ۴۱ اور ملائیے جائیں تو کل آٹھ ہزار چار سو اکتالیس ہوئے، اس صنعت سے امیر اشعار لکھنے پر خسرو فخر کرتے ہین،

Marfat.com

راقم نے کافی استفادہ کیا ہے،

خسرو وسط الحیوٰۃ کے دیباچہ میں خود تحریر کرتے ہیں کہ ان کا یہ دیوان بحیثیت زبانی ہر دیوان سے بہتر ہے کیونکہ یہ عالم شباب میں مرتب ہوا، جب کہ اس میں بچپن کا تکلف، تصنع اور آورد ختم ہو کر باریک بینی، موشگافی، روانی، پختگی، جودت اور متانت آگئی تھی، اور وفور جذبات کا ظہور بدرجۂ کمال تک پہنچ گیا تھا، وہ اپنے زمانہ کہولت کے کلام کو بھی عہد شباب کے کلام پر ترجیح دینا پسند نہیں کرتے، ان کا خیال تھا کہ

در جوانی سخن جوان باشد ... سخن پیر ناتوان باشد

گو ان کا کلام ان کی پیری میں بھی جوان رہا،

یہ دیوان مذہبی، روحانی، علمی، ادبی اور تاریخی حقائق کا ایک عجیب و غریب مجموعہ ہے، حمد میں ربوبیت، احکم الحاکمین کی غیر متناہی وسعت، اس کی شان رزاقی اور کمال رحمت کا ذکر ہے، ایک حمدیہ قصیدہ کی خاص بات یہ ہے کہ ہر دعویٰ کو آیت قرآنی سے ثابت کیا ہے، یہ صنعت ان کی خاص ایجاد ہے، مختلف نعتیہ قصائد میں مواعظ و حکم کے علاوہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو طبیب روحانی، معلم اول، اور محرم راز ثابت کر کے تمام کائنات کو ان کے خوان ہستی پر ژدہ دام عدم بتایا ہے، پھر اپنے محبوب مرشد حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا کی منقبت میں بے ثباتی عالم، زہد و طاعت، نفس کشی پر معارف و حقائق بیان کر کے مرشد کی نظر کیمیا اثر، ان کی شب بیداری اور روشن ضمیری وغیرہ کا ذکر کیا ہے، اسی دیوان میں خاقانی کے طرز پر عالم العلم کے نام سے ایک قصیدہ لکھا ہے، جس میں اپنی قوت تخیل سے پورا کام لے کر خاص خاص علوم و فنون مثلاً کیمیا، سیمیا، طبیعیات، نحو، منطق، فلسفہ، کلام اور نجوم کے رموز بتائے ہیں،

وسط الحیوٰۃ کے قصائد میں دو صنعتوں کا ذکر خود خسرو اپنے دیباچہ میں خاص طور پر کرتے ہیں،

Marfat.com

ایک تو یہ کہ اس میں زیادہ تر کلام ذو معنین ہے، اس کی مثالیں بکثرت ہیں۔ دوسرے یہ کہ ممدوح کی مدح میں ایک بیت میں اسکا لقب اور دوسری میں اس کا نام لائے ہیں، تاکہ ممدوح کے نام کو بھی بقا حاصل ہو، اس کی کئی مثالیں خود ہی دی ہیں، مثلاً

ہنوز تا چہ کند کہ غمزہ ہائے نیزہ درست	اگر بلطف برین بندہ مہربان نبود
شود نصرت دنیا محمد سلطان	کہ ضرب دولت از محمدت نشان نبود

اس صنعت کا نام انھوں نے خود تخلص حال موقوف رکھا ہے، یہ صنعت آگے چل کر بیت نام ہو گئی، تاریخی حیثیت سے صرف وہ قصائد اہم ہیں جو خسرو نے اپنے مربیوں مثلاً شہزادہ محمد سلطان بلبن، کیقباد، معز الدین، اختیار الدین کشلی خان، شمس الدین دبیر، تاج الدین انپ وغیرہ کی مدح میں لکھے ہیں۔ ملکوں کی ترجیعات بھی زیادہ تر تاریخی واقعات پر مشتمل ہیں، پہلی ترجیع میں جو پانچ بندوں کی ہے، شہزادہ محمد کی ستایش ہے کہ اس نے مغلوں کے فتنہ کو کس طرح دبایا، دوسری ترجیع کا نام عین المعانی ہے، اس میں مغلوں کو سدو و ملتان سے بخارا کی طرف بھگانے کا بیان ہے تیسری ترجیع نشاط عید، اور مغلوں کی مزید شکست پر ہے، چوتھی ترجیع میں معز الدین کیقباد کی مدح اور تہنیت تاج پوشی ہے، پانچویں ترجیع مور و الورد، اور چھٹی ترجیع حدیقۃ الحدقات اختیار الدین کشلی خان کی تعریف وتحسین میں ہے، ساتویں ترجیع "نعت العزائی بعث الغزا" شہزادہ محمد کی شہادت اور مغلوں کے مظالم پر ہے، آٹھویں ترجیع میں شہزادہ محمد کا مرثیہ ہے، جو ہر زمانہ میں بہت ہی مقبول رہا، ان ترجیعات کے علاوہ مثنویوں سے بھی اس عہد کے مستند تاریخی واقعات معلوم ہوتے ہیں، ایک رزمیہ مثنوی میں سلطان بلبن نے طغرل کے خلاف لکھنوتی میں جو لشکرکشی کی تھی، اس کی پوری تفصیل لکھی ہے، اسی مثنوی میں شہزادہ محمد کی فتح دمریلہ، نگرکوٹ وغیرہ کا بھی ذکر ہے، ان فتوحات کے بعد ۶۸۳ھ میں شہزادہ نے مغلوں سے معرکہ آرائی کی،

Marfat.com

جس میں ان کا سردار تغلک اور اس کے بڑے بڑے ساتھی مارے گئے، اس میں ان جانبازوں کے نام بھی ہیں جنھوں نے بڑی پامردی اور دلیری سے جنگ کرکے مغلوں کو شکست دی، پھر مغلوں کے حلیہ و شباہت کا بھی بیان ہے جس کے ذکر میں خسرو کے قلم میں غیر معمولی روانی پیدا ہو جایا کرتی تھی،

خسرو کی دوسری مثنوی میں بھی شہزادہ محمد سلطان اور مغلوں کی ایک اور جنگ کی تصویر کھینچی گئی ہے، پھر متعدد قصائد، ترجیعات، قطعات میں بھی مغلوں کی پسپائی اور ہزیمت کا ذکر ہے، بقول جناب فضل احمد حافظ صاحب (مرتب وسط الحیوٰۃ) مغلوں کی شکست کے موقع پر امیر کا قلم رقاصہ کی طرح طرب انگیز ہو جاتا ہے، اس کے علاوہ ان کو شہزادہ محمد سے بڑی شیفتگی تھی، کیونکہ وہ نہ صرف علم دوست اور علم نواز تھا، بلکہ اپنی نبرد آزمائی، لشکر شکنی، شمشیر زنی اور تادر اندازی میں اپنی مثال آپ تھا، اس نے جس دلیری اور پامردی سے مغلوں کی سرکوبی کی وہ ہندوستان کی تاریخ کا واقعی ایک بڑا کارنامہ ہے، خسرو اپنے ممدوح کے اس کارنامہ کا ذکر مختلف پیرایوں میں کرکے نہ صرف اپنے زور قلم اور قوت بیان کا ثبوت دیتے رہے، بلکہ اپنے محبوب مربی اور سرپرست کے جوہر کو بھی اس عہد کے لوگوں کے سامنے پیش کرتے رہے، اور آج بھی قصائد، ترجیعات اور قطعات، وغیرہ تاریخی لٹریچر کی حیثیت سے مفید اور اہم ہو گئے ہیں،

خسرو اور خاقانی | پہلے کہا جا چکا ہے کہ خسرو کے شباب کی تیزی فکر، بلندی ہمت اور روانی طبع نے ان کے قلم کو جادو رقم بنا دیا تھا، اس لیے ان کے کلام میں جودت طبع کے ساتھ عذوبت فصاحت اور بلاغت بھی پیدا ہونے لگی، ان کو خود فخر ہے کہ ان کے دریائے سخن کی موجوں سے لوگوں کے دامن گہر آبدار سے بھر نے لگے۔

دامن از بار گہر صد پارہ می بینی خلق را | چون ز دریا ئے سخن موج سخا ئی می زنم

اور اسی تیزی فکر اور بلندی ہمت میں اپنے کلام کو پرانے اساتذہ کے کلام کے ہم پلہ بنانے کی کوشش کی

تحفۃ الصغر میں تو اپنے عجز بیان کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہمت آسمان پیمار کھنے کے باوجود وہ خاقانی کی تقلید میں ناکام رہے لیکن وسط الحیٰوۃ کے دیباچہ میں ان کا خود دعویٰ ہے کہ خاقانی کی تقلید کامیابی کے ساتھ کی، لکھتے ہیں:

"...... بعد از و (یعنی خاقانی) ہیچ صاحب سخن را دین قوت و قدرت نبود کہ این صناعت را متابعت کند مگر بندہ خسرو کہ بعض اشعار خود را ہم بر طرز استاد خاقانی نام شعرہا در شارع ابیات راندہ است ...... (ص ۵۰)

وسط الحیٰوۃ میں ایسے کئی قصائد ہیں جو خاقانی کے رنگ میں کہے گئے ہیں، کچھ تو ہم گزشتہ اوراق میں پیش کر چکے ہیں، کچھ اور مثالیں بھی ملاحظہ ہوں، خاقانی نے بحر مضارع مثمن مکفوف محذوف میں ایک نعتیہ قصیدہ کہا ہے جس کا مطلع یہ ہے:

قحط وفاست در بنہ آخر الزمان | ان اے حکیم پردۂ عزلت بساز بان

خسرو نے بھی خاقانی کے اسی طرز میں ایک نعت کہی جو بحر مجتث مخبون مقصور میں ہے، اس میں تقریباً ۱۱۸ اشعار ہیں، اس کا مطلع یہ ہے:

رسید کوکبۂ آفتاب در سرطان | سحاب گشت سوی زمین ستارہ فشان

پورے قصیدہ میں خاقانی ہی کی طرح الفاظ کی بناہمی مضامین کی سنگینی اور تلمیحات کی فراوانی ہے جن کو سمجھنے کے لیے ذہن و شعور کو بیدار رکھنا پڑتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرماتے ہیں:

[illegible] ذبیحین و صاحب قوسین | کہ زیب یافت از و دکمان دو قربان

نیاورد … چنان فرخ اختری بشمار | حساب احسن تقویم را بہ ہیچ قران

از و جو مژدۂ لاتقنطوا رسید بما | ز فیض رحمت رحمٰن کرار سید حرمان

Marfat.com

کسے کہ سنگ روان کرد سوے گوہر او — ہر آئینہ گہرے داد ش از زبین و دنداں

مکونات ہمہ رروز ۂ عدم می داشت — بدان امید کہ قدرت نہد ز ہستی خواں

معلم اوست باوراقِ علم الاسماء — خلیفہ آدم وہ طفلی از دبیرستاں

اسی طرح خاقانی کا ایک طویل نعتیہ قصیدہ ہے، جس کا مطلع یہ ہے:

عروس عافیت آنگہ قبول کرد مرا — کہ عمر بیش بہاد اوش بشیر بہا

اس زمین میں بھی خسرو نے ایک طویل غیر نعتیہ قصیدہ کہا ہے، جو انھوں نے اس وقت کہا تھا جب وہ اختیار الدین کشلی خان کے لشکر کے ساتھ دہلی سے باہر جا رہے تھے، شدید گرمی کا زمانہ تھا باد سموم چل رہی تھی، آسمان سے آگ برس رہی تھی، اور موسم کی سختی کے ساتھ اعزہ و اقرباکی مفارقت کا بھی غم تھا، ان ہی کیفیات کو خسرو نے خاقانی کے مذکورہ بالا نعتیہ قصیدہ کی زمین میں منظوم کیا ہے اور اس کا نام مروۃ الروح رکھا ہے، جس میں تقریباً ۱۱۲ اشعار ہیں، اس کی ابتدا اس طرح کی ہے

دو رو یہ بست کمر آفتاب در جوزا — بہ پشت ہفت زمین آتشے فگند صبا

بباد خاک در دن رفت گرم کرد مزاج — کہ سوئے باد ر ود ہر کہ ہست در گرما

چنان در آتش خورشید صبح می بدمد — کہ نفت آن ززمین می رود بر اوج سما

خود آفتاب ندیدہ ز صبح جز دم صدق — شود کہ گرم شود از دو رو ئی جوزا

خاقانی نے بحر خفیف مخبون محذوف میں ایک قصیدہ لکھا تھا جس کا مطلع یہ ہے۔

الصبوح الصبوح کامد کار — النثار النثار کامد یار

اسی بحر اور وزن میں خسرو نے بھی غیاث الدین بلبن کے لیے ایک قصیدہ لکھا ہے، جس کو وہ اس طرح شروع کرتے ہیں،

لوئے بنمود صبح سیم عذار — ساقی صبح روئے بادہ بیار

Marfat.com

جام دہ ، و نما بہ صبح کہ باز ۔۔۔ روئے بنمود صبح سیم عذار

شمع را سر آمد ست حیات ۔۔۔ شربتے از قنینہ بیروں آر

خسرو جب خاقانی کی تقلید کرتے ہیں تو وہی انداز ، وہی ترکیبیں اور وہی استعارے استعمال کرتے ہیں لیکن خود خسرو وسط الحیٰوۃ کی قصائد نگاری کے زمانے میں اس سے زیادہ تعلی بھی نہیں کرتے ، جیسا کہ اوپر ایک اقتباس میں ظاہر کیا گیا ہے ۔ اس کے علاوہ انھوں نے کسی دور میں بھی اپنے کو کسی طرز خاص کا موجد نہیں بتایا ہے ، البتہ اپنی سخن وری اور شہ زوری میں کہیں کہیں خاقانی سے زیادہ لطیف تر اور پر کیف اشعار کہہ گئے ہیں ، مثلاً دونوں کے حسب ذیل اشعار ملاحظہ ہوں

خاقانی ۔ جام فرعونی اندر آر کہ صبح ۔۔۔ دست موسیٰ بر آرد از کہسار

خسرو ۔ جام دہ رو نما بہ صبح کہ بار ۔۔۔ روئے بنمود صبح سیم عذار

خاقانی ۔ چرخ بیکار دیار روبا صبوح ۔۔۔ می کند لعبتان دیدہ نثار

خسرو ۔ شمع را بر سر آمد ست حیات ۔۔۔ شربتے از قنینہ بیروں آر

خاقانی ۔ در سفال خم آتشے ست کہ ہست ۔۔۔ عقل حراق و روح شرار

خسرو ۔ آتش شرقی از دمیدن صبح ۔۔۔ می زند شعلہ بے دخان و شرار

خاقانی کے اشعار کے "جام فرعونی" اور "دست موسیٰ" کے مقابلہ میں خسرو کا "صبح سیم عذار" زیادہ لطیف تر معلوم ہوتا ہے ۔ اسی طرح خاقانی نے ستارے کے لیے "لعبتان دیدہ" کا استعارہ استعمال کیا ہے ، اور عقل کو حراق " اور روح کو شرار شراب" کہا ہے ، لیکن خسرو کے استعارے زیادہ موزوں اور برجستہ ہیں ، وہ کہنا چاہتے ہیں کہ رات ختم ہونے کو ہے تو کہتے ہیں ،

شمع را بر سر آمد ست حیات

خسرو نے شراب کو آتش شرقی اور اس کے جوش کو شعلۂ بے دخان و شرار کہہ کر اپنے

شعر کو زیادہ سے زیادہ مؤثر اور قریب الفہم بنایا ہے۔[۵]

خسرو نے اسی قصیدہ میں مقامی رنگ پیدا کر کے اس کو اپنے ناظرین کے لیے اور بھی زیادہ پر کیف بنا دیا ہے۔ مثلاً کہتے ہیں:

خاک خوردی بصندلی زمین — صندلے سودہ شد زباد بہار
تا دو باد صبح و می آید — ز و مرا بوئے لالہ و گلنار
آب راست پر از نبات شدہ است — از شکر خندۂ گل و گلنار
باز پیغام گل بہ بلبل گفت — چشم نرگس بہ نوک غمزۂ خار
کو گذشتہ بنفشہ می جوید — کہ کہ باران بہ خاک کرد نثار
از ہوا آب می خورد غنچہ — دست در پیش داشتہ جو چنار

خسرو اور کمال اسمٰعیل

خسرو نے خلاق المعانی کمال اسمٰعیل اصفہانی کے رنگ میں بھی قصائد لکھ کر اپنے زور طبع کا ثبوت دیا ہے۔ مثلاً کمال اسمٰعیل کے قصیدہ کا ایک مطلع ہے۔

بگویم ار نکند رخنہ در مسلمانی — تو ئی کہ نیست ترا در جہاں ثانی

اسی زمین اور ثانیہ میں خسرو کا مطلع ہے۔

چو زلفت نافہ گون پر غدار پیشانی — نہد بہ پیش رخت آفتاب پیشانی

اسی قصیدہ میں خسرو کے بعض اشعار کمال کے اشعار سے زیادہ بہتر ہو گئے ہیں۔ کمال کے اس قصیدہ کا تیسرا شعر یہ ہے۔

ز تابت تم تو پیکانہا بلعل شود — بہ پیش خصم تو داخل ہائے پیکانی

اس شعر میں پیکانہائے لعل اور لعل ہائے پیکان کے الٹ پھیر نے لذت مزید پیدا کر دی۔

لے امیر خسرو کی ... کے ... مرتبہ فضل احمد ناظم ... علی گڑھ ...

Marfat.com

لیکن خسرو کے قصیدہ کا تیسرا شعر اس شعر سے بلاشبہ بلند ہے، وہ کہتے ہیں،

خراب کرد جہان چشم کافرت افسوس　　　　　　که نیست هیچ کسے را غم مسلمانی

کمال کی تاب چشم کو خسرو نے دوسرے رنگ میں پیش کیا ہے، چشم کافر کی غارتگری سے دنیا میں جو ویرانی پیدا ہوئی تو پھر فکر مذہب یعنی غم مسلمانی باقی نہ رہا، اس پر اظہار افسوس جس انداز سے کیا گیا ہے اس سے خسرو کے شعر میں ندرت پیدا ہو گئی ہے،

دونوں اپنے ممدوح کے جود و سخا کی تعریف کرتے ہیں،

کمال۔ چو ابر جود تو باران جود باراند　　　　　　هوا ز ابر بپوشد لباس بارانی

خسرو　حدیث بخشش او یاد اگر برابر برد　　　　　　هزار بار کند ابر تیره بارانی

خسرو نے "ہزار بار" کہہ کر اپنے ممدوح کے جود و سخا کی تعریف میں جو نکتہ پیدا کر دیا ہے وہ کمال کے شعر میں نہیں پایا جاتا،

اسی طرح ایک دوسرے ہم قافیہ اور ہم ردیف قصیدہ میں کمال کا قصیدہ ہے،

زہے سنبل تر کردہ لالہ را پردہ　　　　　　بر آسمان زدہ عکس رخت سراپردہ

کمال کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ممدوح کے عکس رخ نے آسمان پر حسن کا ایک خیمہ بنا دیا ہے، اس لیے خط کو سنبل تر اور رخ کو لالہ قرار دیا ہے، اب خسرو کا مطلع ملاحظہ ہو،

بکش نگرد رخ از خط دلربا پردہ　　　　　　که کس ز شب نہ کند آفتاب را پردہ

خسرو نے خط دلربا کو شب اور چہرۂ تابان کو آفتاب سے تشبیہ دی ہے، اور تعجب کے لہجہ نے اس میں خاص ندرت اور بلاغت پیدا کر دی ہے،

اسی قصیدہ میں کمال کا ایک شعر ہے کہ

یکے ز چہرہ بر انداز دبردہ تا خورشید　　　　　　فرو گذارد بر چہرہ از حیا پردہ

Marfat.com

یعنی آفتاب رخ یار کے بے نقاب ہونے سے شرمندہ ہو کر پردہ نشین ہو جاتا ہے، اس کے مقابلہ مین خسرو کے شعر کے اسلوب کی لطافت اور برجستگی ملاحظہ ہو،

زبیم آنکہ رسد چشم آفتاب بتو ــــــ ببندد ابر بہر لحظہ در ہوا پردہ

یعنی ایسا نہ ہو کہ آفتاب کی نظر بد رخِ ممدوح پر پڑ جائے، اس لیے ابر ہر وقت ہوا مین بادلون کا پردہ کیے ہوئے ہے۔

وسط الحیوٰۃ کے فاضل مقدمہ نگار فضل احمد حافظ نے اپنے مقدمہ مین بہت سی مثالین دے کر کمال پر خسرو کی فوقیت ثابت کی ہے۔[1] ممکن ہو کہ فضل احمد حافظ صاحب کی رائے سے بعض ارباب نظر کو اتفاق نہ ہو، لیکن اس مین شک نہین کہ خسرو نے باکمال قصیدہ نگارون کی تقلید مین قصائد کہہ کر نہ صرف اپنی غیر معمولی قدرت کلام جزالت بیان، پرواز فکر اور رفعتِ تخیل کا ثبوت دیا، بلکہ وہ اس طرح آسمانِ شاعری کے نیر اعظم بننے کے لیے ہفت خوان بھی طے کرتے جا رہے تھے،

خسرو کی غزل گوئی :- خسرو جس طرح باکمال قصیدہ نگارون کے تتبع مین قصائد کہہ کر اپنے شاعرانہ ذہن کو جلا دے رہے تھے، اسی طرح باکمال غزل گویون کے طرز مین غزلون پر غزلین کہہ کر اپنی سخنوری کے جوہر آبدار مین چمک دمک پیدا کرنے کی بھی کوشش کر رہے تھے۔

وسط الحیوٰۃ کے مطبوعہ نسخہ کے مقدمہ مین جناب فضل احمد حافظ صاحب لکھتے ہین کہ اس مین تقریباً تین سو غزلیات ہین، اور پھر شروع مین ان غزلون پر پر مغز تبصرہ بھی کیا ہے۔ یہی مطبوعہ نسخہ میرے پیش نظر ہے، مگر اس مین ایک غزل بھی نہین، شاید طبع ہونے سے رہ گئی ہون، اس لیے ہم ان پر اپنا حقیر تبصرہ ہدیۂ ناظرین کرنے سے قاصر ہین، پھر بھی جناب فضل احمد حافظ صاحب نے اپنی وسعت نظر، کثرت مطالعہ اور لطافتِ ذوق سے جو تبصرہ کیا ہے اسی کی خوشہ چینی

---

[1] دیکھو مقدمہ وسط الحیوٰۃ ص ۶۰ - ۵۵

کرتے ہوئے یہاں پر ہم بعض ضروری باتیں درج کرتے ہیں۔

وسط الحیوٰۃ کی غزلیں اس کے قصائد کی طرح خسرو نے اپنے عالم شباب یعنی ۲۰ سے ۴۰ سال تک کی عمر میں لکھی ہیں، اس زمانہ میں شیخ سعدی کی غزل گوئی کا غلغلہ بلند تھا، خسرو زیادہ تر ان ہی کی سادگی، صفائی اور شیرینی سے متاثر ہوئے اور اپنی غزلوں میں ان ہی کا رنگ اختیار کرنا شروع کیا، البتہ بعض غزلوں میں ان کا فطری رنگ یعنی سوز و گداز زیادہ نمایاں ہو گیا ہے، ان میں یہ سوز و گداز فطرت کی طرف سے عطا ہوا ہی تھا، حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کی صحبت نے ان میں اور بھی زیادہ چنگاریاں بھر دیں، لیکن اس سوز و گداز کے ساتھ مجموعی حیثیت سے شیخ سعدی ہی کے متبع رہے، وسط الحیوٰۃ میں ایسی بہت سی غزلیں ملیں گی جو سعدی کی تقلید میں کہی گئی ہیں، یہاں پر ہم دونوں کی بعض غزلوں کے مطلعے ہی کو نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں:

سعدی	گر دو ن سوختہ با تو برآرد نفسے	چہ تفاوت کند اندر شکرستان مگسے
خسرو	من ترا دارم و جز لطف توام نیست کسے	در جہانم نبود غیر تو فریاد رسے
سعدی	فراق دوستانش باد و یاران	کہ ما را دور کرد از دوستداران
خسرو	ہمی ریزی بہ بازی خون یاران	ہمی باشد سزائے دوستداران
سعدی	بسکہ در منظر تو حیرانم	صورتت را صفت نمی دانم
خسرو	اے وجود تو زدیدہ حجابم	جسم پیدا و جان پنہانم
سعدی:	من آن نیم کہ دل از مہر دوست بردارم	وگر ز غصہ دشمن بجان رسد کارم
خسرو	بدیدہ گر ترا دیدہ ام نمی یارم	کہ آن نظر ز تو بر روئے دیگرے آرم
سعدی:	شکستہ عہد مودت نگار دلبندم	برید عہد وفا یار سست پیوندم
خسرو:	چو نیست دوست بباغ و ورد نہ خرسندم	کہ دوستی تو دائم ز دل بر پیوندم

Marfat.com

سعدی: کس نگذشت در دلم تا تو بخاطر منی | یک نفس اندرون جا خیمہ برون نمی زنی

خسرو: اے رخ باد خنگ تو یافتہ دیدہ روشنی | چند بشوخی و جفا قصد ہلاک من کنی

اور یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ حافظ شیرازی کی بعض غزلیں خسرو کے رنگ کی ہیں، اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حافظ نے خسرو کی غزلیں سامنے رکھ کر غزلیں کہی ہیں، مثلاً

خسرو: بیا جاناں کہ جانت را بمیرم | دگر میرم بجان منت پذیرم

حافظ: بہ تیغم گر زند دستش نگیرم | دگر تیرم زند منت پذیرم

خسرو: نظر گفتند داری با فقیران | من مسکین نہ آخر ہم فقیرم

حافظ: نصاب حسن در حد کمال است | زکاتم دہ کہ مسکین و فقیرم

خسرو: نمی آید بگوش نالۂ من | کہ گوش چرخ کر گشت از نفیرم

حافظ: من آن مرغم کہ ہر شام و سحرگاہ | رسد تا سدرہ آواز نفیرم

خسرو: رحمے کہ بر در تو غریب افتادہ ایم | وز خوان دل ز دست تو چون جام بادہ ایم

حافظ: ما برخوشان مست دل از دست دادہ ایم | ہمراز عشق و ہم نفس جام بادہ ایم

خسرو: آخر چہ شد کہ چشم بہ بستی بروے من | زینسان کہ ما بروے تو از گریہ کشادہ ایم

حافظ: بر دلبرے کمان بلا مست کشیدہ اند | تا کار خود ز ابروے جانان کشادہ ایم

خسرو: عزم آن دارم کہ از دل قصد جان بیرون کنم | آمدست در پیش و خود را از میان بیرون کنم

حافظ: دوش سودائے رخت گفتم ز سر بیرون کنم | گفت کو زنجیر تا تدبیر این مجنون کنم

خسرو: حال خود بار بر آیم دگر نمی بینم | بار کار دل خود نیز بہ بر می بینم

حافظ: این چہ شورست کہ در دور قمر می بینم | ہمہ آفاق پر از فتنہ و شر می بینم

خسرو: می رسد ہر نفسم رنج کہ من روز بروز | روزگار دل شوریدہ بتر می بینم

Marfat.com

حافظ: ہر کسے روز بہی می طلبد از ایام مشکل اینست کہ ہر روز بتر می بینم

خسرو نے شان خسروی میں اپنے خاص رنگ میں بھی غزلیں کہی ہیں، مثلاً وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ سلوک کا اعلیٰ درجہ وجود ننگ سے چھٹکارا کرکے ہی حاصل ہو سکتا ہے، تو وہ ایک اچھوتے انداز سے ایک مسلسل غزل میں کہتے ہیں،

اگر اصحاب عشرت مے پرستند بیا ساقی کہ من ساقی پرستم
مرا گویند ہر مستی چہ دیدی کہ می گوئی دل اندر بادہ بستم
تعالی اللہ ازین بہتر چہ باشد کہ از ننگ وجود خویش رستم

معرفت کے سلسلہ میں کہنا چاہتے ہیں کہ جلوۂ الٰہی ہر جگہ نمایاں ہے، لیکن اس حقیقت کا ادراک انسانی طاقت سے باہر ہے،

سخت بسر و گویم خبرت ز باد پرسم تو درونِ دیدۂ دل زکسان چرات جویم
بدل و بدیدہ و جان ہمہ جا نہفتہ ہستی چو نہ بینم آشکارا بکدام جات جویم
تو کرید در تو گم شد سر و تاج پادشاہان چہ خیال فاسد ست این کہ من گدات جویم

یہ تو صوفیانہ رنگ کی غزلیں ہیں، عاشقانہ رنگ کی ایک غزل میں کہتے ہیں،

ما دل شدگان بے قراریم ما سوختگان خام کاریم
آتش زدگانِ سوز عشقیم رسوا شدگان کوئے یاریم
بودیم خراب بادۂ دوش امروز ہم اندر آن خماریم

سوز عشق کی مصوری کی ہے، اس طرح کہ آتش دل، دود آہ، اور آخر میں طوفان دیدہ کی بدولت ہر چیز سے بے نیاز ہو جاتے ہیں، بلندی عشق اور ہستی فانی کی تصویر کھینچتے ہوئے کہتے ہیں،

ما کہ در راہ عشق قدم زدہ ایم بر خط عافیت رقم زدہ ایم

Marfat.com

تا بطوفان عشق غرقہ شویم | بر سر منہ فلک علم زدہ ایم
چونکہ اندر وجود نیست ثبات | دست در نامۂ عدم زدہ ایم
ہم چو خسرو ز نیستی اے دوست | ہستی ہر دو کون کم زدہ ایم

ہم اس کتاب میں خسرو کی یہی دو چار غزلوں کے نمونے پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، انشاء اللہ آیندہ جلد میں غرۃ الکمال اور بقیہ نقیہ کا مطالعہ کرتے وقت یہ دکھانے کی کوشش کرینگے کہ خسرو نے غزلوں کی بحروں کی موزونی تشبیہات و محاورات کی جدت کے ساتھ سوز و گداز شکستگی و نیاز عشق کی ہنگامہ آرائی حسن کی دلربائی، واردات عشق کی بے خودی، دنیا کی بے وفائی اور حقایق و معارف کی نکتہ آرائی سے خمخانۂ سعدی کی شراب کو دوبارہ کھینچ کر کس طرح تیز کر دیا،

حسن سجزی

حسن سجزی خسرو کے قلبی دوست تھے، وہ اپنی شاعری کے لحاظ سے خسرو کے ہم پلہ تو نہیں ہیں لیکن اپنے عہد میں خسرو ہی کی طرح ممتاز اور جلیل القدر رہے۔

ان کا اصل نام نجم الدین حسن تھا، بعض تذکرہ نویسوں نے ان کا نام نجم الدین بن علا سجزی لکھا ہے، علا ان کے والد بزرگوار کا نام تھا، اس لیے انھوں نے شاید والد کے اسم گرامی کی مناسبت ہی سے فوائد الفواد کے دیباچہ میں اپنے آپ کو حسن علا سجزی لکھا ہے، سجزی کی نسبت سے ظاہر ہے کہ ان کے آباد اجداد سجستان یا سیستان کے رہنے والے تھے، نسباً ہاشمی تھے۔ دیوان حسن سجزی دہلوی کے لائق و فاضل مرتب جناب مسعود علی محوی بی، اے (علیگ) نے اس کے دیباچہ میں حسن سجزی کے اس شعر سے

پروردۂ فضل ایزدش بوشاد عیشی و خرمش | بودہ بدایوں مولدش دہلی است منشاء ذات

ان کا مولد بدایوں بتایا ہے[1] لیکن ان کی نشو و نما دہلی میں ہوئی، اس لیے ان کے نام کے ساتھ دہلوی

[1] دیباچہ دیوان حسن دہلوی ص ۱۸، مکتبہ ابراہیمیہ مشین پریس، حیدرآباد دکن، اس پر مغز عالمانہ دیباچہ میں حسن دہلوی سے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات فراہم کر دیے گئے ہیں۔

کہا جاتا ہے۔ ان کا سنہ پیدائش ۶۵۲ھ ہے یعنی خسرو سے ایک سال چھوٹے تھے،[۱]

تحصیل علم کی تفصیل تو معلوم نہیں لیکن ان کے دیوان اور فوائد الفواد کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ فارسی اور عربی پر ان کو پورا عبور حاصل تھا، فارسی کے تو ایسے شاعر ہوئے کہ سعدی ہندوستان کے لقب سے مشہور ہوئے، عربی میں قواعد النحو کے نام سے ایک کتاب لکھی جو بہت مشہور ہوئی،[۱] ان کے ہم عصر مولانا ضیاء الدین برنی نے لکھا ہے کہ سلاطین، اکابر اور دہلی کے اولیاء اللہ کے بارہ میں ان کا علم بڑا وافر تھا۔[۲]

مولانا ضیاء الدین برنی کی وساطت سے خسرو اور حسن میں محبت و یگانگت پیدا ہوئی جیسا کہ وہ خود اپنی تاریخ فیروز شاہی میں لکھتے ہیں

دوام محبت در میان ایشان ہر دو استاد قرار گرفتہ شدہ[۳]

خود برنی کے تعلقات ان دونوں ارباب کمال سے بڑے گہرے اور مشفقانہ رہے، چنانچہ وہ خود لکھتے ہیں کہ ان دونوں کو میرے بغیر اور مجھ کو ان دونوں کے بغیر چین حاصل نہ ہوتا تھا۔[۴]

خسرو کی طرح حسن کی شاعری کی بھی شہرت ان کی کمسنی ہی میں ہر طرف پھیلی، یہ تو تمام تاریخوں اور تذکروں میں ہے کہ وہ خسرو کے ساتھ شہزادہ محمد سلطان کے دربار سے وابستہ ہوگئے لیکن پہلے ہم فوائد الفواد کے حوالہ سے یہ ذکر کر چکے ہیں کہ شہزادہ بغرا خان اپنے باپ کے ساتھ لکھنوتی کی مہم پر گیا تو اس سفر میں حسن اپنے عزیز مولانا شمس دبیر کے ساتھ تھے،[۵] اسی مہم میں

---

۱ دیباچہ دیوان حسن دہلوی ص ۲۰ ۲ تاریخ فیروز شاہی ص ۳۶۰ ۳ تاریخ فیروز شاہی ص ۳۶۷، فرشتہ جلد دوم ص ۴۰۲، بعض نے حسن کے حسن و جمال اور خسرو کی شیفتگی کی جو روایت لکھی ہے، اس کی ناقدانہ تردید مسعود حسن محوی نے دیوان حسن سجزی دہلوی کے دیباچہ (ص ۶۷-۶۸) اور ڈاکٹر وحید مرزا نے اپنی کتاب دی لائف اینڈ ورکس آف امیر خسرو (ص ۵۰-۵۱) میں کر دی ہے ۴ تاریخ فیروز شاہی ص ۳۶۰ ۵ فوائد الفواد ص ۱۲۰

خسرو بھی شہزادہ بغراخان کی معیت مین لکھنوتی گئے، خیال ہوتا ہے کہ شاید حسن بھی خسرو کے ساتھ شہزادہ بغراخان کے یہان سامانہ جاکر اس کے ندیم خاص ہوگئے ہون، اور اس کے جلو مین لکھنوتی گئے ہون لیکن خسرو کی طرح وہ بھی لکھنوتی مین نہ ٹھہرے، اور دہلی آگئے، لکھنوتی کی فتح پر شہزادہ محمد سلطان باپ کو تہنیت اور مبارکباد پیش کرنے ملتان سے دہلی آیا، اور جب پھر اپنے اقطاع پر واپس جانے لگا تو جوہر شناس شہزادہ خسرو کے ساتھ حسن کو بھی ساتھ لیتا گیا، اور ان کو اپنا دوات دار مقرر کیا،[له] اور ان دونون جلیل القدر شعرا کی وجہ سے شہزادہ کی بزم ادب مین پانچ سال تک بڑی گرماگرمی رہی، دونون نے اپنی کمسنی کے باوجود شہزادہ کی سرپرستی مین اپنی اپنی نظم ونثر کے کمال کا اچھی طرح اظہار کیا، شہزادہ نے بھی ان دونون کو اپنے جود وسخا سے خوب سیراب کیا اور ان دونون سے زیادہ کسی اور کو اس سے تقرب حاصل نہین رہا، مولانا ضیاء الدین برنی لکھتے ہین،

"امیر خسرو اور امیر حسن اس کی (یعنی شہزادہ محمد سلطان کی) ملازمت مین تھے، اور پانچ سال تک ملتان مین اس کے ساتھ رہے، اور شہزادہ کے ندیم کی حیثیت سے اس سے وظیفہ اور انعام پاتے رہے، شہزادہ مین جو دانشمندی تھی اس کی بنا پر اس نے اپنی چند مجلسون مین ان دونون شاعرون کے فضل وکمال عقل اور ہنر کا اندازہ کرلیا، اور اپنے تمام ندیمون مین سے ان کو خاص طور پر پسند کیا، اور ان دونون اساتذہ کی نظم ونثر نے اس کو خوش رکھا، اور اس نے بھی ان کو اپنے مخلصون مین شمار کیا، اور دوسرے ندیمون کے معاملہ مین ان کے ساتھ زیادہ لطف کا اظہار کیا، اور ان کو زیادہ انعام اور زیادہ بہتر کپڑے دیے" (ص)

لیکن پانچ سال کے بعد ان ارباب کمال کی بزم درہم برہم ہوگئی جیسے کہا جاچکا ہے کہ

له تاریخ فرشتہ ۲۵ ص ۲۰۷

شہزادہ محمد سلطان چنگیز خانیون کے خلاف ایک معرکہ مین لڑتا ہوا شہید ہوا، مولانا شبلی شعر العجم (ج ۲ ص ۱۱۱) مین تحریر فرماتے ہیں کہ امیر خسرو اور حسن دہلوی بھی اس معرکہ مین شریک تھے، چنانچہ تاتاری ان کو گرفتار کرکے بلخ لے گئے۔[1] خسرو کی طرح حسن پر بھی شہزادہ کی شہادت کا بڑا گہرا اثر پڑا، اور انھون نے اپنے غم و الم اور کرب و اضطراب کا اظہار ایک منثور مرثیہ مین کیا، جو خسرو کے منظوم مرثیہ کی طرح بے حد مقبول ہوا، ان دونون مراثی کو ہم پہلے نقل کر چکے ہین، شہزادہ کی شہادت کے بعد حسن دہلی آکر گوشہ نشین ہوگئے اور اپنے مربی اور سرپرست شہزادہ کی یاد مین گھلتے رہے، اور ایک مدت کے بعد شاہی دربار سے وابستہ ہوئے، جیسا کہ سلطان علاء الدین خلجی کے سلسلہ مین آیندہ جلد مین ان کا ذکر آئے گا۔

---

[1] جناب مسعود علی صاحب محوی لکھتے ہین کہ ہمیں ابتک کوئی ایسا مواد نہیں ملا جس کی بنا پر یہ کہہ سکیں کہ امیر حسن بھی قطعاً شریک معرکہ اور گرفتاری اور قید میں امیر خسرو کے ساتھ تھے، ہمارے مکرم استاد مولانا شبلی مرحوم نے حیات خسرو میں ایک فقرہ تحریر فرمایا ہے جس سے یہ شبہہ ہوتا ہے کہ حسن کو بھی تاتاری گرفتار کرکے بلخ لے گئے تھے ...... اگر مولانا مرحوم کا مقصد دونون حضرات کی گرفتاری سے ہے تو غالباً مولانائے موصوف نے کسی سند کی بنیاد پر ایسا تحریر فرمایا ہوگا، جس سے ہم ناواقف ہین،

Marfat.com

معزالدین کیقباد

۶۸۶ھ - ۶۸۹ھ
۱۲۸۷ء - ۱۲۹۰ء

غیاث الدین بلبن کی وفات کے بعد ۶۸۶ھ میں دہلی کے تخت پر اس کے لڑکے نصیرالدین محمود بغراخان کے بجائے اس کا پوتا یعنی بغراخان کا لڑکا کیقباد بیٹھا۔ بغراخان لکھنوتی میں خود مختار آزاد حکمران بنا رہا۔ تخت نشینی کے وقت کیقباد کی عمر سترہ اٹھارہ برس کی تھی۔ اس نے اپنا لقب معزالدین اختیار کیا۔ شاہانہ حسن وجمال کے علاوہ شروع میں پاکیزہ عادت واخلاق کا بھی حامل تھا۔ ضیاء الدین برنی کا بیان ہے،

"سلطان معزالدین بادشاہزادہ صاحب مکارم اخلاق بود وطبع نظم وخلقے پاکیزہ وجمالے وافر داشت۔" (ص ۱۲۶)

جب تک بلبن کے زیر سایہ رہا اس کو لہو ولعب سے باز رکھا گیا۔ حسین عورت اور شیشہ وپیمانہ پر اس کی نظر پڑنے نہ دی گئی۔ اس کے اتالیق اس کو شائستہ اور مہذب بنانے میں برابر مشغول رہے۔ اسکے اٹھنے بیٹھنے، رہنے سہنے اور بولنے چالنے میں پورے آداب شاہی کا خیال رکھا گیا۔ شہزادہ کے لیے جو ضروری تعلیم ہونی چاہیے وہ سب اس کو دی گئی۔ فوجی تعلیم میں اس نے تیر مارنا، چوگان کھیلنا اور نیزہ چلانا خاص طور پر سیکھا۔ اس حربی تعلیم کے علاوہ اساتذہ اس کو علم وادب پڑھانے اور خطاطی سکھانے کے لیے برابر مامور رہے۔ اس کو شعر وشاعری کا ذوق فطری طور پر ودیعت ہوا تھا[1] لیکن کتب سے

[1] برنی ص ۱۲۷، فرشتہ ج ۱ ص ۸۳۔

Marfat.com

اٹھا کر یکایک اس کو ایک عظیم الشان سلطنت کے تخت پر لا کر بٹھا دیا گیا، تو اس کا رنگ بالکل ہی بدل گیا، وہ شیشہ و ساغر، شاہد و ساقی اور طرب و نشاط میں ایسا مبتلا ہوا کہ بلبنی دربار کا سارا رعب و دبدبہ، اور جلال و وقار جاتا رہا، اس کمسنی میں وہ حکمرانی کیا کر سکتا تھا، اس کی رنگینیوں اور سرمستیوں کا سارا سامان فراہم کر کے ملک نظام الدین باربک سلطنت کا گویا مختار کل بن بیٹھا، بغرا خان کو بیٹے کی بے راہ روی کی خبریں موصول ہوئیں تو اس کو بڑا دکھ ہوا، پہلے تو اس کو شفقت آمیز خطوط لکھ کر غفلت سے بیدار کرنا چاہا، لیکن وہ بے غل و غش عیش کرنا چاہتا تھا، اس لیے باپ کے پند و نصائح کا خیال مطلق نہیں کیا،

باپ نے جب صورت حال زیادہ بگڑتے دیکھی تو بیٹے کو راہ راست پر لانے کی خاطر ایک لشکر لے کر لکھنوتی سے اودھ کی طرف چلا، اس کا مقصد لشکر کشی نہ تھا، لیکن ملک نظام الدین چوکنا ہوا، اور وہ بھی کیقباد کے جلو میں ایک بڑی فوج کے ساتھ دہلی سے اودھ کی سمت بڑھا، اس فوج کا پہلا پڑاؤ دہلی کے قریب قصبہ سیری میں ہوا، لشکر کے میمنہ یعنی دائیں بازو نے تلپٹ میں خیمے ڈالے جو دہلی سے پانچ چھ کوس پر اس وقت ایک مشہور پرگنہ تھا، اور اب متھرا جانے والی سڑک پر محض ایک گاؤں ہے، لشکر کے میسرہ یعنی بائیں بازو کا کیمپ اندپت میں نصب کیا گیا، یہ نواح دہلی میں ایک قصبہ تھا، جہاں بعد میں فیروز شاہ تغلق نے اپنا شاہی محل بنایا، لشکر کا قلب جس میں زیادہ تر ہاتھی تھے، اندپت اور تلپٹ کے درمیان مقیم ہوا، کیقباد بادل ناخواستہ اپنے عشرت کدہ سے نکل کر فوج کے ساتھ چلا، اور پہلی منزل تلپٹ اور افغان پور کے حدود میں کی، افغان پور اس مقام سے جو بعد میں تغلق آباد کہلایا تین کوس مشرق کی طرف واقع تھا، یہاں دو روز ٹھہر کر لشکر آگے بڑھا، اور دریائے جمنا کو پار کر کے جیور پہنچا، جو ضلع بلند شہر کے مضافات کا ایک قصبہ ہے[1]،

[1] یہ تفصیل بھی قران السعدین سے اخذ کر کے لکھ رہے ہیں تاکہ آئندہ اس مثنوی کے سمجھنے میں ناظرین کو آسانی ہو۔

Marfat.com

ملک نظام الدین باربک یہاں سے ہراول لشکر لے کر آگے بڑھ گیا۔ اور گنگا عبور کر کے دریائے سرجو کے قریب جا پہنچا۔ اور یہیں کڑہ اور اودھ کے اقطاع دار اپنی اپنی فوجوں کے ساتھ اس سے آکر ملے، دریا کی دوسری جانب بغرا خان کی فوج تھی۔ اس نے نظام الدین باربک کا لشکر دیکھا تو اس کو غصہ اور اشتعال پیدا ہوا لیکن صبر سے کام لے کر اپنے وزیر شمس الدین کو اس کے پاس اس پیام کے ساتھ بھیجا کہ اگر وہ لڑائی پر آمادہ ہے، تو وہ نمک حرامی کا ثبوت دینا چاہتا ہے، نظام الدین باربک نے کہلا بھیجا کہ وہ اپنے آقا کے حکم کی تعمیل کر رہا ہے لیکن حضور کو دور سے بھی دیکھوں گا تو از راہ تعظیم ہٹ جاؤں گا۔ یہ جواب سن کر بغرا خان کو کچھ اطمینان ہوا۔ اسی اثنا میں کیقباد بھی نظام الدین باربک کے پاس اودھ آ پہونچا۔ اور اس کا خیمہ گھا گرہ اور سرجو ندی کے بیچ میں لگایا گیا۔ بغرا خان نے کیقباد کو سرجو کے کنارے سیر و تفریح کرتے دیکھا تو غایت محبت پدرانہ میں اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور ایک کشتی میں اپنے حاجب کو بھیجا کہ اس کی طرف سے بیٹے کو شوق ملاقات کا پیام دے، اور اور جب کشتی سرجو ندی کے بیچ میں پہنچی تو اس کو ہدف تیر بنا کر ڈبو دیا گیا، حاجب بمشکل تمام اپنی جان بچا کر بغرا خان کے پاس واپس آیا، کیقباد کے ہمراہی باپ بیٹے کی ملاقات پسند نہ کرتے تھے، اسی لیے یہ کشتی راستے ہی میں غرقاب کر دی گئی۔ اس واقعہ سے بغرا خان کو بڑا دکھ ہوا لیکن اس نے ضبط سے کام لیا۔ دوسرے دن پھر ایک پیامبر کو اس کے پاس بھیجا اور باپ بیٹے کے پاس کئی بار پیامبروں کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہا، بالآخر دونوں میں ملاقات طے پائی۔ بغرا خان نے پہلے اپنے چھوٹے لڑکے کیکاؤس کو نادر تحفے، اسلحہ اور ہاتھی دے کر کیقباد کے پاس بھیجا جس نے اس کی خاطر مدارات میں جشن منایا، پھر اس نے اپنے لڑکے کیومرث کو تحفے دے کر باپ کی خدمت میں روانہ کیا، دادا نے پوتے کی بڑی آؤ بھگت کی، اور جب پوتا واپس جانے لگا تو دادا

Marfat.com

نے اس کو بھی بہت سے تحائف دیے، دوسرے دن بغرا خان خود اپنے بیٹے کے یہاں گیا، کیقباد نے باپ کی آمد میں اپنا دربار پورے تزک و احتشام سے آراستہ کیا، اور جب دونوں ایک دوسرے سے ملے تو بغل گیر ہو کر دیر تک زار و قطار روتے رہے، اور جب دونوں کے آنسو رکے تو باپ نے بیٹے کو اصرار کر کے تخت پر بٹھایا، اور دربار کی رسم کے مطابق خود دست بستہ تخت کے سامنے کھڑا ہوا لیکن کیقباد تخت سے فوراً ہی اتر آیا، پھر امرا نے دونوں بادشاہوں پر لعل و گہر نچھاور کیے، اس کے بعد دربار ختم کر دیا گیا، اس رسمی اور درباری ملاقات کے بعد نجی ملاقاتیں شروع ہوئیں، جن میں دونوں طرف سے تحفے بھیجے گئے، بیٹے نے باپ کی ایک دعوت بہت دھوم دھام سے کی جس میں رقص و سرود کا جشن بھی منایا گیا، اس موقع پر باپ نے ایک تاج، ایک تخت اور ایک ہاتھی بیٹے کو عطا کیا، اور بیٹے سے فرمایش کر کے لکھن کی یادگاروں میں سے چتر سپید اور کلاہ سیاہ اپنے لیے لی، ایک اور رات پھر دونوں میں ملاقات ہوئی جس میں باپ نے بیٹے کو رو رو کر بہت سی نصیحتیں کیں، وداعی ملاقات کے موقع پر بھی باپ نے کچھ رموز حکمرانی بتائے، اور جب رخصت ہونے کا وقت آیا تو دونوں کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، اور کیقباد کی نظروں سے ناصر الدین بغرا خان اوجھل ہو گیا تو وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگا، بغرا خان نے لکھنوتی کی طرف رخ کیا، اور کیقباد نے دہلی کی طرف مراجعت کی، اور جب وہ دہلی پہنچا تو کئی دن تک شاہانہ جشن ہوتا رہا، اور دہلی پہنچنے کے چھ مہینے بعد اس نے خسرو کو بلا کر اس تاریخی ملاقات کو منظوم کرنے کی فرمایش کی۔

پہلے کہا جا چکا ہے کہ شہزادہ محمد سلطان کی شہادت کے بعد خسرو دہلی اور پٹیالی میں آکر گوشہ نشین ہو گئے تھے سلطان معز الدین کیقباد جب تخت نشین ہوا تو اس موقع پر انھوں نے اس کی مدح میں ایک ترجیع کہا جس میں سات بند ہیں، اس کا آخری بند یہ ہے۔

Marfat.com

بادا جہان ہمیشہ بکامِ تو شہریار — شاہانِ روزگار غلامِ تو شہریار

محمود چون بدی شدی اندر پناہ ملک — محمود از تو باد مقامِ تو شہریار

ہموارہ بامِ فضل تو از دو فلک یکے — بانہ فلک یکے شدہ نامِ تو شہریار

آن ابلقِ زمانہ کہ کس ندہدش نشان — بربستہٴ دوال ستامِ تو شہریار

تا صیت دولت تو برد شرق را بغرب — باد صبا اسیر بکامِ تو شہریار

تا ہر زمان نشستہ چہ خوش بامراد و کام — ہر دم مئے مراد بکامِ تو شہریار

از ہفت شیشہٴ فلکی دور تو مدام — دآفاق مست دور مدامِ تو شہریار

خسرو ز جام جود تو سیراب گر بہست — امیدوار جرعہٴ جامِ تو شہریار

بادا ہمیشہ سکہٴ تو چون درم درست — بر روے سکہ خطبہ بنامِ تو شہریار

سلطان معز دنیا و دین کیقباد شاہ — یک دیدہ و دو مردمک چار بادشاہ

چار بادشاہ سے مراد یہاں پر غیاث الدین بلبن، ناصر الدین محمود (داماد بلبن) سلطان التمش (ناصر الدین محمود کا باپ) اور قطب ایبک (خسر التمش) ہے۔ کیقباد ان ہی کا جانشین تھا۔

تخت نشینی کے بعد خسرو کو اپنے دربار کی ملازمت کے لیے طلب کیا لیکن نظام الدین باربک کا دل ان سے صاف نہ تھا۔ اس لیے معزی دربار سے منسلک ہونا پسند نہین کیا۔ اور حاتم خان خان جہان کی منادمت اختیار کر لی جس نے ان کو لطف و کرم اور مال و دولت ہر طرح سے نوازا۔ وہ اس کے ساتھ اودھ مین دو سال رہے۔ اور جب کیقباد اپنے باپ سے اودھ مین ملا ہے تو اس وقت اپنے آقا کے ساتھ خسرو بھی موجود تھے۔ اور جس طرح باپ بیٹے ایک دوسرے سے مل کر مسرور ہوئے، اسی طرح خسرو اپنے پرانے مربی اور دوست شمس دبیر اور قاضی اثیر سے مل کر بے انتہا خوش ہوئے۔ جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے۔ بغراخان اور کیقباد کی

Marfat.com

جب دوسری ملاقات ہوئی تو شعرا نے اپنے اپنے قصیدے سنائے، خسرو نے بھی اپنا قصیدہ سنایا جس کے کچھ اشعار یہ ہیں:

زہے ملک خوش چون دو سلطان یکے شد
زہے عہد خوش چون دو پیمان یکے شد

دو چتر از دو سو سر بر آورد از در
زمین زان دو ابر دُر افشان یکے شد

پسر بادشاہ و پدر نیز سلطان
کنون ملک بین چون دو سلطان یکے شد

ز بہر جہان داری و بادشاہی
جہان دار دو شاہ جہانبان یکے شد

یکے ناصر عہد محمود سلطان
کہ فرمانش در چار ارکان یکے شد

دگر شہ معز جہان کیقبادے
کہ در ضبطش ایران و توران یکے شد

بدیو و پری گوسے لے باد اینک
دو وارث بملک سلیمان یکے شد[1]

کیقباد باپ سے مل کر دہلی واپس جانے لگا تو حاتم خان خان جہان کو اودھ کا اقطاع عطا کیا۔ خسرو بھی اپنے آقا کے ساتھ اودھ ہی میں ٹھہر گئے، لیکن کیقباد کے جانے کے چھ مہینے بعد ان کو وطن خصوصاً ماں کی یاد ستانے لگی چنانچہ وہ خان جہان سے اجازت لے کر دہلی پہنچے، اور ماں سے مل کر آنکھوں سے محبت کے دریا بہائے، ان کا دہلی پہنچنا تھا کہ دو روز کے کیقباد نے ان کو اپنے حاجب کے ذریعہ دربار میں طلب کیا، اور جب اس کے حضور میں حاضر ہوئے تو ایک قصیدہ خوش الحانی سے سنایا، جس کے کچھ اشعار یہ ہیں:

منت ایزد کہ شہ بر تخت سلطانی نشست
در دماغ سلطنت باد سلیمانی نشست

ز معز الدین والدنیا کہ از دیوان غیب
نام او بر نامۂ دولت بعنوانی نشست

---

[1] دستہ الحیوۃ علی گڈھ، اڈیشن ص ۱۳۔ مقدمہ مثنوی قران السعدین نوشتہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم میرٹھی، ص ۴۹
نیز دیکھو شعر العجم حصہ دوم ص ۱۱۰، منتخب التواریخ جلد اول ص ۱۴۰

کیقباد آن گوہر تاج کیان کز زخم تیغ — باج از ایران لیشد و بر تخت تورانی نشست
بخت را بنمود کاین پیشانی دولت کراست؟ — تاج زرینش کہ بر بالائے پیشانی نشست
قصہ دریا مگر بر گوہر والاے خویش — تا بگستاخی چرا بر تاج سلطانی نشست
بر سرش چون سائبان شد چتری گفت آسمان — سایہ را دیدی کہ با خورشید نورانی نشست
ابر صد بار آبروئے خویش را بر خاک ریخت — پیش ابر دستِ تو کاندر در افشانی نشست
بر در قصر چو فردوس تو رضوانِ بہشت — شاخ طوبی را عصا کرد و بدربانی نشست
دید قصر شاہ را با برج جوزا ہم کمر — بندہ خسرو چو عطارد در ثنا خوانی نشست
چشم تو بیدار دولت باد تا از عون بخت — جملہ بیداران بخسپند و تو بتوانی نشست[1]

خسرو کا خود بیان ہے کہ بادشاہ نے جب یہ قصیدہ سنا تو خلعت اور دو تھیلے دینار مرحمت کیے،

شہ کہ دُر چیدہ من دید تر — مہرہ بچید از ندمائے دگر
داد باحسان رہے بر درم — جاگی خاص و دو بدرہ درم[2]

اس کے بعد بادشاہ نے ان کو اپنا ندیم خاص بنا لیا، اور ان کا روزینہ بھی مقرر کر دیا پھر اس نے ان کی سخن وری کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ میری خواہش ہے کہ تم میری اور میرے والد کی ملاقات کا حال اس سحر بیانی سے نقل کر دو کہ جب میں والد کو یاد کر کے پریشان ہو جاؤں تو وہ نظم پڑھ کر اپنے کو تسلی دے لوں۔

---

[1] یہ قصیدہ غرۃ الکمال میں درج ہے جس میں تقریباً ۲۲ اشعار ہیں، اس کے شروع میں لکھا ہے کہ این مدح کیقباد کہ او نام و نہاد - فرازش بر جبیں کیان داغ امتثال جناب سید علی ہجویری اور مولانا اسمٰعیل میرٹھی دونوں کا خیال ہے کہ قصیدہ اس وقت پیش کیا گیا جب کیقباد نے خسرو کو اپنے دربار میں طلب کیا [2] قران السعدین ص ۲۲۳

گفت چناں باید م اے سحر سنج — کز پے من روے نہ پیچی ز رنج
جسم سخن را بہ ہنر جان دہی — شرح ملاقات و سلطان دہی
نظم کنی جملہ بہ سحر زبان — قصۂ من باید رہبر بان
تا اگرم ہجر در آرد زپائے — آیدم از خواندن آں دل بجائے

اور ابھی خسرو نے کوئی جواب بھی نہیں دیا تھا کہ بادشاہ نے خازن دولت کو اشارہ کیا کہ وہ ان کو اپنے ساتھ لے جا کر اشرفیاں اور خلعت شاہانہ عطا کرے،

این سخنم گفت و گنج رجود — از نظر لطف اشارت نمود
برد مرا خازن دولت چو باد — مہر زر و خلعت شاہیم داد

خسرو اپنی آیندہ خدمت کا بیشگی صلہ پا کر بے حد متاثر ہوئے اور گھر آکر اس خدمت کی بجا آوری میں ہمہ تن مصروف ہو گئے،

ان کی عمر اس وقت ۳۶ سال کی تھی، تحفۃ الصغر اور وسط الحیٰوۃ میں اساتذہ کے رنگ میں قصیدے اور غزلیں کہہ کر اپنا کمال دکھا چکے تھے، چھوٹی چھوٹی مثنویاں بھی کہی تھیں، لیکن اب تک کوئی طویل مثنوی لکھ کر اپنی جودت طبع کا اظہار نہیں کیا تھا، نظامی گنجوی کی مثنوی نگاری کو پسند تو کرتے تھے لیکن اس سے مرعوب تھے، اس لیے اس فن کو ہاتھ لگانا بہت ہی مشکل کام سمجھتے تھے، خود کہتے ہیں:

در ہوس مثنویت در دل ست — حل کنم این بر تو کہ بس مشکل ست
در روے کز تو نیاید مرو — گفت بدم مشنو و نیکو شنو
نظم نظامی بہ لطافت چو دُر — وز دُر او سر بسر آفاق پُر
پس چو تو کم مایۂ لبیار لاف — در شمری مہرۂ خویش از گزاف

چیست درآن کم کہ بگوئیش باز | تا چہ نگفت ست کہ گوئیش باز
پختہ ازو شد چو معانی تمام | خام بود پختن سودائے خام
زین دو خیالی کہ ترا گفتہ ترست | جستن آن مایہ خیال کژ ست
بگذر ازین خانہ کہ جائے تو نیست | وین رہ باریک بپائے تو نیست[1]

پھر بھی کیقباد کی فرمائش پر انھون نے اپنی جدت پسند طبیعت پر بھروسہ کرتے ہوئے اس فن مین بھی طبع آزمائی کی، چھ مہینے خون جگر پی پی کر تین ہزار نو سو چالیس اشعار[2] کی ایک مثنوی لکھی، اور قران السعدین نام رکھ کر کیقباد کی خدمت مین پیش کی، یہ رمضان المبارک ۶۸۸ھ مین ختم کی گئی تھی،[3]

اس کے خاتمہ کا پہلا حصہ بعد مین اضافہ کیا، اس وقت ان کی عمر چالیس اور پچاس کے درمیان تھی،[4]

اوپر ابھی کہا گیا ہے کہ خسرو کو یہ مثنوی لکھنے مین ہچکچاہٹ اور گھبراہٹ تھی، لیکن جب قران السعدین ختم کی تو فخر و پندار محسوس کرنے لگے، خود لکھتے ہین:

دید چو این مثنوی بیش را | تیر قلم کرد سر خویش را
ہر یک ازین بیت کہ جنت وش ست | شد خوشی دل کہ چو جنت خوش ست[5]

اوران کو اپنی مثنوی نگاری کی کامیابی پر کچھ ایسا سرور حاصل ہوا کہ شاہانہ انعام واکرام

[1] قران السعدین علی گڈھ اڈیشن ص ۴۸-۴۹ [2] ایضاً ص ۲۳۰، علی گڈھ اڈیشن مین ۴۵۲ اشعار کم ہین،
[3] ایضاً ص ۲۳۰ [4] مولانا اسمٰعیل میرٹھی نے لکھا ہے کہ اس وقت خسرو کی عمر ۵۰ سال کی ہوگی (مقدمہ قران السعدین ص ۶۵)
ڈاکٹر وحید مرزا لکھتے ہین کہ اس وقت ان کی عمر چالیس سال کی تھی، (دی لائف اینڈ ورکس آف امیر خسرو)
[5] قران السعدین ص ۲۲۶

سے بے نیاز اور مستغنی ہو گئے، کہتے ہیں کہ

ہر ہمہ دانند کہ چندیں گہر | کس نفشاند بد و سہ بدرہ زر
در دہدم گنج فریدون و جم | ہدیۂ یک حرف بود بلکہ کم
کامم ازیں نامۂ عنوان کشائے | نام بلندست کہ ماند بجائے[1]

یہ فخر و مباہات بے جا نہیں، اس مثنوی کو لکھے ہوئے تقریباً سات سو برس گذر گئے، لیکن آج بھی یہ اپنی جدت ذہنی، واقعہ نگاری، سحر بیانی، وصف نگاری، تخیل آفرینی، تمثیل نگاری اور لفظی صنعت گری کے لحاظ سے ادب العالیہ میں شمار کیے جانے کے لائق ہے، یہ ۱۸۸۵ء میں پہلے نولکشور پریس میں چھپی، پھر اس کا ایک عمدہ اڈیشن نظام حیدرآباد دکن کی سرپرستی میں ۱۹۱۸ء میں آرٹ پیپر پر دیدہ و زیب طباعت و کتابت کے ساتھ علی گڈھ سے شائع ہوا، اور گو اس کا متن ۲۵۶ صفحے ہی پر مشتمل ہے، لیکن اس پر مولانا اسمٰعیل میرٹھی مرحوم نے ۱۶۶ صفحے کا ایک مقدمہ لکھا، جس کے بعد کسی مزید تبصرہ کی گنجایش نہیں تھی، مگر جو تھوڑی بہت کمی رہ گئی تھی اس کو جناب سید حسن برنی نے ۱۶ صفحے کی تمہید لکھ کر پورا کیا، مولانا اسمٰعیل نے اس مثنوی کو اتنے مختلف زاویوں سے مطالعہ کیا ہے کہ ان کے مقدمہ کو پڑھ کر یہ کہنے میں تامل نہیں کہ آیندہ نسلوں میں خسرو کے کلام کو سمجھنے والا ایسا دیدہ ور اہل قلم پیدا نہ ہو سکے گا، اس مقدمہ اور جناب سید حسن برنی کی تمہید کے بعد اس عاجز راقم کے لیے قران السعدین پر لکھنے کو کچھ باقی نہیں رہ جاتا، پھر بھی ناظرین کو اگر ذیل کی سطروں میں ایک دو باتیں بھی نئی نظر آجائیں تو راقم کو اس کی محنت و کاوش کا صلہ مل جائے گا،

مثنوی کے قصہ کا خلاصہ ہم شروع میں پیش کر چکے ہیں، یعنی یہ کہ ناصر الدین بغرا خاں اپنے

---

[1] قران السعدین ص ۲۳۹

لڑکے کیقباد کی بے راہ روی اور رندی کی خبریں سن کر اس کو راہ راست پر لانے کے لیے دار السلطنت لکھنوتی سے ایک لشکر کے ساتھ دہلی کی طرف روانہ ہوا، کیقباد سمجھا کہ باپ کی طرف سے یہ فوج کشی ہے، اس لیے وہ بھی اپنا لشکر لے کر دہلی سے چلا، باپ بیٹے کی ملاقات اودھ میں ہوئی اور پھر دونوں ایک دوسرے سے مل کر اپنے اپنے دار السلطنت کو لوٹ گئے، خسرو کو اسی غیر دلچسپ اور خشک واقعہ کو مثنوی میں منظوم کرنا تھا، ان کے سامنے گوناگوں مشکلات تھیں، طویل مثنوی لکھنے میں مہارت نہ تھی، پھر قصہ کے پلاٹ میں کوئی دلآویزی اور رومانیت نہ تھی، ایک تاریخی واقعہ کی کثافت و خشکی کو لطافت و رنگینی میں اس طرح تبدیل کرنا تھا کہ ایک سرمست اور رند مشرب بادشاہ بھی خوش ہو اور خود ان کی شاعرانہ عظمت بھی دوبالا ہو، بالآخر اپنی طباعی اور سحرکاری سے ساری مشکلوں پر قابو پا لیا، اور جب ان کا قلم اعجاز رقم چل کر رکا تو یہ عشرت کے رنگ میں ڈوبی ہوئی مثنوی نہ صرف عیش پرست اور رنگیلے بادشاہ کو پسند آئی، بلکہ ایک اہم تاریخی لٹریچر بھی بن گئی اور فن وادب کے جلوہ صد رنگ سے بھی اس طرح معمور ہو گئی کہ ہر دور میں ارباب نظر اس کو پڑھ پڑھ کر سر دھنتے رہے، ذیل کی سطروں میں ہم پہلے اس کی تاریخی پھر ادبی حیثیت کا ناقدانہ مطالعہ کرنے کی کوشش کریں گے۔

مثنوی کی تاریخی حیثیت مولانا شبلی رقمطراز ہیں کہ قران السعدین کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ نظم اور لطائف نظم کی پابندی کے ساتھ تاریخی حیثیتیں تمام ملحوظ رکھی گئی ہیں، اس طرح کہ کوئی نثر لکھتا تو اس سے بڑھکر ان باتوں کو نہ لکھتا (شعر العجم حصہ دوم ص ۰۰۱) اور اسی خصوصیت کی بنا پر مورخوں نے کیقباد کے عہد کے ذکر میں اس مثنوی کو ایک مستند ماخذ قرار دیا ہے، بلکہ بعض لحاظ سے یہ اس عہد کا تنہا معاصر ماخذ ہے، مولانا ضیاء الدین برنی نے اپنی تاریخ فیروز شاہی میں کیقباد کا ذکر تفصیل سے کیا ہے لیکن وہ اس وقت سن شعور کو نہیں پہنچے تھے، بلکہ وہ عہد ان کے بچپن کا تھا، انھوں نے ناصر الدین بغرا خان اور کیقباد کی ملاقاتوں کی تفصیل قران السعدین ہی کو سامنے رکھ کر کی ہے،

Marfat.com

البتہ ناصر الدین بغرا کی روانگی کے بعد کیقباد کی رندی اور سرمستی کی جو تصویر کھینچی ہے وہ شاید خود ان کے شاعرانہ ذوق کا نتیجہ ہے، شاید قران السعدین ہی سے متاثر ہو کر کیقباد کی بوالھوسی اور عشرت پرستی کی مصوری ایسے انشاء پردازانہ انداز میں کی ہے کہ اس پر خود ان کو ناز ہو گیا، اور اس کو اپنی انشاء پردازی کا بہترین نمونہ قرار دیتے ہوئے اس کا نام قبۃ التواریخ رکھا، (تاریخ فیروز شاہی ص ۱۶۵)۔ ملا عبد القادر بدایونی نے بھی قران السعدین سے استفادہ کیا ہے اور اپنی تاریخ میں اس کا حوالہ دیا ہے[1]۔ فرشتہ نے تو اپنی تاریخ میں باپ بیٹے کی ملاقات کے ذکر میں جا بجا قران السعدین کے بہت سے اشعار بھی نقل کر دیے ہیں[2]، موجودہ دور کے مورخوں میں سر ہنری ایلیٹ نے اپنی مشہور و معروف تالیف ہسٹری آف انڈیا میں اور مستند تاریخوں کی طرح اس مثنوی کے بھی اقتباسات دس صفحوں میں دیے ہیں[3]، پروفیسر کوول نے ۱۸۶۰ء کے جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال میں اس مثنوی پر ایک مضمون لکھا تھا جس میں ان کا یہ بیان ہے کہ اس مثنوی میں تاریخی واقعات صحت کے ساتھ قلمبند کیے گئے ہیں[4]، کسی اور زبان

[1] منتخب التواریخ جلد اول ص ۱۶۰ [2] فرشتہ ص ۸۶ - ۸۵ [3] ایلیٹ جلد ۳ ص ۳۴ - ۵۲۴ [4] جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ۱۸۶۰ء ص ۲۲۷ - ۲۲۸، اس مضمون کے آخر میں پروفیسر مذکور نے اپنے کچھ غصہ کا بھی اظہار کیا ہے ان کو شکایت ہے کہ کیقباد کے بد طینت اور مکار وزیر نظام الدین کے متعلق خسرو نے اتنا کچھ نہیں لکھا ہے جتنا کہ ان کو لکھنا چاہیے تھا، اور اسکو انکی اخلاقی بزدلی پر محمول کیا ہے، خسرو کو خود نظام الدین سے بہت سی شکایتیں تھیں لیکن یہ انکی اخلاقی شرافت کی دلیل ہے کہ اس وزیر کو اپنے قلم سے مجروح نہیں کیا، پھر ایک عیش و عشرت میں ڈوبی ہوئی مثنوی میں وہ اگر اپنے تکدر اور غصہ کا اظہار کرتے تو اسکی رنگینی اور دلآویزی میں فرق آجاتا، پروفیسر مذکور کو یہ بھی شکایت ہے کہ اس مثنوی میں بہت سی ایسی چیزوں کی کمی ہے جس سے یہ واقعۃً ایک اچھی مثنوی نہیں کہلائی جا سکتی ہے ان کا یہ بھی خیال ہے کہ خسرو رفعت پسند اور تخیل بننے کی کوشش میں فطری باتوں سے تجاوز کر گئے ہیں، یہ اعتراض کہ قران السعدین اچھی مثنوی نہیں کہلائی جا سکتی ہے، بالکل قابل قبول نہیں، جیسا کہ ہمارے مباحث

(باقی ص ۳۳۵ پر)

کی تاریخی نظموں میں واقعات کی صحیح ترتیب کی ایسی مثال کم ملے گی......اس میں رزمیہ اور بزمیہ دونوں قسم کے اشعار کا دلچسپ امتزاج ہے۔"

مورخوں نے اس مثنوی کے صرف اسی حصہ کو زیادہ اہمیت دی ہے جس سے باپ بیٹے کی ملاقات کی تفصیل معلوم ہوتی ہے لیکن اس سے اور بھی بہت سی اثری، تمدنی اور عمرانی باتیں معلوم ہوتی ہیں، مثلاً اس کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شہر دہلی اس وقت تین حصار سے گھرا ہوا تھا، دو پرانے حصار تھے اور ایک نیا، نئے حصار سے غالباً کیلوکھری مراد تھا[1] یہ شہر اپنی خصوصیات کی وجہ سے قبۂ اسلام کہلاتا تھا، یہاں بڑے بڑے بزرگ تھے، ہر گھر اپنی زینت و آرایش کے لحاظ سے گوشۂ بہشت کا نمونہ تھا، اس کی صنعت کاری میں بکثرت روپے لگائے تھے،[2] پھر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہر پہاڑی پر واقع تھا، اس کے اردگرد دو دو میل تک باغ تھے، جن کی آبیاری دریائے جمنا سے ہوتی تھی، یہاں سردی اور گرمی دونوں زیادہ پڑتی تھی، پھول سال کے ہر موسم میں نظر آتے تھے، پھولوں سے چمن چاندی اور سونے کی طرح جگمگاتا رہتا تھا، روئے زمین پر سبزوں کی لہلہاہٹ سے سواد بہشت کا لطف آتا تھا، ہند و خراسان کے میووں سے بازار بھرا رہتا تھا، عام طور سے لوگ فرشتہ خصلت ہونے کے علاوہ صنعت، علم، ادب اور آہنگ و ساز سے دلچسپی رکھتے تھے، نیزہ، پیکان اور تیر کے فن کے بھی واقف کار تھے،[3]

(بقیہ حاشیہ ص ۳۳۴) سے اندازہ ہوگا پروفیسر مذکور نے شروع میں تو اس مثنوی کی بہت تعریف کی ہے لیکن آخر میں کچھ متضاد باتیں لکھ دی ہیں، شاید ان کو یہ خیال پیدا ہو گیا ہو کہ ایک مشرقی شاعر کے محاسن کو اپنے ناظرین کے سامنے اچھالنے کے بجائے زائل ہی کر دینا زیادہ بہتر ہے۔

[1] تمہید قران السعدین از جناب سید حسن برنی صاحب ص ۳۱ [2] قران السعدین ص ۲۵ [3] ایضاً ص ۱۳

Marfat.com

دہلی میں اس وقت تین چیزیں خاص طور پر نمایاں تھیں، مسجد جامع، منارہ اور حوض سلطانی۔ مسجد میں نو گنبد تھے، اس کے سامنے ستونوں کا سلسلہ مسقف نہ تھا، منارہ کے اوپر ایک قبہ تھا جس کا بالائی حصہ سونے کا تھا۔[۱] حوض شمسی دو پہاڑوں کے درمیان واقع تھا، اس کا پانی ایسا صاف اور شفاف تھا کہ رات کے وقت بھی اس کی تہ کی ریگ دکھائی دیتی تھی، پہاڑی زمین ہونے کے باعث اس کا پانی اندر جذب نہیں ہوتا تھا، اس کی موجیں دامن کوہ سے ٹکراتی تھیں، شہر کے تمام لوگ اسی کا پانی پیتے تھے، دریائے جمنا سے اس حوض تک بہت سی نہریں نکالی گئی تھیں اس کے بیچ میں ایک چبوترہ بنا ہوا تھا جس پر ایک عمارت بھی تھی، حوض کے مرغ و ماہی کی وجہ سے بڑا دلکش منظر رہتا تھا، اسی لیے یہاں شہر کے لوگ تفریح کے لیے آتے اور دامن کوہ میں خیمہ زن ہوتے تھے۔[۲]

جمنا کے کنارے کیلوکھری میں شاہی محل واقع تھا، جو آراستہ و پیراستہ ہونے کی وجہ سے بہشت معلوم ہوتا تھا، اس کا عکس دریا میں پڑتا تھا، نیچے کا حصہ اینٹوں سے بنا ہوا تھا جس پر آئینہ کی طرح صاف و شفاف چونے کا گچ تھا، اوپر کے حصہ میں سنگ سفید لگا ہوا تھا، اس کے ایک طرف دریا تھا، دوسری طرف باغ تھا جس کے درختوں کی شاخیں محل کے اندر آکر لٹکتی رہتی تھیں،

موسم بہار میں باغوں پر جو ایک عالم طاری رہتا تھا خسرو نے اس کی بھی مصوری کی ہے اور یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں سرو، شمشاد، سنبل، چنار، بید، گربہ بید کے علاوہ حسب ذیل پھولوں سے چمن آرائی ہوتی تھی،

سوسن، سمن، بنفشہ کبود، نرگس، لالۂ سرخ، ریحان، گل کوزہ، گل یالا، گل زرین، گل لعل، گل سفید، سپرغم، صدبرگ، نسترن، یاسمین، دوانہ، کردہ، نیلوفر، ڈھاک، پلاس، چمپا، جوہی

---

[۱] قران السعدین ص ۳۳ تمہید ص ۴ [۲] ایضاً ص ۳۳-۳۴

Marfat.com

کیوڑہ، سیوتی، گلاب، بیلا، مولسری وغیرہ۔[1]

کیقباد نے محل میں جس طرح جشن نوروزی منایا تھا، اس سے شاہی دربار کے تمدن کا اندازہ ہوتا ہے، اس موقع پر محل میں ہر قسم کی زینت و آرایش کی گئی، اس کے کنگرے بھی سجائے گئے، محل کی نو محرابوں میں زربفت کے پردے لٹکے ہوئے تھے، جشن گاہ میں پانچ چتر تھے، ایک سیاہ، دوسرا سپید، تیسرا سرخ، چوتھا سبز اور پانچواں پھولوں کا تھا، سیاہ چتر پر غیر معمولی نقش و نگار بنے تھے، اس میں جابجا موتی اس طرح لٹکے ہوئے نظر آتے تھے، جیسے سیاہ ابر میں بوندیں پڑ رہی ہوں، سفید چتر مدور تھا، اس کی چھت دروازے اور ستون سنہرے تھے، اور یہ بھی موتیوں سے جگمگا رہا تھا، سرخ چتر میں موتیوں کے علاوہ یاقوت بھی تھے، سبز چتر میں سبز اطلس لگائی گئی تھی، اس پر موتیوں سے ایک سبز سایہ دار اور بارآور درخت بنایا گیا تھا جو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمین کے سبزہ کو زمرد بنا رہا ہے، پھولوں کا چتر چمن کی طرح کھلا ہوا تھا، دریا کے دائیں بائیں سیاہ اور سرخ شاہی پرچم لہرائے گئے تھے، دونوں طرف دو ہزار گھوڑوں کی صفیں کھڑی کی گئی تھیں، گھوڑے جڑاؤ زیور پہنے تھے، دائیں طرف گھوڑوں پر سیاہ جھولیں پڑی تھیں، بائیں طرف کے گھوڑوں کی جھولیں سرخ تھیں، ان کے پیچھے ہاتھیوں کی صف تھی، ہاتھی اس طرح کھڑے تھے کہ گویا لوہے کے قلعہ پر آگ پڑی ہے، پھر دریا کے بیچ میں زر و جواہر سے ایک مصنوعی چمن بھی بنایا گیا تھا، مصنوعی درختوں کی شاخ میں پھل اس طرح لٹک رہے تھے، جیسے وہ ابھی ٹپک پڑیں گے، ان میں چڑیاں ایسی دکھائی دیتی تھیں کہ گویا ابھی ابھی اڑنا چاہتی ہیں، بہت سے درخت موم کے بھی بنائے گئے تھے، پھر ایسے دل فریب گلدستے بھی تیار کیے گئے تھے کہ سبزہ

---

[1] قران السعدین ص ۲۷، ۶۸، ۷۱، ۸۰۔ وہ اذکر نہ کے نام قران السعدین میں تو نہیں ہیں، لیکن مثنوی دول رانی خضر خان میں ہیں۔

لالہ، ریحان اور بید کا ایک چمن نظر آتا تھا، اس کے علاوہ زری کے کام سے بھی دربار کو جنت بنایا گیا تھا، اطلس، زربفت اور یاقوت کے پردے دیواروں پر لٹکے تھے، اس طرح کہ دیوار کے پتھر بھی یاقوتی رنگ کے معلوم ہو رہے تھے، فرش میں بھی موتی اور سونے کا کام تھا، غرضیکہ پورا محل سونے سے ایسا آراستہ کر دیا گیا تھا کہ فردوس بریں کا دھوکا ہوتا تھا، اور جب جشن منانے کے لیے بادشاہ کی آمد آمد کا غلغلہ ہوا تو چاؤشں نے نعرے لگائے، سہم الحشم یعنی بادشاہ کے محافظ دستے ادھر ادھر جنبش کرنے لگے، شحنۂ بارگاہ نے صفیں سیدھی کیں، کچھ دستے تلواریں لیے دائیں بائیں متعین ہو گئے، بادشاہ سونے کے تخت پر آ کر بیٹھا، تو اس کا تاج جگمگانے لگا، اس کی قبا میں سونے کی بہت سی صنعتیں دکھائی گئی تھیں، اس کے تاج، قبا اور پٹکے میں موتی اس طرح ٹکے ہوئے تھے کہ پٹکے کی جھلک کمر تک اور قبا کی گلے تک اور تاج کی سر تک تھی، اس کی آمد پر دربار کی زمین اور فضا نافۂ چینی سے معطر کر دی گئی، اور جب وہ تخت پر جلوہ افروز ہو گیا تو نذریں پیش ہونے لگیں، ان کا حساب لکھتا جاتا اور حاجب پکار پکار کر تفصیل بیان کرتا جاتا تھا،[1]

کیقباد نے باپ کی ملاقات کے موقع پر ایک بڑی شاندار دعوت دی، جس کو خسرو نے بہت لطف و لذت کے ساتھ بیان کیا ہے، اس سے اس زمانہ کے شاہی دسترخوان کے کھانوں کی تفصیل معلوم ہوتی ہے، خسرو رقم طراز ہیں کہ دسترخوان پر ایک ہزار سے زیادہ قسموں کی نعمتیں تھیں، شربت قند کے سیکڑوں پیالے رکھے گئے تھے، منہ کا مزہ بدلنے کے لیے شربت گلاب بھی تھا، انواع واقسام کے حلوے بھی تھے، نان تنک، نان تنوری، کاک کے علاوہ سنبوسے بھی تھے، پلاؤ کی بھی کئی قسمیں تھیں جن میں سے ایک میں مرغے اور دنگور پڑے تھے، بکرے، دنبے اور ہرن کے بھنے ہوئے

---

[1] خسرو نے جشن کی جو ترتیب لکھی ہے اس میں، راقم نے اپنی سہولت کے مطابق تقدیم و تاخیر کر دی ہے کسی شعر کا لفظی ترجمہ نہیں کیا گیا ہے، بلکہ تمام اشعار کو سامنے رکھ کر ان کا خلاصہ لکھ دیا گیا ہے۔ دیکھو ص ۸۵ - ۱۲

Marfat.com

گوشت کی مختلف شکلیں تھیں، پرندوں میں بٹیر، تیتر، تیہو اور چرز وغیرہ کے بھی گوشت تھے، آخر میں پان بھی تقسیم کیے گئے جس کی تعریف میں خسرو نے ایک علیحدہ عنوان قائم کیا ہے[1]۔

باپ بیٹے میں تحفے وہدایا کا جو تبادلہ ہوا، ان میں خاص خاص چیزیں یہ تھیں، عود، قرنفل، مشک ختن، عنبر، کافور، صندل خالص، زرد جواہرات، موتی، یاقوت، ہاتھی، گھوڑے، اونٹ، تیغ، شمشیر، تیر، کمان، تاتاری وخطائی غلام، حریر، پرنیان اور زربفت کے لباس وغیرہ، ان میں بعض ہندوستانی کپڑے اتنے باریک تھے کہ پہننے پر جسم نظر آتا تھا، اور بعض کپڑے ایسے بھی تھے جنکو لپیٹو تو انگلیوں کے ناخن میں آجائیں اور کھولو تو بہت بڑا تھان ہو جائے۔

جامۂ ہندی کہ ندانند نام | گر شنگی تن بنماید تمام
مانده به پیچیده بناخن نہان | باز کشائیش بپوشد جہان[2]

پوری مثنوی بقول جناب سید حسن صاحب برنی عشرت کے رنگ میں ڈوبی ہوئی اور سراپا مرقع عیش ہے لیکن اس سے اس زمانہ کے تمدنی حالات اس قدر معلوم ہوتے ہیں کہ اس عہد کی تہذیب وثقافت کا بھی یہ مرقع ہے۔

اس مثنوی کو ختم کرنے کے بعد رند مشرب کیقباد سے تکدر پیدا ہونے کے بجائے اس سے ایک خاص قسم کا لگاؤ پیدا ہو جاتا ہے، ممکن ہے کہ یہ خسرو کے سحرانگیز بیان کا اثر ہو لیکن مولانا ضیاء الدین برنی نے کیقباد کی رندی اور بوالہوسی کی جو تصویر کھینچی ہے وہ بھی انشاء پردازی کا ایک اچھا نمونہ ہے، مگر اس سے کیقباد سے رغبت پیدا نہیں ہوتی بلکہ صریحاً نفرت پیدا ہو جاتی ہے، حالانکہ مولانا ضیاء الدین برنی نے خود اس کے مجموعی اوصاف کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے:

---

[1] قران السعدین ص ۸۷-۱۰۳ [2] ایضاً ص ۱۳۲

Marfat.com

"سلطان معزالدین بادشاہے خوش طبع، صاحب مکارم وسہل گیر و آسان گذار بود

و قہر سطوت بادشاہی انقیاد و آئندہ متمردان و قوت ناکامان است در طبیعت او نبود.

و در بادشاہی خود ہمہ آسان وسہل گیر انگار فرمود و نخواست کہ مورچہ از و آزردہ شود......"[1]

قران السعدین کا ادبی جائزہ

یہ مثنوی بحر سریع میں لکھی گئی ہے، یعنی اس کی بحر وہی ہے جس میں نظامی گنجوی نے اپنی مشہور و معروف مثنوی مخزن الاسرار لکھی ہے، لیکن خسرو کی ایجاد پسند طبیعت نے اس میں اتنی مختلف قسم کی نئی باتیں پیدا کر دی ہیں کہ یہ اپنے رنگ کی ایک خاص مثنوی ہو گئی ہے، اور بقول جناب سید حسن برنی "یہ مثنوی فارسی لٹریچر میں اپنا جواب نہیں رکھتی، اور اپنے رنگ میں بالکل انوکھی کتاب ہے۔ اس مثنوی کے لیے خسرو کے سامنے کوئی نمونہ موجود نہ تھا، اور ہمارے علم میں خسرو کے بعد اس کا جواب نہیں لکھا گیا۔"[2]

پوری کتاب میں غزل اور مثنوی کی ترتیب اس طرح رکھی گئی ہے کہ نظم کے اصناف ثلثہ کا پورا لطف حاصل ہوتا ہے، خسرو قصیدہ نگاری اور غزل گوئی میں مہارت حاصل کر چکے تھے، اس لیے مثنوی میں قصیدہ اور غزل کا پیوند لگانا ان کے لیے کوئی مشکل کام نہ تھا، جہاں خشکی پیدا ہونے لگتی ہے وہاں موقع سے اس طرح مختلف بحروں کی غزلیں آ جاتی ہیں کہ یہ خشکی رنگینی میں بدل جاتی ہے، مثنوی کی ابتدا قصیدہ کے رنگ کے اشعار سے ہوتی ہے،

شکر گویم کہ بتوفیق خداوند جہان	بر سر نامہ ز توحید نوشتم عنوان
نام این نامہ والا ست قران السعدین	کز بلندیش بہ سعدین سپہرست قران

پھر عنوان کی سرخی ایک شعر لکھ کر قائم کی گئی، سرخی کے تمام اشعار یکجا لکھ دیے جائیں تو مستقل ایک قصیدہ بن جاتا ہے،[3] مثنوی کا آغاز اگر قصیدہ کے اشعار سے کیا گیا ہے تو اس کا خاتمہ

---

[1] برنی ص ۱۲۷، [2] تمہید قران السعدین ص ۵، [3] یہ التزام وسط الحیوٰۃ میں بھی رکھا گیا ہے۔

Marfat.com

غزل پر ہوا ہے، اس تنوع سے ایک خاص قسم کی رنگارنگی پیدا ہو گئی ہے۔ جناب سید حسن صاحب برنی رقمطراز ہیں کہ اس مثنوی میں غزلیں موقع بموقع اس طرح لکھی گئی ہیں کہ گویا خارجی واقعات کو مجرد جذبات کا جامہ پہنایا گیا ہے، اور ان کی خاص خوبی یہ ہے کہ جس داستان کے بعد آتی ہیں وہ اپنی حیثیت سے پچھلے واقعات کا اعادہ کرتی اور اگلی داستان کی طرف اشارہ کرتی ہیں[1]، پروفیسر کودل نے لکھا ہے کہ اس مثنوی میں ان غزلوں کی وہی حیثیت ہے جو ٹنی سن کی نظم "پرنسس" میں اس کے گیتوں اور یونانی ڈراموں میں "کورس" کی ہے[2]، مثنوی میں قصیدہ اور غزل کے پیوند لگانے کے سلسلہ میں مولانا اسمٰعیل فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک یہ جدت طرازی نہایت پرلطف و بامزہ ہے، مگر اس کی تقلید یک فنے شاعر کا کام نہیں، جو شاعر مثنوی، قصیدہ اور غزل ان سہ اصناف میں ید طولیٰ رکھتا ہو وہی خسرو کی تقلید کر سکتا ہے، علاوہ بریں حضرت خسرو کو اس مثنوی کا ممدوح بھی خوش قسمتی سے ایسا ہاتھ لگا ہے کہ ساقی ومغنی وشاہد و بادہ و ساغر کا ذکر محتاج تکلف نہیں، بلکہ اس کی بزم کا ایک معمولی ہنگامہ ہے، انوری کی طرح خسرو کو یہ شکایت ہرگز نہ تھی کہ

نیست معشوقے سزاوار غزل[3]

مثنوی میں قصہ کے علاوہ بظاہر بہت سی غیر متعلق باتیں نظر آتی ہیں، اور یہ غیر متعلق چیزیں وہی ہیں جو خسرو نے وصف نگاری کے سلسلہ میں لکھی ہیں، اور اس طرح ان کو ان چیزوں کا وصف بیان کرنا پڑا ہے جس سے قصہ کا تسلسل قائم نہیں رہتا ہے، اور اسی کے ساتھ ان اوصاف کا بیان اصل قصہ سے زیادہ بڑھ گیا ہے، اس نقص کا احساس خسرو کو خود ہی تھا، لیکن وہ کہتے ہیں کہ قصہ میں کوئی

---

[1] تمہید مثنوی قران السعدین ص ۲۸-۳۰

[2] جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، نمبر ۳ ۱۸۶۰ء ص ۲۲۸

[3] مقدمہ مثنوی قران السعدین ص ۰

جان نہ تھی[1]۔ اسی لیے ایک پھیکے اور بدمزہ قصے کی بے مائگی کو دور کرنے کے لیے انھوں نے مختلف اشیا کا وصف بیان کرنا شروع کیا، لیکن اپنی سحر کاری اور اسلوب بیان کی تازگی سے کچھ ایسا کام لیا کہ بنفسہ ان کی مثنوی کا وصف بن گیا، اور یہ وصف نگاری اتنے متنوع اور گوناگون مضامین پر مشتمل ہے کہ ہر شخص کو اپنے اپنے ذوق اور جذبات کی تسکین کے لیے اس میں پورا سامان مل جاتا ہے۔ کہیں تاریخی عمارتوں کا ذکر ہے تو کہیں فصل خزاں میں نرگس و لالہ کی بے نوری اور زاغ و زغن کی ہنگامہ خیزی کا بیان ہے۔ کہیں موسم بہار میں شاخ گل کی شمیم انگیزی اور عندلیب و قمری کی نغمہ سرائی کی منظر کشی ہے تو کہیں نوروز کی نشاط انگیزی اور اس کے جشن کے کیف و انبساط کی نقاشی ہے، کہیں تیغ و دورباش اور تیر و کمان کی قلمی تصویریں کھینچی گئی ہیں تو کہیں ہاتھی، گھوڑے، کشتی خربزے، قلم، دوات، کاغذ پر مسلسل نظمیں لکھی گئی ہیں، کہیں بادہ و ساغر کی گردش اور جام و مینا کے ذریعہ مدہوشی و سرمستی، چنگ و رباب، دف و نے اور مطرب و مغنیہ کے طرب و نشاط کی نقش آرائی ہے، تو کہیں چتر مرصع، تاج مکلل، اور تخت زریں کی وصف نگاری ہے، کہیں انواع و اقسام کے لذیذ کھانوں کی تفصیل ہے، تو کہیں مختلف برجوں کی بھی سیر کرائی گئی ہے۔ قران السعدین کی یہی بوقلمونی اور رنگا رنگی اس کو فارسی زبان میں ایک امتیازی درجہ بخشتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض بعض چیزوں مثلاً کاغذ، قلم، دوات اور خربزہ کا جو وصف بیان

---

[1] خسرو گویا معذرت کرتے ہیں (۲۵۴)

چون سخن از لطف نشانے نداشت ۔۔۔ کالبدش صورت جانے نداشت

وصف بر آن گونہ فرو راندہ ام ۔۔۔ کز غرض قصہ فرو ماندہ ام

زال تکلف زدمش بر جمالی ۔۔۔ نغز نماید نگر اندر خیال

عیب چنان نیست کہ بنہفتہ ام ۔۔۔ کانچہ بگو مید ہمہ گفتہ ام

Marfat.com

کیا گیا ہے۔ اس سے موجودہ ذوق کو تسکین نہیں ہوتی ہے، بلکہ بقول مولانا شبلیؒ اس میں تکلف اور مضمون آفرینی کا رنگ چڑھ گیا ہے، مگر مجموعی حیثیت سے تمام ارباب کمال نے خسرو کی وصف نگاری کی داد دی ہے، مولانا شبلیؒ فرماتے ہیں کہ ایشیائی شاعری پر یہ عام اعتراض ہے کہ خاص خاص چیزوں پر نظمیں نہیں لکھی گئیں، مثلاً قلم، کاغذ، کشتی، دریا، شمع، صراحی، جام، خاص خاص میوے، اور پھولوں وغیرہ وغیرہ پر ایسی مسلسل اور لمبی نظمیں نہیں ملتیں جن سے ان کی تصویر آنکھوں میں پھر جائے، امیر خسرو نے ایشیائی شاعری کی اس کمی کو پورا کر دیا ہے، انھوں نے قران السعدین میں اکثر اسی قسم کی نظمیں لکھی ہیں اور اس کتاب سے ان کا بڑا مقصد اسی قسم کی شاعری کا نمونہ قائم کرنا تھا۔[۱]

مولانا اسمٰعیل میرٹھی رقم طراز ہیں کہ خسرو نے اس مثنوی کو وصف نگاری کے ذریعہ سے نگارستان بنا دیا کہ شاہ و گدا سب کے لیے موجب انبساط خاطر ہو۔[۲] ڈاکٹر وحید مرزا لکھتے ہیں کہ خسرو نے ایک مشکل کام میں ہاتھ لگایا، اور یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ انھوں نے اس کام کو حسن و خوبی سے انجام دیا، ممکن ہے کہ اس مثنوی میں یہاں وہاں کچھ چیزیں بے جوڑ معلوم ہوں، کچھ چیزیں ایسی بھی نظر آئیں جن پر ضرورت سے زیادہ زور دیا گیا ہو، یا غیر ضروری طور پر ان کو نمایاں کیا گیا ہو لیکن مجموعی حیثیت سے پوری مثنوی میں ہم آہنگی اور ہمواری ہے جس کو ایک بہت ہی مشاق آرٹسٹ ہی نباہ سکتا تھا۔[۳]

اس مثنوی میں نادر تشبیہات و استعارات کی مثالیں اتنی کثرت سے ملتی ہیں کہ ان کو سمیٹنا آسان نہیں، پھر بھی ہم یہاں پر ناظرین کی ضیافت طبع کے لیے دو چار مثالیں پیش کرتے ہیں، آفتاب کی صفت بیان کرتے ہوئے اس کو کبھی تو گازر آلودگی آب و خاک (پانی اور مٹی کی

---

[۱] شعر العجم جلد دوم ص ۱۰۱ [۲] مقدمہ قران السعدین ص ۲۰ [۳] دی لائف اینڈ ورکس آف امیر خسرو ص ۱۷۰

کثافت کا دھونے والا) کبھی چشمۂ آتش کبھی طفل کہن سال، کبھی آہوئے پوئیدہ، کبھی شاہ جہانگیر اور کبھی بیلک گردون گزار (آسمان مین پیوست ہو جانے والا پیکان) کہتے ہین، اور اس کی شعاعون کو کبھی "لعاب روان"، کبھی قرطۂ زرد (زرد لباس) کبھی جبۂ مسکین اور کبھی شمشیر تیز اور کبھی خنجر سے تعبیر کرتے ہین، ایسے اشعار ملاحظہ ہون:

روے زمین کردہ بیک چشمۂ پاک — گازر آلودگی آب و خاک

چشمۂ آتش نشنیدہ است کس — چشمہ بر آن آب ندیدہ است کس

حسب ذیل شعر مین یہ کہنا چاہتے ہین کہ آفتاب جاذب رطوبت بھی ہے تو یہ پیرایۂ بیان اختیار کرتے ہیں،

چشمہ کہ دادہ آب فراوان شود — آب خورد چشمہ عجب آن بود

اس شعر مین آفتاب کو "طفل کہن سال" اور اس کی شعاع کو لعاب روان کہکر آسمان کو اس کی دایہ کہتے ہین

طفل کہن سال ولعابش روان — دایۂ او چرخ و سے مہربان

اس مطلب کو کہ موسم سرما مین غریب آفتاب کی روشنی مین پناہ لیتے ہین، اس اچھوتے طریقہ پر ادا کرتے ہیں:

قرطۂ زردش کہ ز خز دبافتہ — جبۂ مسکین ہمہ زو یافتہ

اسی طرح یہ کہنا چاہتے ہین کہ آفتاب کی روشنی ہر جگہ پہنچتی ہے، تو کہتے ہین کہ آفتاب کا کام شیر یعنی برج اسد سے نکل کر ہرن کی طرح ہر طرف چوکڑی بھرتا رہتا ہے،

آہوئے پوئیدہ وبیالا وزیر — خانۂ خود ساختہ در کام شیر

اسی قسم کے اور اشعار یہ ہیں:

Marfat.com

شاہ جہانگیر بہ شمشیر تیز — چتر سیاہ شب از و در گریز
لشکر انجم ہمہ چرخ کبود — او بکشد خنجر و گوئی نبود
شمع و چراغے کہ بود شب فروز — کشتہ شود گر برون آید بروز
الغرض آن بیلک گردون گرا — رفت چو بر چرخ یک تاج وار

ہاتھی کی صفت بیان کرتے ہوئے ہاتھی کو کوہ بے ستون کہتے ہیں، کوہ بے ستون اس پہاڑ کا نام ہے جس سے فرہاد نے جوئے شیر نکالنے کی کوشش کی تھی، ہاتھی کی سونڈ کو اژدرسے تشبیہ دیتے ہیں، اور ایسے اژدرسے جو پہاڑ کی اونچائی سے گر رہا ہو، اور اس کی سونڈ کے پیچ وخم کو کمند، ہودج کو کشتی اور ہاتھی کے دونوں کان کو دو بادبان کہتے ہیں،

پیل چو کوہے کہ بود بے ستون — چار ستون زیر کہ بے ستون
پیچشِ خرطوم لبالب کمند — اژدر افتادہ زکوہ بلند
اندر آن کوہ شدہ مارپیچ — مار از و یافتہ درخار پیچ
کشتی عاج ست تو گوئی روان — گشتہ دو گوش زدو سو بادبان

موسم خزان کا ذکر کرتے ہوئے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ چنار کے پتّوں پر نمی اس طرح حرکت کرتی ہے جیسے رعشہ والے کی ہتھیلی پر پارہ کا نپتا ہو تو کہتے ہیں

نم بکف دست چنار از روش — زیبق لرزان بکف مرتعش

ناصر الدین بغرا خان اور کیقباد مل کر جب ایک ساتھ تخت پر بیٹھے ہیں تو خسرو نے اس موقع پر دونوں باپ بیٹے کے لیے عجیب و غریب تمثیلین تشبیہیں استعمال کی ہیں، کہتے ہیں کہ دونوں جوزا دو پیکر کی طرح معلوم ہوتے تھے، جوزا میں دو صورتیں آدمی کی طرح ہوتی ہیں، پھر کہتے ہیں دونوں تخت پر جلوہ فرما اس طرح نظر آتے تھے جیسے ایک برج میں دو قمر یا دو ستارے

Marfat.com

ہون، یا ایک تخت پر دو دارا ہون، یا زمین پر دو جمشید کی شان وشوکت آگئی ہو، یا چشم جہان مین دو خورشید کا نور پیدا ہو گیا ہو، یا دو لوح جبین اور دو نور یقین کو ایک ہی روشنی مل رہی ہو، یا دو سرو کی شاخین آپس مین مل رہی ہون، یا دو آب روان مین ایک ہی موج بلند ہو رہی ہو، یا دو نہرین ایک باغ وفا مین جاری ہو گئی ہون یا ایک تلوار مین دو دھارین پیدا ہو گئی ہون، یا کشت زمین دو بارش سے سیراب ہوئی ہو، اور دنیا نے دو باغ کی خوشبو سونگھی ہو، یا آسمان دو چاند سے ایک ہو گیا ہو، وغیرہ وغیرہ۔

ہر دو بیک تن چو دو پیکر شدند	بر فلکِ تخت چو مہ بر شدند
گشت بہ برجے دو قمر جائے گیر	گشت مزین بدو سلطان سریر
برج شرف کرد دو اختر یکے	سلک نسب کرد دو گوہر یکے
ملک بیک تخت دو دارا نمود	دہر بیک آب دو دریا نمود
روے زمین فرّ دو جمشید یافت	چشم جہان نور دو خورشید یافت
نور یکے داد دو لوح جبین	لمعہ یکے داد دو نور یقین
شاخ بہم سود دو سرو جوان	موج بہم داد دو آب روان
گشت یکے باغ دو فا را دو جوئے	گشت یکے تیغ صفا را دو روئے
کشت زمین آب دو باران چشید	مغز جہان بوئے دو بستان کشید
چرخ یکے شد بہ دو ماہ تمام	بزم یکے شد بہ دو دور مدام

اس مثنوی مین معنوی اور لفظی صنعتون کی مثالین بھی بکثرت ملتی ہین، مولانا اسمٰعیل میرٹھی مرحوم نے اپنے مقدمہ کے ستائیس اٹھائیس صفحون مین وہ تمام اشعار جمع کر دیے ہین جن پر کسی نہ کسی صنعت کی تطبیق ہوتی ہے، ہم یہان پر اس مثنوی کے صنائع و بدائع کی صرف چند مثالون ہی پر اکتفا

Marfat.com

کہتے ہین، گو آج کل ان صنعتون کی کوئی قدر نہین، لیکن پھر بھی ہم اپنے ناظرین کو اس فن سے روشناس کرنے کی کوشش کرتے ہین، جس کی داد آج سے پہلے بہت ملا کرتی تھی، پہلے صنائع معنوی کی مثالین ملاحظہ ہون،

تضاد۱۔ یعنی شعر مین ایسے الفاظ آئین جن کے معنی ایک دوسرے کے متضاد ہون، مثلاً

پُر دل وخالیِ دلِ شان ازہراس　　　پایک باز ندہ برون از قیاس
خفتہ ہمہ خلق ز بیدار یش　　　مستی او مایۂ ہشیاریش

مذکورۂ بالا اشعار مین الفاظ "پر" اور "خالی" "مستی" اور "ہشیاری" "خفتن" اور "بیداری" ایک دوسرے کے مخالف ہین،

ارصاد یا تسہیم۔ یعنی ابتدائے کلام مین ایسے الفاظ لانا جن سے معلوم ہو جائے کر قافیہ یا کلام کے آخر مین فلان لفظ آئے گا۔ بشرطیکہ روی کا حرف پہلے سے معلوم ہو، حرف روی وہ ہے جس پر قافیہ کی بنیاد ہوتی ہے مثلاً

سیم بران صورتِ دیبا شدہ　　　شقۂ دیبا بر زیبا شدہ
صورت ادراک ز آئینہ رفت　　　آئینہ صورتش از سینہ رفت

عکس۲۔ یعنی کلام کے جزء مقدم کو موخر اور موخر کو مقدم کرنا

خانۂ یک مردم و صد محرمی　　　مردم یک خانہ و صد محرمی

حسن تعلیل۳۔ یعنی کسی صنعت کے لیے اس کے مناسب ایسی علت ٹھہرانا جو حقیقت مین اسکی علت نہ ہو۔ مثلاً

---

۱ اردو مین مثال ملاحظہ ہو: نہ آیا اور کچھ اس چرخ کو آیا تو یہ آیا + گھٹانا وصل کی شب کا بڑھانا روز ہجران کا

۲ اردو کی مثال: باقی ساقی جو کچھ ہو دے لے + ساقی باقی شراب دے دے

۳ " " بے سبب زلزلہ عالم مین نہین آتا ہے + کوئی بے تاب تہِ خاک تڑپا ہوگا

Marfat.com

پشت بنفشہ بہ سمن زارہا   گوژ شد از چیدن دینارہا

اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ بنفشہ کی پیٹھ چمن میں دینار چننے کی وجہ سے ٹیڑھی ہو گئی ہے۔ دینار سے مراد پھول ہے، بنفشہ کا پودا قدرتی طور پر جھکا رہتا ہے۔ شاعر کا خیال ہے کہ پھول چننے کی کوشش میں اس کی پیٹھ اسی طرح جھکی رہتی ہے، جیسے کوئی شخص دینار چننے کے لیے جھکے۔

ادماج۔ ایک کلام سے دو یا دو سے زیادہ معنی کا اس طرح حاصل ہونا کہ دوسرے معنی کی صراحت نہ کی جائے۔ اسکی مثال میں عام طور سے خسرو کا حسب ذیل مشہور شعر پیش کیا جاتا ہے۔

زبان یار من ترکی و من ترکی نمی دانم   چہ خوش بودے اگر بودے زبانش در دہان من

زیر نظر مثنوی کا یہ شعر بھی اسی صنعت کی مثال ہے۔

لالہ چون از کوہ برفت آن شکوہ   کبک ببرید دل از تیغ کوہ

مطلب یہ ہے کہ پہاڑ پر سے لالہ ختم ہوا تو کبک کا دل بھی پہاڑ کی چوٹی سے اچاٹ ہو گیا لیکن دوسرے مصرعہ کا یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ لالہ کے نہ رہنے کی وجہ سے کبک نے تیغ کوہ سے خودکشی کر لی ہے،

استخدام۔ یعنی دو معنی والے لفظ سے ایک معنے مراد لے کر اس کی ضمیر سے دوسرے معنے مراد لینا۔ مثلاً

سوئے سواد او دوہ آمد چو باد   گرد حک از خنجر تیز آن سواد

اس کے یہ معنی ہیں کہ جب ہوا اودھ کے گرد و نواح (سواد) میں آئی تو ہوا نے خنجر تیز کی طرح سیاہی (سواد) کو دور کر دیا۔

ایہام[۱]، تبلیغ[۲]، اغراق[۳] اور غلو[۴] کی مثالیں تو بکثرت ہیں۔

۱؎ ایہام: جس میں ایسا لفظ لانا جو دو معنی رکھتا ہو ۲؎ ایسا مبالغہ جو عادۃً و عقلاً ممکن ہو ۳؎ ایسا مبالغہ جو عادۃً ممکن نہ ہو اور عقلاً ممکن ہو۔
۴؎ ایسا مبالغہ جو عادۃً و عقلاً دونوں ممکن نہ ہوا

Marfat.com

اسی طرح صنائع لفظی مین تجنیس[1]، اشتقاق[2] وشبہ اشتقاق[3] اور تنسیق الصفات[4] کی بھی مثالین بہت ملین گی، ان کے علاوہ حسب ذیل لفظی صنعتون کی مثالین ملاحظہ ہون،

ترصیع - یعنی پہلے مصرعہ کے تقریباً تمام الفاظ دوسرے مصرعہ کے تمام الفاظ کے وزن اور روی مین مطابقت رکھتے ہون، مثلاً

بے کرمے نام فروشی کنند — بے گہرے مرتبہ کوشی کنند

ہرچہ جوئی زوفائے کہ نیست — روئے چہ بینی بصفائے کہ نیست

سجع - یعنی ایک شعر مین تین تین قافیے ہون اور چوتھا قافیہ قصیدہ یا غزل کا ہو، مثلاً

گر شہد باشد ہر زبان یا آب حیوان در دہان — گفتار می گویم کہ آن نبود دگر گفتار تو

زین پس بخوبان ننگرم در کوے ایشان نگذرم[5] — گر ہیچ گیرد جان برم از غمزۂ خونخوار تو

رد العجز علی الصدر - یعنی پہلے مصرع کا شروع (صدر) مین جو لفظ آئے وہ دوسرے مصرع کے آخر مین بھی آئے، خواہ یہ لفظ بعینہ ہو یا صنعت تجنیس یا صنعت اشتقاق یا شبہ اشتقاق کے طور پر ہو،

عود قماری کہ ہمی داد دود — غالیہ می ساخت گل از دود عود

باد کہ اندر سر ہدہد فتاد — تاج سلیمان ز سرش بر باد

خسرو نے آگے چل کر صنائع و بدائع مین ہر قسم کی زور آوری دکھائی، اپنی تصنیف اعجاز خسروی مین انھون نے تو بعض خاص قسم کے صنائع مین ورق کے ورق لکھے ہین، بعض صنعتین تو ان ہی کی ایجاد ہین، جیسا کہ آیندہ جلد مین ذکر آئے گا،

۱؎ دو یا زیادہ لفظون کا لکھنے اور تحریر مین مشابہ ہونا اور معنی مین مختلف ہونا ۲؎ چند الفاظ کا ایک ہی مادہ سے [illegible] کلام مین لانا،

۳؎ چند الفاظ کا ایک مادہ سے بظاہر مشتق ہونا لیکن اصل مین مختلف ہونا ۴؎ کسی چیز یا شخص کا ذکر [illegible] مضمون کے ساتھ کرنا

۵؎ یہ پوری غزل سجع ہے اردو شعر کی مثال: محمدؐ سے صفت پوچھو خدا کی — خدا سے پوچھیے شان محمدؐ

اس کتاب کے جملہ حقوق نقل وترجمہ وطباعت دار المصنفین کے حق میں محفوظ
ہیں، مہتمم صاحب کی اجازت کے بغیر کوئی صاحب اقدام نہ فرمائیں۔

ذخیرہ محمد اقبال مجددی

Marfat.com

غلط نامہ بزم مملوکیہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۹	۱۳	بادشاہون	بادشاہ ہونے	۷۳	۱۳	سپاہ	سیاہ
۱۰	۱۶	بہر	مہر	۷۳	۱۵	چو	چون
۱۱	۹	اشک	رشک	۷۴	۱۶	آب چون	آب جون
۱۲	۱۱	ماس	پاس	۱۰۰	۵	خط	برخط
۱۲	۱۲	مالی	عالی	۱۰۰	۱۳	بنا	بنان
۱۲	۱۸	آمد	آنکہ	۱۰۲	۸	آمدہ	آمدہ است
۱۶	۷	صفت	صنعت	۱۰۳	۱	ہے	کا ہے
۲۰	۱۵	چتوان	جتوان	۱۰۵	۶	آنکہ	کہ
۲۱	۳	چتوان	جتوان	۱۰۷	۱۶	بر	ہر
۲۹	۲	کتاب الانساب	بحرالانساب	۱۱۰	۱۱	آ	آر
۲۹	۱۳	چاغان (صغان)	صاغان (صغان)	۱۱۰	۱۶	موشی	موسٰی
۳۹	۱۶	طغر	طغرا	۱۱۱	۱۳	پرورو	پروردہ
۵۲	۳	راہ	ماہ	۱۱۱	۱۶	برسہ	برسر
۵۶	۱۰	نہ بیک	مہ پیک	۱۱۷	۱۱	طغر	ظفر
۵۶	۱۰	قہرجان	مہرجان	۱۳۷	۱۳	تاریانت	تارتاریانت
۶۲	۱۱	کریگا	کریگا	۱۶۰	۷	طرہ	طرح

Marfat.com

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
١٦٤	١٦	وہ بھی	یہ بھی	٢٥٨	٦	زتقدیر	نز تقدیر
١٨٧	٩	باشں	بالشں	٢٦٤	٩	باد باد	باباد
٢٠٠	٣	مضامین ندرت	مضامین مین ندرت	٢٦٥	١٢	فوائدالفوائد	فوائدالفواد
٢٠٨	١٠	دریاسے	درپاسے	٢٦٨	٩	نقش	سخنش
٢١٤	١٠	کو زرنج	زرنج	٢٨٣	٩	تابتہ	تابتر
٢١٤	١٠	چہ	چون	٢٨٣	١٠	دولت بجنت	دولت وبخت
٢٤٥	٤	زرپاشی کے ذکر مین	زرپاشی مین	٣٠٥	٤	پاپہاسے	با بہائے
٢٥٢	٦	ناوانی	نادانی	٣٠٥	٦	خواشش	خراش
٢٥٢	١٤	ازدم	تازدم	٣٠٥	٨	عروسی ہا	عروسی ہار
٢٥٣	١٧	پاخنجر	باخنجر	٣١٢	٣	راسر	رابسر
٢٥٤	٩	ساقیا	ساقیان	٣١٣	١٢	روح	درروح
٢٥٦	١١	دیباپور	دیبال، پور	٣٢٨	١٦	ہ	سشہ

نقطے اور مرکز کی غلطیان ناظرین خود درست کرلین۔

Marfat.com

Marfat.com

مؤلف کی اور دوسری کتابیں

بزمِ تیموریہ

بابر ایک بے مثل اہلِ قلم تھا، ہمایوں نے شعر و شاعری کے علاوہ ہیئت و نجوم کی بھی انجمن آرائی کی اکبر کا علوم و فنون کی روشنی سے جگمگا اٹھا، جہانگیر نے ادب وانشا کو چمکایا، شاہجہان نے شعراء و فضلاء کو سیم و زر میں تلوایا، عالمگیر نے انشا پردازی کے اعلیٰ نمونے پیش کئے، بہادر شاہ ظفر نے عروسِ سخن کے گیسو سنوارے، تیموری شاہزادوں اور شہزادیوں نے بھی علم و ادب کی محفلیں سجائیں، دربار کے امراء شعراء اور فضلاء کے گوناگون کمالات وغیرہ کی تفصیل اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیے۔

قیمت حصہ اول ... ۲۰

" " دوم ... ۱۲

" " سوم ... ۱۳

بزمِ صوفیہ

جس میں عہدِ تیموریہ سے پہلے کے صوفیۂ کرام حضرت شیخ ابو الحسن علی ہجویریؒ، حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ، حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ، حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ، حضرت بو علی قلندر پانی پتیؒ، حضرت شیخ فخرالدین عراقیؒ، حضرت برہان الدین غریبؒ، حضرت ضیاء الدین نخشبی، حضرت شرف الدین احمد منیریؒ، حضرت جہانیاں جہان گشتؒ، حضرت اشرف جہانگیر سمنانیؒ اور حضرت خواجہ گیسو دراز اور شیخ [illegible] کے مستند حالات اور تعلیمات پیش کی گئی ہیں اس میں ملفوظات خواجگان چشت اور وحدت الوجود پر ضمیمے بھی ہیں

قیمت ... ۲۵/

Nizami Book Agency
BUDAUN - 243601 (U.P.)

Marfat.com